تذکرۂ

بہارِ سخن

یعنی سرزمین ریاست جودھپور کے شعرائے قدیم و جدید کا تذکرہ

از

محمد شرف الدین یکتاؔ جودھپوری

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

تاریخ تصنیف ــــــــــــــــــ جنوری ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ)
تاریخ طبع ــــــــــــــــــ جولائی ۱۹۶۳ء (۱۳۸۳ھ)
اشاعت ــــــــــــــــــ بار اوّل
تعداد ــــــــــــــــــ ایک ہزار
طابع ــــــــــــــــــ محبوب پریس حیدرآباد
ناشر ــــــــــــــــــ ادارۂ بہار سخن حیدرآباد

ملنے کا پتہ

۱۔ بیت الشرف ۹۳ سی یونٹ ۶۷ شاہ لطیف آباد حیدرآباد
۲۔ ادارۂ بہار سخن، جھورامل لین۔ حیدرآباد
۳۔ مکتبہ اشاعت اردو کوٹری (م۔پ)

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انتساب	و
۲	دیباچہ از مصنف	یہ
۳	پیش لفظ از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں	ک
۴	تعارف از وقار راشدی	ن
۵	مقدمہ از مصنف	۱
	دور اوّل	
۱	محمد اکرم فیض	۹
۲	اجودھیا ناتھ نوائی	۱۸
۳	خواجہ نجم الدین نجم فاروقی	۲۰
	دور دوم	
۱	نواب مردان علی خان رعنا	۲۵
۲	شاہ محمد عبد اللطیف لطیف	۳۳
۳	شاہ نور محمد نور	۳۵
۴	حیدر حسین خاں حیدر	۳۷
۵	قاضی صدیق اللہ صدیق	۳۸
۶	منشی نتھن لال بہجت	۴۱
۷	سید عابد حسین بیدل	۴۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸	لال چند گلچیں	۴۶
۹	رام سروپ شمیم	۴۶
۱۰	پنڈت بشیشر ناتھ بصیر	۴۷
۱۱	نظام الدین عیش	۴۸
	دور سوم	
۱	دیبی پرشاد بشاش	۵۰
۲	محمد شفیع ناصر	۵۶
۳	رشید احمد رشید تھانوی	۵۸
۴	محمد اسمٰعیل بیتاب	۶۰
۵	شہاب الدین نالاں	۶۲
۶	محمد ابوالحسن شرقی	۶۴
۷	محمد ابراہیم مداح	۷۱
۸	قاضی ظہور احمد نشتر	۷۵
۹	عبد الحئی بیخود	۷۷
۱۰	بہاء الدین خان بہا	۸۵
۱۱	نواب عبد اللہ خاں مطلب	۸۸
۱۲	مرزا محمد تقی بیگ مائل	۹۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳	قاضی عبدالغفار برقی	۹۷
۱۴	عبداللطیف خاں فرخ	۹۹
۱۵	عبدالغنی ثاقب	۱۰۳
۱۶	فیاض احمد فیاض	۱۰۸
۱۷	قاضی کبیر احمد کبیر	۱۱۰
۱۸	سید راحت علی راحت	۱۲۴
۱۹	حکیم محمد مرزا شاکر	۱۳۳
۲۰	قمر حسین قمر بڑودوی	۱۳۵
۲۱	کان کنوار اخگر	۱۳۸
	دور چہارم	
۱	رام سروپ مائل	۱۴۰
۲	لالہ لچھمی نرائن آذر	۱۴۲
۳	شیام سندر لال سرخوش	۱۴۵
۴	رضا حسنین بیدل	۱۵۰
۵	پتمبر پرشاد اختر	۱۷۳
۶	پیر ہدایت شاہ ہدایت	۱۷۷
۷	مظفر علی شاہ اثر	۱۸۰
۸	قاسم علی قاسم	۱۸۱
۹	عبدالحکیم ناداں	۱۸۲
۱۰	مسرور شاہ الوری	۱۸۳
۱۱	انور علی شاد سانبھری	۱۸۵
۱۲	شیخ عبداللہ عبد	۱۸۹
۱۳	محمد اسمٰعیل عاصی	۱۹۲
۱۴	نصیر احمد راز	۱۹۸
۱۵	حکیم عبدالرزاق حاذق	۱۹۹
۱۶	سید جمیل احمد طاہر	۲۰۵
۱۷	شیخ محمد حسین مرہم	۲۱۰
۱۸	عبدالکریم کمتر	۲۱۱
۱۹	سید اصغر علی اصغر	۲۱۲
۲۰	من موہن لال بسمل	۲۱۵
	دور پنجم	
۱	حفیظ اللہ بیکس	۲۱۸
۲	حکیم نثار احمد نثار	۲۲۰
۳	خورشید علی مہر نقوی	۲۲۳
۴	شیر محمد خاں احقر	۲۲۶
۵	عبدالمجید تاباں	۲۳۰
۶	سید نور الحسن حسن زیدی	۲۳۴
۷	سید طالب حسین طالب	۲۳۶
۸	عبدالباری تنہا	۲۳۷
۹	کالے خاں ابر	۲۴۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	عبداللطیف خاں اختر	۲۵۱
۱۱	سید محمد علی سیاد	۲۵۴
۱۲	ولی محمد انور غوری	۲۵۹
۱۳	امجد علی امجد	۲۶۳
۱۴	مشکور حسین سید نقوی	۲۶۴
۱۵	سید اکبر علی اکبر	۲۶۶
۱۶	محمد ابراہیم ابرار	۲۶۷
۱۷	مرزا محمد شاہ مرزا	۲۷۳
۱۸	رحمت اللہ رونق	۲۷۶
۱۹	عبدالحئی عابار	۲۷۶
۲۰	محمد زماں خاں اخضر	۲۷۷
۲۱	مصطفےٰ حسنین مائل	۲۸۲
۲۲	ابوالاسرار رمزی	۲۸۴
۲۳	آغا ظفر علی پیکر	۲۸۸
۲۴	مقبول حسین مقبل	۲۹۶
۲۵	سید ریاض الحسن نیر	۲۹۹
۲۶	سید محمد مرغوب اختر	۳۰۱
۲۷	وحید اللہ خاں وحید	۳۰۹
۲۸	موہن لال کول	۳۱۱
۲۹	سلطان احمد قمر	۳۱۶
۳۰	محمد انوار الحق نہال	۳۱۷
۳۱	عبدالغفار محشر	۳۱۹
	دور ششم	
۱	حکیم عزیز الرحمٰن عزیز	۳۲۱
۲	قمر الاسلام قمر قادری	۳۲۵
۳	پریم شنکر سریواستو	۳۲۷
۴	اعجاز احمد خاں اعجاز	۳۲۹
۵	ظفر الدین ظفر	۳۳۱
۶	محمد عمر قمر عثمانی	۳۳۴
۷	نبی بخش کامل	۳۳۶
۸	حکیم ظفر عالم ظفر ناگوری	۳۳۷
۹	مختار احمد رنگین	۳۳۸
۱۰	عبدالرزاق خاں صحرائی	۳۴۰
۱۱	عبدالغفار رونق	۳۴۲
	ضمیمہ	
	حالات مؤلف	۳۵۱
	قطعات تاریخ	۳۶۷

انتساب

اُن محترم ہستیوں کے نام جن کے

تذکار و افکار سے یہ اوراق مزیّن ہیں

یکتا

دیباچہ

تذکرۂ شعرائے جودھپور کی ترتیب و تدوین کا خیال تو دورانِ سکونت جودھپور ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ مگر چند ناگزیر حالات و گوناگوں مصروفیات کی بنا پر عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔ حالانکہ اسوقت میرے پاس فراہمی کتب حوالہ جات کے اچھے ذرائع موجود تھے۔ ریاست کی سرکاری لائبریری ہی کچھ کم نہ تھی جسمیں کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ موجود تھا۔ میں چونکہ خود لائبریری کی "بک سلیکشن کمیٹی" کا رکن تھا اسلئے مجھے کسی کتاب کے حاصل کرنے اور غیر معینہ مدت تک اپنی تحویل میں رکھنے یا کسی قیمتی کتاب کو کسی قیمت پر بھی خرید کر لائبریری کے ذخیرے میں اضافہ کرنے کی بڑی آسانی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد اہل علم حضرات کے ذاتی کتب خانے تھے جن سے مدد لی جا سکتی تھی مگر شومیٔ قسمت کہئے کہ اس زمانے میں مجھے اس ضمن میں بہت کم کام کرنے کا موقع نصیب ہوا بلکہ سچ پوچھئے تو اسوقت اسکی اہمیت کا اتنا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ جتنا یہاں پاکستان آنے کے بعد ہوا۔ مگر اب وہ ذرائع مفقود تھے ؎

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

ادب اردو کی بدقسمتی اس سے بڑھکر کیا ہوگی کہ حیدرآباد جیسے بڑے شہر میں جو ہندو
کا دوسرا یا تیسرا بڑا شہر ہے کوئی ایسی پبلک لائبریری نہیں ہے جسمیں قدیم و جدید

کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہو اور جس سے استفادہ کیا جاسکے ۔ بہرحال جو کچھ یادداشتیں ہاں فراہم کی تھیں اور ان کے علاوہ یہاں بھی جو کچھ سواد فراہم ہوسکا اسکو کتابی شکل دیدی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔

تذکرہ ہٰذا کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اسکا گوشوارہ درج ذیل ہے ۔

نمبر شمار	نام کتاب	کیفیت
۱	افاضات حمید ۔ مصنفہ قاضی رحمٰن بخش جودھپوری	مطبوعہ ۱۹۲۷ء میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے ۔
۲	تاریخ مارواڑ (ہندی) مصنفہ پنڈت بشیشر ناتھ ریو	سمیر پبلک لائبریری جودھپور
۳	آثار شعرائے ہنود مصنفہ منشی دیبی پرشاد بشاش	سمیر پبلک لائبریری جودھپور
۴	شعلۂ جوالہ جلد دوم فدا علی عیش	مطبوعہ ۱۸۶۹ء یہ مجموعہ واسوخت ہے دو جلدوں میں معہ حالات واسوخت نگار، سمیر پبلک لائبریری
۵	فخر التواریخ مصنفہ مولوی محمد رمضان فاروقی (مطبوعہ ۱۹۱۴ء)	حکیم سید اکرام حسین رضوی سیکری (حیدرآباد) کے کتب خانہ میں ہے
۶	کارنامہ راجپوتان مصنفہ مولوی حکیم نجم الغنی خاں رامپوری	" " "
۷	تذکرہ شعرائے جے پور ۔ مولانا احترام الدین شاغل	

نمبر شمار	نام کتاب	کیفیت
۸	جودھپور (انگریزی) مطبوعہ جودھپور گورنمنٹ پریس ۱۹۳۶ء	حکیم عزیز الرحمن عزیز کے کتب خانہ میں ہے۔
۹	تلامذۂ غالب مولفہ مالک رام	
۱۰	خم خانۂ جاوید جلد اول و دوم مولفہ لالہ سری رام	
۱۱	گلدستہ دامن بہار (آگرہ) کے پرچے	میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔
۱۲	گلدستہ پیام یار (لکھنؤ) کے پرچے	میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔
۱۳	گلدستہ نغمۂ یار (جودھپور) کے پرچے	میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔
۱۴	گلدستہ سحاب سخن (جودھپور) کے پرچے	میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔
۱۵	قلمی یادداشت مرتبہ افسر صدیقی امروہوی از یادگار ضیغم و دیگر کتب	میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔

اس سلسلے میں، میں اپنے ان کرمفرماؤں کو کسی نوع فراموش نہیں کر سکتا جن کے تعاون و اشتراکِ عمل سے اس اہم امر کی تکمیل سے عہدہ برآ ہو سکا ہوں۔ جن میں جناب رونق جودھپوری قابل ذکر و مستحق شکریہ ہیں کہ ان کا تعاون ابتدائی مرحلے سے انتہائی منزل تک حاصل رہا جس میں فراہمی سرمایہ اور پروف کی تصحیح جیسے عظیم امور شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بعض شعراء کے حالات و کلام اور چند ضروری معلومات بہم پہونچانے کے لئے انہوں نے جودھپور کا سفر بھی کیا۔ جناب بشیر احمد صدیقی ایڈوکیٹ میرپور خاص۔ جناب ڈاکٹر نذیر احمد صدیقی میرپور خاص۔ جناب صدیق حسن انصاری ایڈوکیٹ میرپور خاص۔ جناب منشی مقبول حسین مقبل حیدرآباد۔ جناب حکیم عزیز الرحمن

مرزا حیدر آباد و جناب چودھری حاجی محمد اسحاق لیڈر مرچنٹ حیدر آباد بھی لائق صد تشکر و امتنان ہیں کہ اگر ان کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید مرحلہ طباعت سے اتنی جلد سبکدوشی حاصل نہ ہوتی ہیں اپنے ان احباب کا بھی ممنون و متشکر ہوں جنھوں نے شعرا کے حالات اور بعض نایاب کتابوں کی فراہمی میں میری اعانت فرمائی۔ ان میں جناب حکیم سید اکرام حسین رضوی سیکری قابل ذکر ہیں جن کے توسط سے نہ صرف چند نایاب کتب کے مطالعہ کا موقع ملا۔ بلکہ ان کی ہمت افزائی اور کتاب کے ساتھ بڑھتی ہوئی دلچسپی نے ہر حوصلہ شکن مرحلے پر بڑا سہارا دیا۔ جناب وفا راشدی اور فاضل زیدی ایم۔ اے بھی فراموش نہیں کیے جا سکتے کہ اول الذکر کے گرانقدر مشوروں نے بڑا کام دیا اور موخر الذکر کے ذریعہ سے بعض نایاب کتابوں کے اقتباسات اور شعرا کے حالات دستیاب ہوئے۔

آخر میں بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ خدا میری سعی کو سعی مشکور اور کتاب کو حسن قبول عطا فرمائے۔ آمین

یکتا جودھپوری

پیش لفظ

از جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ایم اے، ایل. ایل بی، پی ایچ ڈی
ڈی لٹ صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاک و ہند کے مختلف صوبوں سے متعلق اردو ادب کے تذکرے شائع کرنے کا جذبہ اب عام ہوتا جا رہا ہے۔ یہ نہایت مبارک اقدام ہے اس طرح ہماری زبان کی تاریخ کے ایسے گوشے بھی بے نقاب ہو جائیں گے جو ابھی تک تاریکی میں ہیں۔ اردو کی ابتدا سندھ سے ہوئی یا پنجاب سے یا دکن سے یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آسان نہیں۔ کسی ایک زبان میں کسی دوسری زبان کے الفاظ کا عمل و دخل کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مختلف مقامات کے لوگ جب کبھی آپس میں ملتے ہیں تو ان کی مختلف زبانیں یقیناً ایک دوسرے سے متاثر ہوتی ہیں اس ارتباط و اختلاط کی شہادت خود قرآن پاک بھی دیتا ہے جس میں عجمی الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ لیکن صرف الفاظ کی آمیزش کسی جدید زبان کی تعمیر و تشکیل کے لئے کافی نہیں ہے جب کسی زبان کی صرف و نحو دوسری زبان میں دخیل ہو جاتی ہے تو اس نئی زبان کی اساس قائم ہوتی ہے اور یہیں سے لسانیات کے ماہر ایک لسانی خاندان کے رشتے ناتے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ یہ ایک

تاریخی چیز ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز دہلی تھا جس کے ارد گرد ہر قسم اور ہر مذاق کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ پھر گورنروں اور عسکریوں کی تبدیلی اور منتقلی سے ملک کے طول و عرض میں معاشرے اور زبان کی وحدت قائم ہو رہی تھی۔ چنانچہ مختلف علاقوں کے الفاظ کا آپس میں میل جول ہوتا رہا۔ الفاظ کا یہ ذخیرہ جب ایک مخصوص صرف و نحو کے ساتھ پروان چڑھا تو ہماری اردو زبان کی تشکیل ہوئی۔ اسی لئے ہر صوبے اور ہر علاقے میں قدیم اردو کے نمونے ملتے ہیں اور ملتے رہیں گے۔

محترم یکتاؔ صاحب نے اردو ادب کی ایک بیش بہا خدمت انجام دی ہے کہ انہوں نے جودھپور اور اسکے مضافات کے شعرا کے حالات اور اشعار جمع کر دیئے ہیں اور تاریخ ادب کے سلسلے کی چند بکھری ہوئی کڑیاں مربوط کر دی ہیں، ساتھ ہی چند فارسی شعرا کا ذکر بھی آگیا ہے اور اسطرح ایک حد تک جودھپور کی ادبی تاریخ مرتب ہو گئی ہے۔

یکتاؔ صاحب اچھے سخن فہم اور سخن سنج ہیں۔ وہ خود بھی اچھے شاعر ہیں اور اچھے شاعر گر ہیں۔ اُن کا مذاق ستھرا اور پاکیزہ ہے اور مجھے امید ہے کہ تاریخ ادب کے شائقین ان کی اس علمی کاوش کی صحیح قدر کریں گے۔ خدا اُن کو سلامت رکھے!

غلام مصطفیٰ خاں

سندھ یونیورسٹی

حیدرآباد

۱۷ رجنوری ۱۹۶۲ء

تعارف

از جناب وفا راشدی جنرل سکریٹری "بزم وحشت" حیدرآباد کراچی

حسرتؔ یہ دور جہل ہے دولت کو ہے فروغ
اب ہم سے قدر دانیٔ علم و عمل گئی

مولانا حسرتؔ موہانی مرحوم نے برسوں پہلے جس دور جہل کی عکاسی کی تھی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ماحول اور معاشرے کی صورت حال آج بھی وہی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ افسوسناک۔ اس دور علم میں جسے سائنس کا ترقی یافتہ دور کہا جاتا ہے۔ زمانہ جس تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ہمارے اخلاق و کردار، روایتی قدریں اور انسانی عظمتیں اسی تیزی سے گھٹ رہی ہیں۔ حقائق سے چشم پوشی، فکر و عمل کا فقدان، علم و ادب کی کوتاہی اور مذہب و روحانیت سے دوری کا یہ عالم ہے کہ ہنر ہمارے لئے عیب اور عیب ہنر بنتا جارہا ہے۔

ان حالات میں غنیمت ہیں وہ لوگ، مبارک ہیں وہ شخصیتیں اور لائق ستائش ہیں وہ ہستیاں جو شہرت و ناموری سے بے نیاز رہکر۔ ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواکئے بغیر تصنیف و تالیف کے علمی و تحقیقی کاموں میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں

اور نامساعد حالات کے باوجود خاموشی سے زبان و ادب کی خدمت انجام دیتے رہتے ہیں۔

انہیں چند برگزیدہ ہستیوں میں محترم جناب محمد شرف الدین یکتاؔ جودھپوری بھی ایک ہیں۔ جناب یکتاؔ جودھپوری کا نام نامی برصغیر میں غیر معروف سہی لیکن ریاست جودھپور اور راجستھان (ہند) کے اہل علم و ادب میں محتاج تعارف نہیں ان کے ذوقِ ادب نے وہاں کے بہت سے شعرا و ادبا کے ذوق و رجحان کو جلا دی ہے اور آج بھی ان کے بے شمار خوشہ چیں و عقیدت مند وہاں موجود ہیں جن کے چشمۂ فیض سے نئی نسل برابر فیضیاب ہو رہی ہے۔ پاکستان کا ایک حلقہ بھی ان کی ذات گرامی سے مستفید ہو رہا ہے۔ جناب یکتاؔ ایک پختہ گو اور قادرالکلام شاعر اور بلند پایہ ادیب اور جلیل القدر مورخ ہیں۔ فن عروض سے اچھی طرح واقف ہیں اردو، فارسی اور عربی زبان پر عبور حاصل ہے۔ فلسفہ، تاریخ و لسانیات پر بھی اچھی نظر رکھتے ہیں اور کئی مفید کتابوں کے مصنف و مولف ہیں

زیر نظر کتاب "تذکرۂ بہار سخن" یکتاؔ صاحب کا ایک ایسا قابل قدر ادبی کارنامہ ہے جو اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم گوشہ پر کرتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے ریاست جودھپور اور اس کے نواحی علاقوں میں اردو زبان و ادب کی ڈھائی سو سال کی تاریخ پیش کی ہے۔ بڑی تحقیق و جستجو اور محنت شاقہ سے وہاں کے شعرا و ادبا، مورخین و مصنفین کے حالات مع نمونۂ کلام جمع کیے ہیں۔ بعض قابل ذکر فارسی شعرا کا تذکرہ بھی درج ہے اور شاید ہی کوئی صاحب فن و صاحب سخن ان کی نظر سے بچا ہو۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس سنگلاخ خطے نے شعر و ادب کی ترویج و توسیع اور نشر و اشاعت میں کیا حصہ لیا ہے۔ کتاب کے شروع میں فاضل مولف نے مبسوط مقدمہ تحریر

فرمایا ہے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مولف، کتاب کی تالیف و تدوین میں سارا زور ختم کر دیتے ہیں اور مقدمہ کے زیر عنوان چند سطریں سرسری طور پر لکھ دیتے ہیں۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ یکتا صاحب نے تحقیق و تاریخ کی روشنی میں جودھپور اور نواح جودھپور کی خدمت زبان وادب کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے اور اس طرح یہ مقدمہ اپنی جگہ ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔

مؤلف کی تحقیق یا رائے سے کہیں کہیں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بشری تحقیق لغزش و خطا سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور کوئی بھی تحقیقی کام حرف آخر کی سند حاصل نہیں کر سکتا۔

مجھے یقین ہے کہ جناب یکتا جودھپوری کی محنت کی داد دی جائے گی، خلوص کی قدر کی جائے گی اور ان کی یہ کوشش اردو سے محبت رکھنے والوں میں خواہ وہ پاکستان کے ہوں خواہ ہندوستان کے بنظر استحسان دیکھی جائے گی۔

وفا راشدی

حیدرآباد

۲۶ر اپریل ۱۹۶۳ء

مشہور در سوادِ جہاں از سخن شدیم
ہمچو قلم سفر بزباں میکنیم ما

(غنی کشمیری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً

مقدمہ

جودھپور میں علم وادب کی تاریخ کا آغاز اسوقت سے ہوتا ہے جب سے مسلمانوں نے اس سرزمین میں قدم رکھا۔ مسلمانوں نے اس ملک میں کب سے بود و باش اختیار کرنی شروع کی یہ متعین کرنے کے لئے ہمکو جودھپور کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنی پڑیگی۔

جودھپور ریاست جو آجکل ریاست متحدہ راجستھان میں مدغم ہو گئی ہے تقسیم برصغیر سے قبل راجپوتانے کی سب سے بڑی ریاست شمار ہوتی تھی جس کا رقبہ ۳۶۰۲۱ (چھتیس ہزار اکیس) مربع میل تھا۔ اسکے شمال میں بیکانیر، شمال مغرب میں جیسلمیر، مغرب میں سندھ، جنوب مغرب میں سروہی، جنوب میں گجرات جنوب مشرق میں ادے پور، مشرق میں اجمیر اور کشنگڑھ اور شمال مشرق میں جے پور تھے۔ اس ریاست کی حدود مختلف ادوار میں گھٹتی بڑھتی رہی ہیں۔ مگر ہم نے اسکی وہی حدود شمار کیں ہیں۔ جو تقسیم برصغیر کے وقت (سنہ ۱۹۴۷ء میں) تھیں۔ جو اضلاع سنہ ۱۹۴۷ء میں جودھپور ریاست میں شامل تھے۔ ان کو سرحدوں میں ہم نے جودھپور ہی کا حصہ شمار کیا ہے۔

یہ ریاست بائیس پرگنوں پر مشتمل تھی جنہیں ڈیڈوانہ ، ناگور ، میڑتا ، جالور اور سانبھر ازمنۂ سابقہ میں علما و فضلا کے مرکز رہے ہیں ۔ ڈیڈوانہ اور ناگور عہد مغلیہ میں مرکزی حکومت سے وابستہ تھے ۔ شیخ مبارک ناگوری اور ان کے دو شہرۂ آفاق فرزند ابوالفضل و فیضی کی زاد بوم ناگور ہی کی سرزمین تھی اور یہیں کے علمائ سے انہوں نے اکتساب فیض کیا تھا ۔ ناگور کی دو نواحی بستیوں رصل اور کھاٹو میں ابتک قدیم قاضیوں اور خانوادۂ تصوف کے قبیلے آباد ہیں جنمیں اچھے اچھے صاحبان علم و فن اور بزرگان رشد و ہدایت پیدا ہوئے ۔

مہاراجگان راٹھوڑ کی عملداری سے قبل اس ریاست کو مارواڑ[1] کہتے تھے اور منڈور اسکی راجدھانی تھی ۔ راؤ سیہا راٹھوڑ جو راجہ جے چند والیٔ قنوج کا پوتا تھا سب سے پہلے اس ریاست میں (تقریباً ۱۲۲۶ء میں) آیا اور ایک حصۂ ملک پر قبضہ کرکے راٹھوڑوں کے راج کی بنیاد رکھی ۔ راؤ سیہا کی اولاد میں راؤ جودھا ہے جس نے ۱۴۵۳ء سے ۱۴۸۸ء تک حکمرانی کی اور ۱۴۵۹ء میں شہر جودھپور کی بنیاد رکھی جو ریاست کا صدر مقام مقرر ہوا اور اسی کے پیچھے ریاست کا نام جودھپور پڑا ۔

انہیں مذکورالصدر راٹھوڑ راجاؤں کی اولاد میں مہاراجہ مان سنگھ (۱۸۰۳ء تا ۱۸۴۳ء) مہاراجہ تخت سنگھ (۱۸۴۳ء تا ۱۸۷۳ء) اور مہاراجہ جسونت سنگھ ثانی (۱۸۷۳ء تا ۱۸۹۵ء) بڑے علم دوست راجہ گزرے ہیں جن کے عہد میں فارسی اور اردو کو کافی عروج حاصل ہوا ۔ دفاتر کا کام فارسی اور اردو میں

---

[1] اکثر مورخین اور جغرافیہ دانوں نے مارواڑ کا اطلاق راجستھان کے شمال مغربی راجپوتانہ پر کیا ہے جنمیں جودھپور کے علاوہ بیکانیر، جیسلمیر، کشن گڑھ اور سروہی بھی شامل ہیں ۔

ہوتا تھا جس کی وجہ سے شمالی ہند اور دیگر مقامات سے اہلِ علم حضرات آکر جودھپور
میں بود و باش اختیار کر رہے تھے۔

مہاراجہ مان سنگھ خود ہندی اور مارواڑی کے اچھے ادیب اور بلند پایہ
شاعر تھے۔ جہاں انہوں نے ہولی اور بسنت کے گیت گائے ہیں وہاں شہادت
امام حسین رضؓ پر بھی متعدد مرثیے مارواڑی زبان میں لکھ کر اشکباری کی ہے یہ مرثیے
آج تک قدیم ہندو گویوں اور طبلچیوں کی زبان پر جاری ہیں اور عشرۂ محرم میں
عقیدت کے ساتھ گائے جاتے ہیں۔ ان مرثیوں میں بہت سے فارسی اور عربی کے
الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

ناگور کی نواحی بستی رُحل میں قدیم زمانے سے قاضیوں کا ایک خاندان آباد
ہے جس کے مورثِ اعلیٰ قاضی حمید الدین ناگوری تھے جو ۱۱۶۵ء یا ۱۱۶۶ء (مطابق
سنہ ۵۶۰ھ یا سنہ ۵۶۱ھ) میں وارد ناگور ہوئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی
یہ بعد ازاں دہلی چلے گئے مگر ان کی اولاد و احفاد یہیں پھلی پھولی۔ رُحل قاضیاں انہیں
کا بسایا ہوا ہے۔ متاخرین میں اس خاندان کے ممتاز فرد قاضی رحمٰن بخش
جودھپوری ہوئے ہیں جو چیف کورٹ میں وکیل درجۂ اول تھے انہوں نے ۱۹۲۶ء
(۱۳۴۵ھ) میں ایک قابلِ قدر کتاب "افاضات حمید" اردو میں تصنیف کی
کی تھی جو ۱۹۲۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ یہ کتاب قاضی حمید الدین
ناگوری کے خاندانی حالات، اُن کے مناقب اور فیوضِ علمی پر مشتمل ہے مگر ضمناً
جودھپور (مارواڑ) کے بہت سے دیگر اربابِ کمال کے حالات بھی آگئے ہیں
جس نے کتاب کی افادیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری
کے صاحبزادے قاضی احمد ظہیر الدین تھے جن کی تصنیف روضۃ الصوفیہ
(فارسی) قلمی درگاہ رُحل میں موجود ہے۔ یہ پہلی فارسی تصنیف ہے جس کا

وجود خطۂ ملڑ واڑ میں بارھویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے۔ اس خاندان کے اور فضلاء کی تصانیف کے قلمی نسخے بھی وہاں موجود ہیں جنمیں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ برہان الجاہلین مصنفہ قاضی برہان الدین

۲۔ مناقب حمیدیہ مصنفہ قاضی محمد نجیب

۳۔ رسالہ قاضی رحمت اللہ خاں

ناگور کی دوسری اہم شخصیت سلطان التارکین حمید الدین صوفی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۲ھ مطابق ۱۲۷۳ء) کی ہے جنکے وجود سے ناگور میں علم و ادب کو کافی عروج ہوا۔ یہ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ ان کی اولاد میں خواجہ حسین ناگوری ہوئے ہیں جو علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار اور صاحب تصنیف تھے۔ ان کی تصانیف میں ایک تفسیر القرآن موسوم بہ نور النبی، سوانح امام غزالی اور رسائل و مکتوبات ہیں

متاخرین میں اس خاندان کے مشہور بزرگ خواجہ نجم الدین فاروقیؒ تھے جنکی مستقل سکونت فتحپور (سیکر) میں تھی۔ مگر جودھپور اور ناگور میں بھی اکثر قیام رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے پیچھے لاتعداد تصانیف چھوڑیں جنمیں گلزار وحدت (اردو) بیان الاولیاء (اردو) دیوان نجم (فارسی) اور دیوان نجم اردو مشہور ہیں۔ ناگور میں فی زمانہ بھی اچھی خاصی تعداد علماء و شعرا کی موجود ہے۔

ناگور کی دوسری نواحی بستی کھاٹو ہے اسمیں بھی ازمنۂ سابقہ سے صوفیائے کرام کے خاندان آباد ہیں جن سے سلسلۂ رشد و ہدایت جاری ہوتے۔ برصغیر کے مشہور ادیب و نقاد پروفیسر حافظ محمود خاں شیرانی اسی مردم خیز بستی کے رہنے والے تھے "پنجاب میں اردو" اور "مقالات شیرانی" جنکی لافانی یادگار ہیں ہیں

اختر شیرانی انہیں کے صاحبزادے ہیں۔

میرٹھ میں بھی قاضیوں کا ایک خاندان آباد ہے جس نے قاضی صدیق اللہ صدیق، ظہور احمد نشتر، کبیر احمد کبیر اور نصیر احمد راز جیسے فاضل علما اور شعرا پیدا کئے۔

ڈیڈوانہ میں علوم و فنون کے آغاز کا سراغ اب سے تقریباً تین سو پونے تین سو سال قبل سے ملتا ہے جبکہ علامہ محمد اکرم فیض نے اپنے علمی کارناموں سے یہاں کی فضا کو منور کر دیا تھا۔ اس خاندان میں قاضی عبدالغفار برقی اور ان کے فرزند عبدالحمید تاباں قابل ذکر شاعر ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ سرزمین جودھپور میں علوم و فنون کی ترویج اور عربی و فارسی میں تصنیف و تالیف کا آغاز بارھویں صدی عیسوی میں ہوا۔

اردو علم و ادب کی ترویج غدر ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل یا کچھ بعد ہوئی۔ غدر نے جہاں دولت مغلیہ اور شاہان اودھ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کو گل کر دیا تھا وہاں زبان و ادب اردو کے دوسرے چراغ روشن کر دیئے۔ دہلی اور لکھنؤ جہاں کی زبانیں مستند تسلیم کی جاتی تھیں غدر کی افراتفری میں ان مقامات کے اہل زبان ترک وطن پر مجبور ہو کر تتر بتر ہو گئے۔ دیسی ریاستوں نے ان تارکان وطن کا خیر مقدم کیا اور ان کو اپنے دامن عافیت میں پناہ دی چنانچہ اہل علم حضرات نے ریاستوں میں بود و باش اختیار کرنا شروع کر دی اور اپنی گلفشانیوں سے ریگستانوں کو بھی لہلہاتا ہوا گلستاں بنا دیا۔ جودھپور ریاست بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں رہی۔ غدر سے قبل اور بعد بھی یہاں ارباب علم و فن کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور والیان ریاست ان کو الطاف و اکرام سے نوازتے رہے بلکہ وہ خود اس قسم کے لوگوں کے متلاشی رہے۔ مہاراجہ تخت سنگھ (۱۸۴۳ء تا ۱۸۷۳ء) ایک مرتبہ ایام گرما گذارنے کے لئے آبو گئے تو وہاں نواب مردان علی خاں رعنا تلمیذ غالب سے متعارف ہوئے

اور ان کو جودھپور آنے کی دعوت دی اور یہاں بلوا کر دیوان ریاست مقرر کر دیا۔[1] رعنا پہلے مصنف ہیں جنہوں نے (۱۸۶۷ء) اردو سلسلۂ تصنیف و تالیف شروع کیا اور اپنے دس سالہ عہد دیوانی میں مختلف فنون پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی سب سے پہلی تصنیف جو دوران قیام جودھپور میں لکھی گئی تواریخ مارواڑ ہے جو ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔

مردان علی خاں رعنا کے بعد لالہ دیبی پرشاد بشاشؔ اور ان کے خاندان والوں نے اردو زبان و ادب کی اچھی خدمات انجام دیں۔ انکی سب سے پہلی تصنیف جو اردو زبان میں ملتی ہے وہ "میزانِ عدالت" ہے جو ۱۸۷۲ء میں چھپکر جودھپور سے اشاعت پذیر ہوئی۔

۱۸۹۰ء کے لگ بھگ جودھپور میں کافی ادبی ہنگامہ رہا ہے جبکہ یہاں سے دو ماہانہ گلدستے "سحاب سخن" اور "نغمۂ یار" نکلتے تھے۔ ان میں ماہانہ مشاعروں کی طرحی غزلیں اور مقامی و بیرونی شعرا کا دیگر کلام چھپتا تھا۔ سید محمد ابو الحسن شرقیؔ۔ شیخ محمد ابراہیم مداحؔ۔ قاضی ظہور احمد نشترؔ، حافظ سید راحت علی راحتؔ۔ مولوی محمد شفیع ناصرؔ، مولوی محمد اسمعیل بیتابؔ (تلمیذ داغ) شہاب الدین نالاںؔ۔ بہاء الدین بہاؔ تلمیذ داغ وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔ مقامی شعرا کے علاوہ جن بیرونی شعرا کا کلام ان پرچوں میں چھپتا تھا انمیں مضطرؔ خیرآبادی، بسملؔ خیرآبادی۔ خدا بخش ضبطؔ اجمیری (تلمیذ داغ) اور فدا علی خنجرؔ لکھنوی تلمیذ داغ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی دور میں آفتاب علوم مولنا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی نے مدرسہ اسلامیہ حنفیہ کی بنیاد رکھی جو اب بھی اپنی تبدیل شدہ ہئیت میں یادگار اسحاقیہ کے نام سے موجود ہے۔ یہ پہلا مدرسہ تھا جسکے ذریعہ جودھپور میں اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم حدیث و

[1] مارواڑ کا اتیہاس، (ہندی) مصنف پنڈت بشیشور ناتھ ریو۔

فقہ کی ترویج ہوئی۔ اس مدرسہ میں باہر سے علما بلوائے گئے اور درس کیلئے مقرر کیے گئے ان میں مولانا محمد شفیع ناصر رامپوری تھے جو اپنے دور کے ماہر فن ادیب اور شاعر غزو تھے جن سے بیتاب شاہجہان پوری (جو اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل طالب علم تھے) نے اصلاح سخن لی ہے۔ بیتاب بعد ازاں داغ سے متوسل ہو گئے تھے۔

۱۸۹۲ء میں بیخود بدایونی اور ان کے خاندان کی آمد نے یہاں کی ادبی فضا کو اور بھی چار چاند لگا دیئے سنہ ۱۹۱۰ء میں ان کا کلیات موسوم بہ اسم تاریخی "میخانۂ بیخود" چھپکر جودھپور سے شائع ہوا بیخود کے لائق و فائق فرزند رضا حسنین بیدک تھے جن کی پنجاہ سالہ خدمات جودھپور کی تاریخ علم و ادب کا ایک درخشاں باب ہے۔

اسی زمانے میں سانبھر (جہاں جودھپور اور جے پور دونوں ریاستوں کی مشترکہ عملداری تھی) کی مجلس ادب بھی شباب پرستی میرزا محمد تقی بیگ مائل اور ان کے احباب و تلامذہ کے وجود سے یہ چھوٹا سا قصبہ چمنستان ادب بنا ہوا تھا۔ اعلیٰ پیمانے پر مشاعرے ہوتے تھے اور باہر سے بڑے بڑے شعرا آ آکر شریک بزم سخن ہوتے تھے۔ مائل کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ ۱۹۳۶ء میں مولانا شاغل نے سانبھر میں یوم مائل منایا اور ایک رسالہ موسوم بہ اسم تاریخی "سرنوشت مرزا مائل" (۱۳۵۵ھ) مشتمل بر حالات و انتخابات کلام مائل چھپوا کر شائع کیا۔

یہ ہے ایک اجمالی جائزہ ریاست جودھپور کی تاریخ علم و ادب کا جو سطور بالا میں ہدیۂ قارئین کیا گیا۔ میں نے آسمان علم و ادب کے ان درخشاں ستاروں کو جنہوں نے سرزمین جودھپور کو شعر و سخن کی شعاعوں سے مستنیر کر دیا تھا اور آج تک جنکی ضوفشانیاں فضلائے ادب کو تابندہ و درخشاں کئے ہوئے ہیں تذکرۂ ہذا میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ آنیوالی نسلیں اپنے بزرگوں کے کارناموں سے جو انکی علمی و ادبی خدمات کی قابل قدر یادگاریں ہیں غافل نہ رہیں۔

کلام کا انتخاب کرتے وقت یہ نظریہ میرے پیشِ نظر رہا ہے کہ جن شعرا کا کلام ہنوز چھپکر منصۂ شہود پر نہیں آیا ان کے کلام کا اچھا خاصہ ذخیرہ شامل تذکرہ کرلیا جائے تاکہ مستقبل میں اگر یہ گنجائے گرانمایہ علیحدہ علیحدہ شائع نہ ہو سکیں تو یہ مجموعہ ہی ان کے مقام شاعری کی نمائندگی کرنے کیلئے کافی ہو۔ بعض شعرا ایسے ہیں جنہوں نے بہت کم کہا ہے اور اب ان کا کلام نایاب ہے۔ ایسے شعرا کا جسقدر بھی کلام دستیاب ہوسکا ہے وہ پورا کا پورا شامل تذکرہ کرلیا ہے تاکہ محفوظ ہو جائے اور دستبرد زمانہ کی نذر ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہ کتاب تذکرۂ شعرا کے ساتھ ساتھ شعرا کے کلام کا مجموعہ بھی ہے۔

اس کتاب کو میں نے چھ ۶ ادوار پر منقسم کیا ہے۔ ادوار مقرر کرتے وقت میں نے محض زمانہ کو مدنظر رکھا ہے یعنی جن شعرا کی شاعری کا عروج جس دور میں ہوا اور وہ جن کے معاصر تھے ان کو اسی دور میں یکجا لیا ہے اسمیں کسی قسم کے معیار اور مقام شاعری کو مدنظر نہیں رکھا ہے۔

اس تذکرہ میں صرف انہیں شعرا کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو ۱۹۴۷ء کے پہلے سے اس میدان میں یکتا تازی کرتے تھے۔ تقسیم برصغیر کے بعد چونکہ یہ ریاست اپنی انفرادیت ختم کرکے ریاست متحدہ راجستھان میں مدغم ہوگئی ہے۔ لہٰذا جنکی شاعری کا آغاز تقسیم کے بعد ہوا یا جو حضرات دوسرے مقامات سے منتقل ہو کر تقسیم کے بعد جودھپور میں آکر بس گئے ان کو اسمیں شامل نہیں کیا ہے۔

میں نے حتی الوسع شعرا کے حالات اور کلام فراہم کرنے میں انتہائی تلاش اور جستجو سے کام لیا ہے اور اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ متقدمین یا متاخرین میں سے کوئی نظرانداز نہ ہو۔

یکتا جودھپوری

بیت الشرف
شاہ لطیف آباد (حیدرآباد) ۵ر جنوری ۱۹۶۲ء

دورِ اوّل

محمد اکرم فیض

اب سے تقریباً تین سو پونے تین سو سال قبل قصبہ ڈیڈوانہ علاقہ جودھپور (مارواڑ) میں شیوخ عثمانی کا ایک قدیم خاندان آباد تھا جس کے چند باقیات الصالحات اب بھی موجود ہیں مگر زیادہ تر ترکِ سکونت کر کے شہر جودھپور میں آباد ہو گئے ہیں۔ علامہ فیض اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا سلسلۂ نسب خلیفۂ سوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جیسا کہ وہ خود اپنی مثنوی "رازِ فیض" میں لکھتے ہیں ؎

چساں رازم نہاں در پردہ باشد　　　　کہ جدّم جمع قرآں کردہ باشد
حسب لوح و قلم تقدلیست درمشت　　　　نسب عثمانِ ذوالنورین بر پشت

یہ خاندان ڈیڈوانہ میں کب سے آباد تھا اس کا ٹھیک زمانہ متحقق نہیں ہوا البتہ قصبہ ڈیڈوانہ کے وثیقہ جات شرعی و عدالتی کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے دورِ ابتدائی میں اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی محمد اسمٰعیل عثمانی قصبہ ڈیڈوانہ میں بعہدۂ قضا مامور تھے۔ یہ شیخ محمد تقی کی ساتویں پشت میں ہوتے ہیں جو شہر قند ز

علاقہ بخارا سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے تھے۔ محمد تقی اپنے زمانہ کے علما میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اسلیئے ان کو قصبہ ڈیڈوانہ کا عہدہ قضا تفویض ہوا جو اس زمانے میں سرکار ناگور صوبہ اجمیر سے متعلق تھا۔

قاضی محمد اکرم فیض ۲ر جمادی الثانی سنہ ۱۱۱۲ ہجری مطابق سنہ ۴۵ جلوس شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو بمقام ڈیڈوانہ پیدا ہوئے ان کے والد کا نام محمد معظم تھا جو قاضی محمد اسمٰعیل سے چھٹی پشت میں تھے۔ فیض نے اپنے فاضل باپ سے تحصیل علوم و فنون کی اور جو کچھ سیکھا انہی سے سیکھا چنانچہ اپنی تصنیف روزگار نامہ کی آخری غزل کے تاریخی مقطع میں فرماتے ہیں ؎

فیض اکرم فہم تصنیف از معظم یافتی
سالش از فہم معظم کن ضیائے روزگار

فاضل یگانہ باپ نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ عربی اور فارسی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سنسکرت کی تعلیم دی۔ سنسکرت میں فیض کا پایہ کس قدر بلند تھا اس کا اندازہ ترجمہ لیلا وتی و بیج گنت سے ہو سکتا ہے یہ سنسکرت میں علم ریاضی اور جبر و مقابلہ کی دو ادق کتابیں ہیں جنکو فیض نے جامۂ فارسی پہنایا

تحصیل علوم و فنون کر چکنے کے بعد ۱۱۳۳ھ میں جبکہ ان کی عمر اکیس سال کی تھی مشرف بلغور خانہ (خیرات خانہ) مقرر ہوئے اور اس عہدہ پر ۱۱۵۵ھ تک فائز رہے اس زمانہ میں نواب جمال اللہ الملقب بہ میر فخر الدین حاکم ڈیڈوانہ تھے۔ فیض اپنے اشعار میں اکثر ان کی مدح سرائی کیا کرتے تھے جو ان کے وظائف میں اضافہ کا باعث ہوتی۔ اسی زمانہ میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا جسکے متعلق فیض نے ایک قطعہ تاریخ کہا ہے ؎

رسانند سرتاج نیزہ داراں بہ شاہ نادر چنیں بشارت
اگر خرامی بجانب ما نہ ماند و پایش ز تو اشارت

به لشکر انداخت شورِ محشر زکشتن مثل خانِ دوراں
به دهلی از خونِ بیگناهاں نمود رنگیں ہمہ عمارت
بلوحِ پیشانیٔ امیراں نوشت تاریخ ہاتفِ غیب
"شہادت تام" "کشتگاں را و زندگاں را" "ہمہ شرارت"

۱۱۵۲ھ میں فیض امین ڈیڈوانہ مقرر ہوئے اور ان سے متعلق نمکسار ڈیڈوانہ کا کل انتظام ہوگیا جو انہوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔ رائے اودے سنگھ کائستھ جو ڈیڈوانہ میں بعہدۂ نیابت محاصل سانبھر و ڈیڈوانہ فائز تھا اور دربارِ شاہی میں منصب واری رکھتا تھا ان کے مخلص دوستوں میں سے تھا۔ اس نے ان کو غیر معمولی قابلیت کا آدمی پاکر اپنے فرزند ہر پرشاد کا نائب دیوان اور بعد ازاں اپنا وکیل مقرر کرلیا جسکی وجہ سے فیض کو جے پور اور جودھپور کی سرکاروں میں کافی رسوخ حاصل ہوگئے

جب احمد شاہ ابدالی کی فوج کشی نے ہندوستان میں عام ابتری پھیلادی اور جگہ جگہ طوائف الملوکی ہوگئی تو ڈیدوانہ بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ فیض نے چند شورش پسند لوگوں کے جرگہ میں شریک ہوکر ڈیڈوانہ میں اپنا عمل دخل کرلیا۔ مگر جے پور اور جودھپور کی زبردست طاقتوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے اپنا مستقل تسلط قائم نہ رکھ سکے اور والیِ جودھپور کے بھائی راجہ بخت سنگھ کو ڈیڈوانہ نذر کردیا لیکن یہ تدبیر کچھ راس نہ آئی بخت سنگھ شورش پسندوں کو ایک مستقل خطرہ سمجھتا تھا لہٰذا اس نے اپنا ایک عامل ڈیڈوانہ روانہ کرکے اس کو یہ ہدایت کردی کہ موقع پاکر غاصبوں کا کام تمام کردے۔ خوبیٔ قسمت نے فیض کو آنے والے خطرے سے آگاہ کردیا اور وہ وہاں سے موقع پاکر نکل گئے اور قصبہ جھلائی علاقہ جے پور میں آکر مقیم ہوگئے۔ ان کے جرگہ کے بعض افراد مارے گئے اور بعض جان بچاکر فرار ہوگئے۔ اسی زمانہ میں فیض نے نیرنگیٔ روزگار سے متاثر ہوکر "روزگار نامہ" تصنیف کیا۔

یہاں انہوں نے پیشہ طبابت اختیار کیا۔ مگر بہت جلد ان کو فکر معاش سے بے نیاز ہو جانا پڑا۔ کیونکہ مہاراجہ مادھو سنگھ والیٔ جے پور نے جو اہلِ فن کا قدرداں تھا ان کو قدردانی کے ہاتھوں لیا اور اپنی سرکار میں ملازم رکھ لیا۔ دیوان فیضؔ میں اکثر قصائد مادھو سنگھ کی مدح میں ملتے ہیں ان اکرام و عنایات کی طرف فیضؔ نے "روزگار نامہ" کے اشعار میں بھی اشارہ کیا ہے ؎

محترم ساز د مہاراجہ دعا لیہمتی ــــ گو کہ از دون ہمتی قدام ندانند روزگار
چوں بدرگاہ مہاراجہ ملازم گشتہ است ــــ فیضؔ خواہد شد باقبالش ملاذِ روزگار
چوں بدربالش نیاز بندگی آوردہ ایم ــــ خود مہاراجہ نماید بے نیاز روزگار

مہاراجہ مادھو سنگھ کی وفات کے بعد اس کے بڑے لڑکے ایسری سنگھ نے بھی ان کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ کیونکہ دیوان فیضؔ میں اسکی بھی مدح سرائی کی گئی ہے مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے انتقال کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ فیضؔ کا تعلق دربار جے پور سے منقطع ہو گیا تھا کیونکہ بعد کے کسی راجہ کی مدح میں ان کا کوئی قصیدہ نہیں ہے

ان کی اخیر زندگی کے بارہ سال قصبہ جھلائی میں عزلت گزینی میں گذرے مگر اس عہد کے نامی گرامی امرائے سلطنت دہلی مثل نظام الملک آصف جاہ، عماد الملک، امیر الامرا، نجف خان بہادر وغیرہ سے برابر سلسلہ خط و کتابت جاری تھا اور وقتاً فوقتاً اپنا تازہ کلام انکے پاس تحفۃً بھیجتے رہتے تھے اور یہ امرا بھی نام و پیام سے یاد کرتے تھے۔

اپنی زندگی کے ۷۶ سال پورے کرنے کے بعد یہ فیضیٔ ثانی دابوالفضلِ وقت ۲۲ شعبان ۱۱۹۱ھ کو بمقام جھلائی عالم فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہوا۔

فیضؔ ایک قادر الکلام بلیغ شاعر تھے اور تقریباً تمام اصنافِ سخن پر ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ غزلیات کو دیکھو تو بڑی بڑی سنگلاخ زمینوں اور ادق بحروں

ہیں علوم و حکم کے دریا بہائے ہیں اور مثنویوں میں وہ زورِ قلم دکھایا ہے کہ ان کے ہمعصر علماء و شعراء ان کو مولانائے مثنوی کہتے تھے۔ کلام میں تمام قسم کے صنائع و بدائع موجود ہے

فیض کا دائرہ تصانیف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ اس فاضل زمانہ نے ہر فن میں خامہ فرسائی کی ہے۔ جس میدان میں گامزن ہوا ہے شہسوار معلوم ہوتا ہے۔ گو اکی تصانیف کا ایک بڑا ذخیرہ پس ماندوں کی بے پروائی کی نذر ہو گیا تاہم جو کچھ موجود ہے ان کی فضیلت علمی اور علو مرتبت پر دلالت کرنے کو کافی ہے۔ ذیل میں ان کی موجودہ تصنیفات کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(۱) دیوان فیض ——— غزلیات، قصائد و قطعات کا مجموعہ۔ مصنف کے پوتے قاضی عبد الغفار برقی جودھپوری نے ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۷ھ میں چھپوا کر شائع کیا۔

(۲) ریاض فیض ——— مصنف کی حسب ذیل چھ مثنویوں کا مجموعہ۔ (۱) اعجاز فیض (۲) آیاتِ فیض (۳) اشاراتِ فیض (۴) رازِ فیض (۵) قصۂ دولت (۶) قصۂ فیروز، یعنی جنگ نامہ افواج مادھو سنگھ یا جواہر سنگھ، یہ کتاب بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

(۳) روزگار نامہ ——— مصنف کی ان غزلیات کا مجموعہ جو انہوں نے انقلاب زمانہ سے متاثر ہو کر لکھیں۔ غزلیات کی ردیف روزگار ہے اور ترتیب بلحاظ قافیہ کی گئی ہے، یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

(۴) واجبات اسلام ——— یہ علم فقہ کا ایک رسالہ ہے۔ جو مصنف نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لئے ۱۱۹۰ھ میں تصنیف کیا اسکی تاریخ تصنیف خود مصنف نے لفظ "ظفر" سے نکالی ہے (نامطبوعہ)

(۵) مفتاح الغیب ——— یہ کتاب علم تصوف میں ہے اور حافظ شیراز کے

صوفیانہ اشعار کی شرح ہے ۱۱۷۰ھ میں تصنیف ہوئی تاریخ "فیض دا حضر" سے نکلتی ہے (نامطبوعہ)

(۶) بنیان الرمل ــــــ تاریخ تصنیف ۱۱۶۵ھ (نامطبوعہ)

(۷) برت مالی ــــــ یہ ہندی عروض کا ایک رسالہ ہے جو سنسکرت کی کتاب برت رتناکر سے ماخوذ ہے (نامطبوعہ)

(۸) نسخہ تمیز ــــــ علم ہندسہ میں سنسکرت کی معرکتہ الآرا کتاب لیلاوتی کا فارسی ترجمہ ۱۱۷۲ھ میں بعہد بادشاہ عزیز الدین عالمگیر ثانی۔ علامہ فیض نے کیا (نامطبوعہ)

(۹) تخم حساب ــــــ یہ بھی ایک سنسکرت کی کتاب بیج گنت کا فارسی ترجمہ جو ۱۱۸۲ھ میں بمقام پھلاؤں کیا گیا۔ (غیر مطبوعہ)

(۱۰) ایجاد العروض ــــــ یہ فن عروض و قافیہ کی ایک کتاب ہے جو ۱۱۷۰ھ میں لکھی گئی (غیر مطبوعہ)

(۱۱) نسخہ صرف ــــــ ۹۶ شعروں کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں عربی قواعد صرف بیان کئے گئے ہیں۔ (غیر مطبوعہ)

(۱۲) میزان الصرف مسمٰی بہ اصول فیض ــــــ یہ مذکورۃ الصدر کتاب نظم صرف کی شرح ہے جو خود مصنف نے کی ہے (غیر مطبوعہ)

(۱۳) مجربات معظم ــــــ علم طب کی ایک کتاب۔

انتخاب کلام

نگاہے سادۂ صافی ادا سے کردہ ام پیدا ۔ ہوسناکی بصورت آشنائے کردہ ام پیدا

ہمی گویند کا ندر سایہ اش شاہی نصیب آید ۔ مگس رانی من از بہر ہمائے کردہ ام پیدا

بہر رنگے کہ گردد دل نگاہ سوئے او باشد ۔ سرش گردم عجب قبلہ نمائے کردہ ام پیدا

در اشک آرمش لعل از زبان خنجرش ریزد — بمصوری سنگین بہائے کردہ ام پیدا
نباشد بر دلے زارے اگر زخم تیغ گاہے — بہ پیکان خزہ مشکل کشائے کردہ ام پیدا
زہے زلفش کہ سنبل را غلامے داشتی پنہاں — ولے دیوانہ را زنجیر پائے کردہ ام پیدا
چرا در نرگس مستش بہ بیماری نظر کردم — بجان خویش ازاں دیدن بلائے کردہ ام پیدا
بنور العین صبح دولت بیداری نازم — کزیں صورت بہ بزم خود ضیائے کردہ ام پیدا
قلم در دست من چوبے کہ من ہیچ عصا دارم — گروہ حاسداں را اژدہائے کردہ ام پیدا
چہ حاجت شیوہ اظہار حاجت پیش محتاجاں — نصیب فیض را حاجت روائے کردہ ام پیدا

○

کرد در دام فراموشی چو صیاد مرا — نامہ بر پر تیرے نہ فرستاد مرا
گشت خوشخوانی من وصل گرفتاری من — در قفس صرفہ نکرد ایں ہمہ فریاد مرا
گرچہ من از شکن زلف مطول خواندم — غیر ازاں نقطہ خالش نبود یاد مرا
باہمہ لطف سخن یار بمن رو نہ نداد — گفتۂ حاسدم آں بود کہ رو داد مرا
فیض دیوانہ ہم از پیشہ خود ہشیار است — معنی عشق جنوں میکند ارشاد مرا

○

مددگارت چو انسان آفریدی — خلل در راہ ایماں آفریدی
خدا بیست آنکہ بے او نیست یارت — چہ ایں معبود پنہاں آفریدی
اگر سنگ صنم راہ تو گیرد ! — بخویش آذار رحماں آفریدی
نمازت گر نیازے را نشاید — بہ سیما داغ حرماں آفریدی
پئے دلہا اثر رخسار خوباں ! — مگر زلف پریشاں آفریدی

○

صنعت بے نقط ملاحظہ ہو:-

ہر کہ دارم درد و دارو دادۂ الہام او　　ہر لامع لمعۂ ماہ سر اعلام او
در سطوع ماہ گرد و دور گرد دس در راہ　　گر طلوع مہر آرد لمعۂ صمصام او
حکم دارد در کلام ہمہ رام محال　　در ممالک عرصہ آرد حملہ ہر کام او
راہ دل را ہر کہ دارد دل کہ آرد در حصار　　سرد آرد آہو رہوار در گلہ ام او
گرم گردد در رہ رو داد امداد ہوا　　گر صداع آرد سرور سرد در حمام او
ہر کہ دارم علم دارد در رہ اسرار دل　　سرد گردد آہو رم گردہ گردد رام او
در رہ ہر علم اکرم سود در سود آ درد　　راہ دارد حکم عام آورد الہام او

ذیل کی غزل میں ایک عجیب صنعت پیدا کی ہے۔ اگر الفاظ بین القوسین حذف کر دیئے جائیں تو ایک دوسری غزل بن جاتی ہے ؎

ولے حیرت ادائے مبتلائے (کردہ ام پیدا)　　چو آئینہ نظر شوق آشنائے (کردہ ام پیدا)
بگرداب نگہ خوش دستگیرے (نیست چوں غمزہ)　　بہ بحر آشنائی آشنائے (کردہ ام پیدا)
تبسم مایۂ خورسندی آہنگ (از نزاکتہا)　　بگفتار حزیں مطلب ادائے (کردہ ام پیدا)
چرا بر من چنیں نامہرباں است (آں نگار خوش)　　بت دیر آشنا گرم آزمائے (کردہ ام پیدا)
ہجوم اشک آہم می نماید (بارشِ برقے)　　بدیں خوبی بہ پستاں ہوائے (کردہ ام پیدا)
چو آشفتی جہاں کردی پریشاں (از بہ حسرت)　　شوی آباد در شانت دعائے (کردہ ام پیدا)
نیا ید فیض باز از شعر گوئی (چیست در نالش)　　باندازِ رسائی نارسائے (کردہ ام پیدا)

مندرجہ ذیل غزل میں عبارت بیرون قوسین ایک مستقل غزل ہے اور عبارت بین القوسین دوسری مستقل غزل ہے ؎

با خصم طناز آمدم (از یار تا گشتم جدا)　　با بدخواہ غماز آمدم (ہر بار تا گشتم جدا)

عہد بیست با جانانِ من (گفتم دعائے جانِ من) — در عشق جاناں باز آمدم (ناچار تا گشتم جدا)

تا سایۂ زلفت بود (با نگہتِ الفت بود) — با نغمہ دمساز آمدم (از نار تا گشتم جدا)

دل بردہ ہا نت بستہ ام (من از زنخداں رستہ ام) — در شہر اعجاز آمدم (از غار تا گشتم جدا)

مشتاق یار پرستم (در آرزوئے دیدنم) — بر حال خود باز آمدم (بیمار تا گشتم جدا)

رنج است در اوقاتِ من (از پرسشِ حالاتِ من) — با درد انبازہ آمدم (بگزار تا گشتم جدا)

بر سنگ برزد ناقوسِ من (اے فیض کو ناموسِ من)
با فیض ہمراز آمدم (از غار تا گشتم جدا!)

مثنوی آیاتِ فیض کے چند اشعار :-

اے اول و ابتداء عیانی — ولے آخر و انتہا نہانی

بگرفتہ عدم ز تو وجودے — اے از تو وجود را نمودے

حسن از تو جلیس شب نشیناں — ہمراز نہیں دور بیناں!

عشق از تو تپش فروش بسمل — شورابہ رسانِ شورشِ دل

خونابہ چکانِ کہنہ ناسور — تاداد کانِ نشانِ زنبور!

آتش ز تو سوز و ساز دارد — دل سوختہ گرم راز دارد

خاکستر نشیں لباسِ حال مست — واں صوفی زندہ دل ز کال مست

از آتش زہد آں قدر سوخت — ہر چیز کہ بود خشک و تر سوخت

معشوقہ شوخ دل نشیں است — نورے بہ لباس آتشیں است

از فتنہ خدمتش نہ رستند — گبراں کہ بجائے تو پرستند

آں آتش خشم بر فروزد — تا دل سیہ تناں بسوزد

بر کرۂ باد تازیانہ — نیکو زدہ کہ شد روانہ

ہر غنچہ کہ خوشش ہوائش بود — صد مردہ دلکشائیش بود

گل را بہ بہا نمود ودیعت
خوش بوئے گرفتہ در طبیعت

اجودھیا ناتھ نوآئی

اجودھیا ناتھ نام۔ نوآئی تخلص دہلی کے باشندے تھے۔ تلاش معاش میں وارد جودھپور ہوئے اور عدالت فوجداری میں ملازم ہو گئے۔ مولوی امام بخش صہبائی (جو شاہ نصیر کے ہمعصر تھے) کے شاگرد تھے اور کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے انہی سے اپنی استادی کی ابتدا کی تھی۔

ایک کتاب مجموعہ واسوخت موسوم بہ شعلۂ جوالہ میں سے ان کا صرف ایک فارسی کا واسوخت دستیاب ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی کلام نہیں ملتا۔ واسوخت سے معلوم ہوتا ہے کہ نوآئی ایک بلند خیال اور خوش فکر شاعر تھے

اس واسوخت میں ۵۱ بند ہیں چند بند بطور نمونہ درج ذیل ہیں ؎

داد از شیفتگی ہائے دل سوز و گداز داد از گردش آں چشم ہمہ فتنہ و ناز
داد از بیہدگی ہائے رقیب غماز داد از جور و جفائے فلک شعبدہ باز
حال سودائے دل خود بکہ تحریر کنم
شکوۂ مدعیاں پیش کہ تقریر کنم

یاد روزیست کہ فارغ ز ہوس ہا بودم غافل از نالہ مرغان قفس ہا بودم
بیخبر از مے و ساقی و عسس ہا بودم غافل از آہ دل و سوز نفس ہا بودم
غم دل خوردن و چاک جگرم یاد نبود

هیچ گه بر لب من ناله و فریاد نبود

ناگهان وقت بهار آمد و شد موسم گل   گشت زنجیر بپا باد نسیم از سنبل
هر طرف نغمه سرا شد بسر گل بلبل   از بر آورد گل و لاله بکف ساغر مل

زور بازار جنون گشت بسر سودا شد
هر یکے را هوس لاله رخ پیدا شد

مست از بادهٔ غفلت به گلستان رفتم   به تماشائے گل و صحبت مستان رفتم
بفضائے چمنے چون گل خندان رفتم   روش لاله رخان دیدم و شادان رفتم

بر سر غنچه و هر صحن چمن گردیدم
پئے هر عشوه گر شعبده فن گردیدم

کرد فرش چمنے از مزه میرفت یکے   سر بزانوئے کسے داشته میخفت یکے
حال رنج و غم دل پیش بتے گفت یکے   اشک چون سلک گهر بر مژه می سفت یکے

پائے کوبان طرف نغمه سرایان سوئے
اهو کشان برده دلے طرهٔ عنبر موئے

آن یکے واله و مفتون بت خوش انداز   آه سرد یے بلبے در سخنے بوئے نیاز
هر یکے بادگرے گرم تبسم گوشی و راز   هر یکے را به یکے شعبدهٔ عشوه و ناز

مست مرغان چمن هم بچمن عهد شباب
مطربان چار طرف زخمه زن تار رباب

ناگهان حور وشے طرفه کله شکسته   همه زیبائی خود با گل رعنا بسته
مو میان زلف چو سنبل دهنش چون پسته   سرو قد لاله رخے در چمن بنشسته

از دو نارنج دو نارنج فزائے دلجوی
وز دو ابرو پئے قتلم آخته شمشیر بکین

بہ یکایک شررے از جگرم پیدا شد — آہ آمد بہ لب اشک ترم پیدا شد

بہ جہاں روز سیاہ در نظرم پیدا شد — در دل وسینہ ز عشقش اثرم پیدا شد

عشق در سینہ نہاں بود نمی دانستم!

نشترے در رگ جان بود نمی دانستم

عشق آں عشق کہ خاک ہمہ کس داد بباد — قیس شد بیشہ گزیں تیشہ بہ سر زد فرہاد

کاوشے در دل مرغ چمن از گل افتاد — بہ فغاں قمری بیدل سر سرو آزاد

حضرت عشق توآئی کہ جگر خستہ ٔ تو!

نالہ وزاری وغم ہمہ پیوستہ تو

قدمے رفتنم و از سینہ دل آمد بیروں — نرگس عربدہ جو دیدم و گشتم مفتوں

جان و تن گشت ندائے لب شیریں موزوں — صبر از دست شد و وحشتم از حد افزوں

طاقت و تاب و تواں در دل بیتاب نماند

یک نظر دیدم و در چشم ترم آب نماند

خواجہ نجم الدین نجمؔ فاروقی

شیخ المشائخ خواجہ نجم الدین نجمؔ فاروقی حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی ناگوری رحؒ کی اولاد میں تھے۔ والد ماجد کا نام احمد بخش تھا ۱۳ رمضان ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) کو بروز جمعہ بمقام تھونجنوں (شیخاواٹی علاقہ جے پور) پیدا ہوئے بعد فراغت تحصیل علوم منقول ومعقول حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے

ان کے دو صاحبزادے خواجہ عبداللطیف اور خواجہ نور محمد جودھپور میں سکونت رکھتے تھے اسلئے ان کا بھی اکثر یہاں قیام رہتا تھا۔ جودھپور اور اس کے اضلاع میں ان کے مریدوں کی بڑی بھاری تعداد تھی۔ نواب مردان علی خاں رعنا دیوان ریاست جودھپور اور آغا محمد یحیٰ خاں جو حاجی محمد خاں کے متبنیٰ تھے ان کے معتقدین میں تھے۔ ان کا قیام اکثر رعنا کی کوٹھی واقع بدھیا سال پر ہوا کرتا تھا اور کبھی کبھی مسجد سکرمی گلی میں سکونت پذیر ہوتے تھے۔

۱۹ رمضان ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) کو بروز دوشنبہ یہ عظیم المرتبت صوفی رہگزائے عالم بقا ہوا۔ درلاش فتحپور علاقہ سیکر (جے پور) میں سپرد خاک کی گئی۔

خواجہ نجم الدین صاحب تصنیف بزرگ ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کی تصنیفات ہیں۔ فخر التواریخ میں جو ان کے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد رمضان کی تصنیف ہے انکی حسب ذیل تصنیفات کے نام گنائے گئے ہیں۔

(۱) گلزار وحدت (۲) راحت العاشقین فی لقاء رب العالمین (۴) مقصود العابدین (۵) رد المنکرین فی سماع السامعین (۶) مناقب المحبوبین (۷) تذکرۃ الواصلین (۸) تذکرۃ السلاطین (۹) نجم الہدایت (۱۰) ہدایت نامہ (۱۱) شجرۃ العارفین (۱۲) شجرۃ الابرار (۱۳) مناقب التارکین (۱۴) مناقب الحبیب (۱۵) افضل الطاعت (۱۶) فضیلت النکاح (۱۷) شجرۃ المسلمین (۱۸) خیالات نجمی (۱۹) باجی الخیریت (۲۰) بیو ملائی غیر بھلائی (۲۱) بارہ ماسہ (۲۲) دیوان نجم فارسی (۲۳) دیوان نجم اردو (۲۴) بیان الاولیاء (۲۵) حسن العقائد (۲۶) نجم القصص۔

مذکورۃ الصدر کتابوں میں سے چار کتابیں گلزار وحدت[۱] بیان الاولیاء[۲]

---

[۱] یہ کتاب استاذ محترم مولانا سید لطیف شاہ مدظلہٗ کے پاس ہے۔

پیو ملانی غیر بھلانی[3] اور دیوان نجم[4] میرے مطالعہ سے گزری ہیں۔ گلزار وحدت[5] اور بیان الاولیاء اردو میں اخلاق و تصوّف پر فاضلانہ کتابیں ہیں۔ پیو ملانی غیر بھلانی ہندی نظم ہے جسمیں مقامات تصوّف بیان کئے گئے ہیں۔ دیوان نجم تین حصوں میں ہے۔ حصہ اول فارسی حصہ دوم اردو اور حصہ سوم ہندی کلام پر مشتمل ہے۔ دیوان میں زیادہ تر غزلیات اور مستزاد ہیں۔ جن کی ترتیب ردیف وار ہے کلام عشق حقیقی اور واردات قلبی کا آئینہ دار ہے۔ زبان قدیم ہے، اردو میں دکنی دکنی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں کیونکہ گلزار وحدت میں اکثر مقامات پر ولیؔ کے اشعار اور غزلیں مثال کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ اور انھیں کی زبان کا تتبع کیا گیا ہے "سے" کی جگہ "ستی" اور "ہے" کے بجائے "ہیگا" بے تکلف استعمال کئے گئے ہیں۔

نمونۂ کلام فارسی ؎

حیران و بیقرارم فریاد یا محمدؐ — جز تو دگر ندارم فریاد یا محمدؐ
از گردشِ زمانہ من در بلا فتادم — از ظلم بحالِ زارم فریاد یا محمدؐ
کس نیست جز تو مارا امداد کن خدارا — نگزار زینہارم فریاد یا محمدؐ

ایں نجمؔ ناتواں را فریادرس خدارا
کیں دورِ اضطرارم فریاد یا محمدؐ

بادِ صبا چو بگزری در چمن حبیبِ من — بار مرا ز جانبم عرض ہمیں پیام کن
شیفتگان روئے تو بر در تو فتادہ اند — دور فگن نقاب را یا ز صلائے عام کن

نمونہ کلام اردو ؎

۳، ۴، ۵۔ کتابیں محب مکرم حکیم سید اکرام حسین رضوی مقیم حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں ہیں۔

بحضور سیدنا فاروق اعظم رضؓ

ہے آپ سے یہی مری فریاد یا عمرؓ
اب تو مجھے بھی کیجئے دلشاد یا عمرؓ

گر آپ سے کہوں نہیں یہ غم کہوں کسے
تم ہو نبی کے ثانیِ سجاد یا عمرؓ

تو وہ کہ تیرے سایہ سے شیطان ہو فرار
ظالم کبھی نہ کر سکے بیداد یا عمرؓ

تو وہ کہ حق نے بھیجا تری رائے پر قرآن
ہے کون تجھ سا صاحب ارشاد یا عمرؓ

ہوتا نبی کے بعد اگر کوئی بھی رسول
تو ہوتا یہ نبی کا ہے ارشاد یا عمرؓ

نفس و ہوا و حرص نے مجھکو ستا لیا
شیطان کی میں کرتا ہوں فریاد یا عمرؓ

ان ظالموں کے ہاتھ سے مجھکو چھڑائیو
مشہور ہے جہاں میں تری داد یا عمرؓ

اب تو مجھے بھی ڈالدے راہ ہدیٰ کے بیچ
میں کر چکا ہوں عمر کو برباد یا عمرؓ

یہ چاہتا ہوں ہووے خدا کی رضا نصیب
ہو جاؤں دو جہاں سے میں آزاد یا عمرؓ

افسوس ہے کہ کس لئے اب تک ہوں میں ملول
آخر ہوں میں بھی آپ کی اولاد یا عمرؓ

غزلیات

گرچہ خورشید کے مکھڑے پہ نہیں بیگانہ آب
نور اسکا ہی ہوا ہے تری آنکھوں کا حجاب

جب کہ بے پردہ ہوا دیکھنا مشکل اسکا
ابر کا ڈالدیا چہرے پہ ہے اسکے نقاب

بود اس کثرت وہمی کی تو اس طور سے جان
جیسے کہ دریا میں اٹھتے ہیں یہ امواج و حباب

نسبت واجب و ممکن کو تو اس طرح سے جان
جس طرح برف و نمک رکھتے ہیں نسبت با آب

نجم کے کہنے کا گر تجھکو نہیں آئے یقین
جا کے اب دیکھ لے تو مولوی جامی کی کتاب

اس غنا نے ترے خراب کیا
دل جلا کر مرا کباب کیا

ہو نہ اس زندگی پہ تو مغرور
نام اس زیست کا حباب کیا

کیجئے نجمؔ کو نہ دل سے دور
بندہ اپنا جو ہے جناب کیا

گرچہ ہم ان کے ہی کہلاتے ہیں — پردہ دیدار نہ دکھلاتے ہیں
وصل کا رہ گیا ارماں ہم کو — دل میں یہ داغ لئے جاتے ہیں
جب کہ بوسہ کے لئے کہتا ہوں — گالیاں دیتے ہیں جھنجھلاتے ہیں
تیری صورت کے ہیں عاشق صدہا — ہم نظر میں تری کب آتے ہیں
چھوڑ کر جائیں کہاں یار کا در — ٹھوکریں ان کی پڑی کھاتے ہیں

ایسے بیرحم و ستمگر کو نجمؔ
دیکے دل ہاتھ سے پچھتاتے ہیں

عزیزو وہ مرا قاتل کہاں ہے — کہ جسکی تیغ سے بسمل جہاں ہے
خدنگِ عشق نے دل چیر ڈالا — عجب تیز اس کے مژگاں کی سناں ہے
غم ہجراں سے دل گھبرا رہا ہے — ہے اشک آنکھوں میں اور لب پر فغاں ہے

چلا چل نجمؔ تو اس یار کے پاس
ترے مجنوں کا ستمگر مکاں ہے

دورِ دوم

نواب محمد مردان علی خاں رعنا و نظام

محمد مردان علی خاں نام تھا۔ شروع میں مضطر تخلص کیا بعد میں بدل کر رعنا کر لیا اور جب نوابی کا خطاب ملا تو نظام لکھنے لگے۔ چنانچہ ایک رباعی میں ان تینوں کا ذکر کیا ہے ؎

آغازِ سخنوری میں مضطر تھا نام
رعنا تھا شبابِ شاعری کے ہنگام
ہے زیرِ نگیں جو کشورِ نظم تو اب
نواب خطاب اور تخلص ہے نظام

قوم سے افغان یوسف زئی تھے۔ اسلاف کا وطن افغانستان ہے ان کے جدِ امجد عہدِ شاہجہاں میں وارد ہندوستان ہو کر شہر مراد آباد میں رہنے لگے اور وہیں ان کی ولادت ہوئی۔ ان کے خاندان کا شمار مراد آباد کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ بزرگ خاندانِ مغلیہ اور شاہانِ اودھ کے زمانہ میں مناصبِ جلیلہ پر متمکن رہے۔

ان کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ علوم متعارفہ عربی، فارسی اور اردو کی تحصیل کے بعد ۱۸۵۱ء میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے سرحد افغانستان پر کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو کر آٹھ سال تک خیر خواہی حکومت برطانیہ ہند میں مشغول رہے بعدہٗ مستعفی

ہوکر ریاست کپور تھلہ، مالیر کوٹلہ اور الور وغیرہ میں متعدد عہدوں پر سرفراز رہے۔

سنہ ۱۸۶۷ء میں ان کو مہاراجہ تخت سنگھ والی ریاست جودھپور نے طلب کیا اور ریاست کا نائب دیوان مقرر کر دیا اور کچھ عرصہ کے بعد دیوان بنا دیا مہاراجہ بہادر کی طرف سے "نظام الدولہ منتظم الملک نواب محمد مردان علی خان بہادر تخت قائم جنگ" خطاب عطا ہوا۔ ساتھ ہی جاگیر اور نقارہ و نشان کا اعزاز بھی ملا۔ اول درجہ کے سرداروں کی تعظیم مقرر ہوئی[1]۔

مالک رام اپنی کتاب "تلامذہ غالب" میں رقمطراز ہیں:-

"انہوں نے ریاست کا انتظام ایسا عمدگی سے کیا کہ ہر شعبے میں ترقی ہوئی شروع سے معدنیات سے دلچسپی تھی۔ پنجاب کے قیام کے دوران بھی چند مفید چیزیں مثلاً لغدب مصری، سنگ غربال، سنگ طبع وغیرہ برآمد کئے تھے لیکن مارواڑ کی دیوانی کے زمانہ میں بارہ مختلف کانیں دریافت کیں۔ ان میں چاندی لوہا اور مس زیادہ اہم تھیں۔ اس کے علاوہ سڑکیں بنوائیں۔ ٹکسال قائم کی ان کے حسن انتظام سے ریاست نے بہت ترقی کی۔ میو کالج اجمیر میں جو گھنٹہ ہے وہ بھی ساڑھے تین ہزار کے خرچ پر انہی نے لگوایا تھا"

جودھپور میں یہ سنہ ۱۸۷۶ء (سنہ ۱۲۶۲ھ) تک رہے۔ سنہ ۱۸۷۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوکر حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ اس کی تاریخ "نظام حاجی حرام" نکالی[2]۔

---

[1] تلامذۂ غالب از مالک رام و مارواڑ کا اتیہاس (ہندی) جلد دوم مصنفہ پنڈت بشیشرناتھ ریو، [2] تلامذہ غالب میں مادۂ تاریخ "نظام حاجی الحرام" لکھا ہے جو غلط ہے۔

یہ ساری عمر مجرد رہے۔ شادی نہیں کی۔ بروز دوشنبہ ۲ جون ۱۸۷۹ء (۱۱ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ) سری نگر (کشمیر) میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ مرزا محمد علی بیگ عاقل نے تاریخ وفات کہی ہے ؎

تھی فکر مجھے ہو سال رحلت ہاتف نے معمّاً مجھے بتایا
عاقل لکھو یہ بے سر بیم داغ دل دوستان رعنا

۱۸۸۱ — ۲ = ۱۸۷۹ء

شاعری میں رعنا کو مرزا[2] غالب سے تلمذ حاصل ہے عود ہندی میں غالب کے دو خط ان کے نام ملتے ہیں جن میں ان کو نظم و نثر میں یکتا اور فارغ الاصلاح لکھا ہے ایک خط میں مرزا غالب تحریر فرماتے ہیں "نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اس فن میں تم یکتا ہو" دوسرے میں لکھتے ہیں "کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ نالہ در الخ شعر رعنا ؎

گزرا ہے مرا نالۂ دل چرخ کہن سے تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے دہن سے

نالۂ دل بنا دیا"

غالب کے بعد انہوں نے تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی مظفر علی خاں اسیر لکھنوی سے بھی مشورہ سخن کیا ہے[1]

مطالعہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صنف سخن میں پوری طرح قدرت حاصل ہے نادر الکلام اور پُرگو ہیں۔ جدت بندشیں اور معاملہ بندی ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ غالب کی نسبت اسیر کا رنگ سخن کلام میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

شعر و سخن کے علاوہ نجوم، جعفر، موسیقی، تاریخ، تصوف وغیرہ میں بھی درک حاصل تھا۔ اور ان فنون پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ خدا علی عیش مؤلف شعلۂ جوالہ

۱؎ تلامذۂ غالب از مالک رام

کابیان ہے کہ اسم بامسمی جوان رعنا تھے ۔ رند مشرب و رنگین مزاج ہوتے ہوئے مذہب کے پورے پابند تھے اور اکثر اوقات اوراد و وظائف میں مشغول رہا کرتے تھے خلق تواضع ۔ مروت ۔ عالی ہمتی اور کریم النفسی ایسے محامد تھے جو قدرت نے خاص طور پر ان میں ودیعت کئے تھے ۔ جفاکش اور محنتی تھے ۔ ہندوستان کی اکثر علمی و ادبی انجمنوں کے سرگرم رکن تھے ۔

انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں جن میں چند کے نام درج ذیل ہیں ۔

۱ ۔ کلیات نظام دو جلد مطبوعہ مطبع نول کشور لکھنؤ دسمبر ۱۸۷۹ء

۲ ۔ ضبط عشق ۔ یہ ایک واسوخت ہے جس کے ۳۲۴ بند ہیں ۔ یہ شعلۂ جوالہ مولفہ منشی فدا علی عیش کی دوسری جلد میں شامل ہے ۔

۳ ۔ غنچہ راگ
۴ ۔ نغمہ صنم
} فن موسیقی میں ۔

۵ ۔ تواریخ مارواڑ ۔ ریاست جودھپور کی تاریخ مطبوعہ ۱۸۶۹ء

۶ ۔ ترجمہ ٹاڈ راجستھان
۷ ۔ تاریخ البلاد
۸ ۔ نوائے غریب
} علم تاریخ میں

۹ ۔ جفر جامع
۱۰ ۔ جفر کبیر
} علم جفر میں

۱۱ ۔ ظل ناصری ۔ یہ بھی علم جفر میں ہے ۔ شاہ ایران کے نام منسوب ۱۲۷۷ھ میں چھپی

۱۲ ۔ سیر عایت (۱۲۸۳ھ)
۱۳ ۔ طلسم نظر (۱۲۸۹ھ)
} بقول مالک رام یہ کتابیں مسمریزم پر اردو زبان میں پہلی کتابیں ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

واسوخت

تمہید عشق و سراپائے خود

کیا کہوں آ گئے مُرعنا کے جو ایامِ شباب　　رات دن جمع رہا کرتے تھے اکثر احباب
عشق کہتے ہیں کسے کون ہے یہ خانہ خراب　　آتشِ عشق سے دل جل کے ہو کس رنگ کباب
نام سے بھی بخدا عشق کے آگاہ نہ تھا
حسن کیا چیز ہے واقف کبھی واللہ نہ تھا

شوق سے رات کو رہتے تھے سرا بادہ پرست　　عیش میں دن کو رہا کرتے تھے مستِ الست
دیکھتے تھے نہ کبھی سوئے بتاں بدمست　　سرِ بازار تھی اصلا نہ سرِ راہ نشست
نہ تو کچھ آنے کی شادی نہ گئے کا غم تھا!
خود طرحدار تھے جوبن تھا عجب دم خم تھا

وضع اور حسن و جوانی کا عجب تھا عالم　　مجھ پہ خوبانِ جہاں رہتے تھے مائل ہردم
آنکھ تھی نرگسِ شہلا تو نگہ تیرِ ستم　　دور سے دیکھنے آتے تھے غزالانِ حرم
ہے جوانی کا جوانوں میں فسانہ میرا
خودستائی نہیں شاہد ہے زمانہ میرا

دامِ دلہائے حسیں حلقۂ موئے خم دار　　تارِ مو کا فرِ سودائی کے حق میں زنار
طرۂ چھوٹا ہوا اور سر پہ ہے بانکی دستار　　اور ٹیڑھی کیسی ٹوپی ہے مغرقِ زرکار
صاف پیشانی سے ہے بخت بلندی پیدا
چاند ماتھا ہے تو سجدے کا نشاں ہے تارا

ابرؤوں میں جو بل آ جائے نصیبِ اعدا　　قوس کا تیغ ہلال آ کے اٹھاتے ہے چِلا
کوٹ کر آنکھ میں اللہ نے بھر دی ہے حیا　　آنکھ جس پر بہت پڑی اس کو مسخر ہی کیا

شیر سے بھی نہیں واللہ جھپکتی ہے پلک
مردمِ چشم کو رُستم سے رہی ہے چشمک

ناک کا وصف جو آ جائے تو ہے خود بینی — ناک اس ناک نے رکھ لی ہے جہاں میں اپنی
منہ پہ وصفِ دہن آئے تو ہے نکتہ چینی — شیریں لب چاٹ لے باتوں میں دہن ہے شیریں

طور کا نور ہے دندانِ منوّر سے عیاں
معجزِ عیسیٰ مریم ہے لبوں میں پنہاں

خط کی خوبی یہ لکھے خطِ غلامی غلماں — چاند سے چہرے پہ اس خط سے ہے ہالے کا گماں
حسنِ خط نور کے چہرے پہ عیاں راہِ بیاں — مصحفِ رُخ پہ ہے خط شانِ نزولِ قرآں

خط سے پہلے تو دلِ حور پھسلتے دیکھا
آج پروانہ ہے پریوں کو یہ خطِ طغرا

☆

جب گلے سے کوئی محبوب لگا یا رعنا — جذبِ الفت سے بھلا ہے اُسے پھرنا کیاں
زور بازو میں ہے اور نام خدا ہے پنجہ — تیغ ابرو کی طرح قبضہ میں زیبا تیغا

قول اسی ہاتھ پہ ہارے ہوئے بیٹھے ہیں حسیں
جسکے سینہ پہ رکھا ہوگئی فوراً تسکیں!

سینہ دوری مری سینہ سپری گر دکھلائے — شیر منہ موڑ لے جی چھوڑ دے چھاتی پھٹ جائے
جتنے دل باختہ محبوب کہ چھاتی سے لگے — آج تک کوٹ کے چھاتی یہی کہتے ہیں کہ ہائے

کب وہ دن آئے کہ رعنا ہمیں چھاتی سے لگائیں
پیار کر لیں ہمیں منہ چوم لیں پہلو میں بٹھائیں

تمہید معانقہ و بزم و باغ

صبا جو اعشق کے آغاز کا ابھی ہے مذکور — سچ ہے واللہ کہ تقدیر سے سب ہیں مجبور

عشق ہے آب و گلِ آدمِ خاکی میں ضرور — جان بر اس سے ہو ہر انساں کا نہیں ہے مقدور
ہوتا جو کچھ ہے وہ آخر شدنی ہوتا ہے
اپنی تقدیر کے لکھے کو ہر اک روتا ہے

حضرتِ عشق کی آمد ہے خبردار اے دل — آفتیں جھیلنی ہونگی تجھے ہشیار اے دل
طاقت و صبر و تحمل کو نہ ہو بار اے دل — قلق و رنج سے کرنا نہیں انکار اے دل
جورِ معشوق کے سب تجھ کو اٹھانے ہونگے
اشکِ حسرت تجھے فرقت میں بہانے ہونگے

درد وہ آتا ہے جسکا نہیں درماں اصلا — غم ہے جسکا نہیں غمخوار جہاں میں پیدا
صبحِ محشر ہے کہ عالم میں نہیں جسکی مسا — ہے مرض جس کی میسر نہیں عیسیٰ کو دوا
ہے وہ شعلہ جو بجھاؤ تو وہ اور آگ لگائے
ہے وہ ناوک کہ نکالو تو کلیجہ نکل آئے

کیا کہوں باغ میں اک روز تھے سب شاطر یار — ساز و ساماں طرب و عیش کا سب تھا تیار
مست یوں پھولوں کی اور آمدِ ایامِ بہار — نشۂ جوشِ جوانی میں ہر اک تھا سرشار
چند محبوب بھی تھے بزم میں گانے والے
کیسے کیسے تھے طرحدار رجھانے والے

ہر روش پھولوں کی نکہت سے معطر تھے دماغ — جھاڑ فانوس تھے روشن بہت اور شمع و چراغ
لالہ رویوں سے دلِ لالہ پہ تھا رشک کا داغ — خلدِ رضواں تھا کہ فردوسِ ارم پائیں باغ
چاندنی رات میں تھا فرش تمامی کا تمام
ماہتابی کے مقابل تھا قمر بھی لبِ بام

کوئی مدہوش تھا سرشار تھا کوئی مخمور — کہیں چرچا تھا کبابوں کا کہیں بادہ طہور
اختلاط ایک کو تھا ایک سے بافرطِ سرور — ایک پری نازنین خاموش سی بیٹھی تھی دور

بت کی صورت تھا خدا جانے اسے کیوں سکتا
دل تھا ڈوبا ہوا اور ہوش نہ تھے اس کے بجا

چشمِ رضواں میں کھٹکتی تھی وہ دلچسپ بہار — چہچہے کرتے تھے ہر شاخ پہ مرغانِ ہزار
سبزۂ خطِ رخِ غلمان تھا تو طوبیٔ اشجار — خضر کے دل کو بہالے گئیں موجِ انہار

شورِ گل بانگ ہوا صاف صدائے قلقل
دلِ بلبل پہ ادھر شورِ نمک خندۂ گل

روش باغ یا خطِ رہ کاہکشاں — جا کے طوبیٰ سے ملا نخل کا شجرۂ رضواں
خوشۂ تاک پہ تھا خوشۂ پروین کا گماں — تھا مکان نور محل باغ تھا گر نور فشاں

دلربا صوتِ مزامیر مسرت انگیز
رو کش حور تصاویر پری حیرت خیز

جمع احباب تھے اک جان دو قالب باہم — بزم خلوت تھی نہ اغیار کا تھا نام کو غم
جس قدر یار تھے بس اتنے ہی محبوب صنم — گر وہ غلمان بہشتی تھے تو یہ حور ارم

تھا تجرد سے مجھے شوق نہ تھا میں عیاش
دل لگی تھی نہ کسی سے نہ حسینوں کی تلاش

متفرق اشعار

کٹا تھا روز مصیبت خدا خدا کر کے — یہ رات آئی کہ سر پر مرے عذاب آیا
وہ زود رنج ہے اسکو نہ چھیڑنا زعشؔا — ملو گے ہاتھ اگر بر سرِ عتاب آیا

گزر رہا ہے مرا نالہ دل چرخ کہن سے — تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے
گھٹ گھٹ کے غم ہجر میں جی نکلا ہے تن سے — اب جانِ حزیں چھوٹ گئی رنج و محن سے

کھو خیال میں کس کے اداس ہو رعنا ۔۔۔ کسی سے تم جو نہیں آج گفتگو کرتے
ہجر محبوب میں کیا کیا نہ اذیت کھینچی ۔۔۔ موت آ جاتی تو اس زیست سے بہتر ہوتا
جلوہ ہر رنگ میں دیکھا ترا گلرو پیدا ۔۔۔ ہر گل باغ جہاں سے ہے تری بو پیدا
ہیں دل سے بے نیاز نہوں دل مجھ سے بے نیاز ۔۔۔ دل میرا آشنا ہے نہ میں آشنائے دل
کھو چکے پہلے ہی ناموس کو اور نام کو ہم ۔۔۔ پہنچے آغاز محبت میں ہی انجام کو ہم
غم سوا عشق کا مآل نہیں ۔۔۔ کون دل ہے جو پائمال نہیں

نمونہ کلام فارسی

یاد آں روز کہ در کوئے تو گریاں رفتیم ۔۔۔ بہ گلستاں صفتِ ابرِ بہاراں رفتیم
ہر یکف آہ دل بارِ امانت بر دوش ۔۔۔ بر درِ جانِ جہاں، وہ چراغاں رفتیم

شاہ محمد عبد اللطیف لطیف فاروقی

شاہ محمد عبد اللطیف فاروقی خواجہ نجم الدین نجم فتحپوری کے فرزند دوم تھے اور لطیف تخلص کرتے تھے ۲۳ محرم ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں پیدا ہوئے۔ بعد حصولِ علوم مروجہ بعہد مہاراجہ تخت سنگھ جودھپور میں آئے اور فوجی ملازمت اختیار کی اور اکثر جنگوں میں شریک ہو کر شجاعت و جوانمردی کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے نواب حاجی محمد خاں اور نواب مردان علی خاں رعنا کی دیوانی کے زمانے دیکھے تھے۔ یہ حضرات ان کی بڑی توقیر و عزت کرتے تھے۔

۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں خواجہ نجم الدین کی وفات کے بعد یہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور ترک دنیا و مافیہا کر کے خرقۂ درویشی زیب تن فرمایا اور رشد و

ہدایت میں مشغول ہوگئے۔ ان کو اپنے والد کی طرف سے علاقہ ریاست جودھپور کے لئے خلافت حاصل تھی۔ پالی۔ ناگور۔ سوجت۔ پیپاڑ اور جالور وغیرہ میں ان کے مریدوں کی کثیر تعداد تھی۔ پہلے یہ بدھیا سال میں رہتے تھے پھر مسجد سکڑی گلی میں چلے آئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا بعد ازاں تنترخانہ کی عمارت میں جو محلہ بمبہ میں واقع ہے اقامت گزیں ہوئے اور آخر عمر تک مع اہل و عیال اسی میں رہے بالآخر ۵ ۲ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) کو اس جہان فانی سے کوچ کیا اور اسی عمارت میں مدفون ہوئے۔

علم و فضل ان کا خاندانی ورثہ تھا عربی و فارسی کے اچھے عالم تھے شعر و سخن میں فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنے جذبات قلبی کا اظہار کیا ہے۔ ہندی میں ٹھمریاں اور دوہے بڑے اچھے کہے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کا کلام کسی نے ضبط تحریر میں لاکر محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جو کچھ بھی کلام مجھے دستیاب ہوا ہے وہ درج کرتا ہوں۔

اردو

ترا چہرہ ہے نورانی اے نجم الدین سلیمانی — تو مظہر خاص رحمانی اے نجم الدین سلیمانی
بہت ڈھونڈا ہے دنیا میں ترا ہمسر نہیں پایا — ہے تیری ذات لاثانی اے نجم الدین سلیمانی
تمنا ہے یہی دل کی پذیرا ہو اگر آقا — کروں میں تیری مہمانی اے نجم الدین سلیمانی

لطیف اب دردمند ہو کر پڑا ہے آپ کے در پر
کرو مشکل کی آسانی اے نجم الدین سلیمانی

فارسی

زفخر و نور و سلیماں و شاہ نجم الدین — شدہ است عاصی عبداللطیف فیض گزین

ہندی

جوگی رے تیری پونگی کے گھونگرو لگائے

پونگی تو پیارا تیری رنگ رنگیلی　　　میرے پیا کا شبد سنائے

جوگی رے تیری پونگی کے گھونگرو لگائے

نجم پیا ترا ست گرسانچا　　　جن دیا بھید بتلائے

جوگی رے تیری پونگی کے گھونگرو لگائے

سمجھے تو سمجھے کیوں نہ عبد اللطیف　　　تری عمر برتھا جانے

جوگی رے تیری پونگی کے گھونگرو لگائے

شاہ نور محمد نور فاروقی

شاہ نور محمد خواجہ نجم الدین فاروقی کے تیسرے فرزند تھے ۱۲ محرم ۱۲۶۰ھ کو ولادت ہوئی۔ بعد فراغت تعلیم مروجہ اپنے بڑے بھائی خواجہ عبد اللطیف کے پاس جودھپور آ گئے اور حسب تحریر صاحب فخر التواریخ مہاراجہ جسونت سنگھ والی جودھپور کے زمرۂ حضوریان میں داخل ہو گئے۔ ساٹھ روپے ماہوار مشاہرہ ملتا تھا اور سواری کا بھی انتظام تھا۔ اس ملازمت پر ۱۲۹۷ھ (مطابق ۱۸۶۹ء) تک قائم رہے اسی سال مولانا محمد نصیر الدین نے جو خواجہ نجم الدین کے سب سے بڑے صاحبزادے اور ان کے جانشین تھے شاہ نور محمد کو جھونجھنوں طلب کیا اور وہاں سے بغرض تزکیہ نفس و کسب فیوض باطنی اپنے ہمراہ درگاہ فتحپور میں لے گئے۔ اسی دوران میں نواب محمد عبید اللہ خاں نائب الریاست ٹونک نے بغرض ملازمت ٹونک طلب کیا اور یہ ٹونک جانے کیلئے روانہ ہوئے مگر ہنوز جے پور ہی پہونچے تھے کہ مولانا نصیر الدین پر

فالج کا دورہ پڑا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ لہٰذا شاہ نور محمد کو جے پور ہی سے واپس لوٹنا پڑا۔ بعد تجہیز و تکفین شاہ نور محمد نے خرقۂ خلافت زیب تن کیا اور درگاہ فتحپور کے سجادہ نشین ہوئے۔

شاہ نور محمد بہت ہی منکسر المزاج اور متواضع درویش تھے اور شریعت ظاہری کی پوری پابندی کرتے تھے۔ غیر متشرع اور تارک الصلوٰۃ مریدوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ان سے نذریں قبول کرتے تھے۔

۴؍ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ کو انتقال فرمایا اور درگاہ فتحپور میں مدفون ہوئے

شاہ صاحب کو فن سخن میں اچھا ملکہ تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے کلام کا مجموعہ "دیوان نور" کے نام سے چھپ چکا ہے مگر اب نایاب ہے، باوجود ہر سعی ممکنہ کے اس کا کوئی نسخہ مجھے نہیں مل سکا۔

فخر التواریخ سے ان کے چند قطعات تاریخ بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

"تاریخ وفات خواجہ نجم الدین"

شہباز اوج وحدت فارغ شدہ ز کثرت	برداشت سوئے حق سر از زال بے تقید
از عنصری قفس چوں پرواز کرد ز وحشت	شاداں بشاخ طوبیٰ با شوق جاگزیں شد
با صد دریغ و حسرت تاریخ گفت ہاتف	شاہنشہ ولایت نجم ہدیٰ و دیں بد
	۸۷ ھ ۱۲

دیگر

کیوں نہ انگشت تحیر کاٹ کر	کھائے با حسرت و ارماں کہو
عالم بالا کریں آباد آپ	ہاتھ ملتے ہم رہیں گریاں کہو
کہئے اب کس سے دل بیتاب کی	کون ہے اپنا رہا پرساں کہو
دیدۂ پرنم دل اندوہگیں	سال رحلت سینۂ بریاں کہو
حسرتا افسوس ہاتف نے کہا	"آہ اب انیسویں رمضاں" کہو
	۸۷ ھ ۱۲

قطعۂ تاریخ تعمیر سہ درہ

کرد تعمیر بہر حصول ثواب واہ وا واہ وا الٰہی بخش
اجر نیکو بگفت ہاتف با بانی سہ درہ الٰہی بخش

حیدر حسین خاں حیدر

حیدر حسین خاں نام حیدر تخلص. رامپور کے رہنے والے تھے اور جودھپور میں بسلسلہ کسب معاش بود و باش اختیار کر لی تھی۔ عدالت فوجداری میں ملازم تھے۔ ۱۸۹۵ء میں جب "پیام یار" نکلتا تھا ان کا جودھپور میں ہونا پایا جاتا ہے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ان کو امیر لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ کلام میں پختگی ہے اور امیر کا رنگ تغزل جھلکتا ہے۔

"پیام یار" سے جس قدر کلام دستیاب ہوا درج ذیل ہے۔

کوئی تدبیر بتا اس کے سنبھلنے کے لئے دل نے ہیرے ترے انداز مچلنے کیلئے
کیا گنہ میں نے کیا آج جو تو نے ظالم غیر کو پاس بٹھایا مرے جلنے کیلئے
جور کا یہ بھی اک انداز ہے ورنہ کافر مہندی کچھ غیر ہی تھا پاؤں میں ملنے کیلئے
چرخ کو کینہ تجھے ظلم، عدو کو تقدیر کف افسوس ملے ہیں ہیں سے ملنے کیلئے

بن گیا سنگ در یار نہ اٹھا حیدر
لاکھوں حیلے کئے اس نے مرے ٹلنے کیلئے

ہل گیا عرش میرے نالوں سے اس کے دل کو مگر خبر نہ ہوئی

کس کو چھوڑا نگاہ نے تیری کون سے دل میں کارگر نہ ہوئی
کون رویا نہ میکشؔ مرنے پر
نہ ہوئی تیری آنکھ تر نہ ہوئی

قاضی صدیق اللہ صدیقؔ

قصبہ میڑتا (علاقہ جودھپور) میں زمانہ قدیم سے عثمانی النسل قاضیوں کا ایک خاندان آباد ہے جس کے چند افراد جودھپور میں بھی سکونت پذیر ہیں اور چند تقسیم برکوچک کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آگئے ہیں۔ اسی خاندان کے ایک ممتاز فرد الحاج قاضی صدیق اللہ المتخلص بہ صدیقؔ تھے جو علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے اور جنکے چشمۂ علم سے جودھپور کی بہت سی اہل علم ہستیاں سیراب ہوئیں ان کے والد کا نام اللہ بخش تھا۔

قاضی صاحب کا سن ولادت و وفات معلوم نہیں۔ اب سے تقریباً ایک صدی قبل بہ قید حیات تھے۔ گلدستہ "سحاب سخن" ۱۸۸۹ء میں ان کو مرحوم و مغفور لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۹ء سے کچھ قبل یہ اس دار فانی سے رخصت فرما گئے تھے۔ علوم مذہبی کے علاوہ علم طب کے بھی ماہر تھے اور یہی فن شریف ان کا ذریعہ معاش تھا۔ شاعری میں زیادہ تر نعت گوئی کی طرف رجحان تھا اس کے علاوہ چند خطبات بھی سلیس اردو زبان میں منظوم کئے ہیں جو میکشؔ کے بچپن تک جودھپور کی بعض مساجد میں پڑھے جاتے تھے۔

نمونہ کلام ہدیۂ قارئین ہے :-

خاک گر ہمکو مدینہ کی جبنائی ہوتی　　عرش کو اپنے یہاں ناصیہ سائی ہوتی
رُخ انور پہ نہ ہوتا جو تجلی کا ظہور　　سوزن عائشہ حجرے میں نہ پائی ہوتی
ناز کر بیٹھتے تم کاش کیا جیسے نیاز　　قرۃ العین میں امت کی صفائی ہوتی
غیر احمد جو لقا کے کوئی لائق ہوتا　　لن ترانی نہیں موسیٰ کو سنائی ہوتی

مورچہ ہو کے کبھی لو پائے کبوتر صدیق
کسی صورت سے مدینے میں رسائی ہوتی

وصف کس سے ہو سکے خیر الوریٰ یا آپکا　　رتبہ کل عالم سے مولا نے بڑھایا آپکا
آپ اول آپ آخر ظاہر و باطن ہیں آپ　　آپکو خالق نے کل مظہر بنایا آپ کا
منزل مقصود تک پہنچا ہے اپنے جب کہیں　　ایلچی روح الامیں آکر کہا یا آپ کا
کیوں نہ سدرہ پہ رہیں جبریل تھک کے ہانپ　　لی مع اللہ تک جو ٹھہرا جاکے پایا آپ کا
کوششیں کیا کیا نہ کی ہیں جستجو میں آپکے　　سب ہی کچھ پایا مگر پایا نہ پایا آپ کا
کیوں نہ ہو آنکھوں کو اپنے اس سے ٹھنڈک دوستو　　چاند نے مدت تلک جھولا جھلایا آپ کا

داغ غم سے حشر کے صدیق یوں بے غم ہے اب
کیونکہ ہے دنیا میں آکر یہ کہایا آپ کا

کون ایمان لایا ہے ذات خدا کو دیکھکر　　بلکہ سب ایمان لائے مصطفےٰ کو دیکھکر
پھر گیا آنکھوں میں اپنے نور حق اے دوستو　　اور اب دیکھیں کسے اس حق نما کو دیکھکر
چار ہوتے ہی جناب کبریا بھی ذوق سے　　بول اٹھے مازاغ چشم سرمہ سا کو دیکھکر
طور سینا دیکھکر بیہوش موسیٰ ہو گئے　　اور رہے ثابت قدم یہ خود خدا کو دیکھکر
وہ ازل سے لے ابد تک کی نہ کیوں خبریں کہیں　　باتیں کرتے تھے وہ کل لوح خدا کو دیکھکر

چھپ لے کر خورشید محشر حشر میں صدیق منہ
دل پہ میرے داغ عشق مصطفےٰ کو دیکھکر

یارب یہ کیسا لطف ہے کیا کچھ سرور ہے — کیا ذکر خیر شافع یوم النشور ہے
نور نبی ہے ظاہر و باطن میں جلوہ گر — نزدیک ہے وہ سب سے یونہی سب سے دور ہے
کیونکر نہ ہو دین اس پہ دل و جاں سے ہم نثار — محبوب خاص حضرت رب غفور ہے
صدیق ہمسر حق ہے وہ باطن میں شک نہیں
اس عالم ظہور میں کل اس کا نور ہے

یہ بزم خاصگان حرم ہے آئے جس کا جی چاہے — خلوص اپنے عقیدت کا جمائے جس کا جی چاہے
سنو تم جان و دل سے بندۂ بیدام احمد ہو — خریدے کوئی بیچے آزمائے جس کا جی چاہے
نقاب حسن ربانی ہے رخ پر نور حضرت پر — نظر آ جائے حق پردہ اٹھائے جس کا جی چاہے
کہیں بشرے بھی چھپتے ہیں بھلا مومن منافق کے — بسورے خواہ رو دے مسکرائے جس کا جی چاہے
اَبِیتُ عِندَ رَبّی بھی کہے کوئی تو ہم جانیں — مقام لی مع اللہ بھی تو پائے جس کا جی چاہے
بشر اپنا سا حضرت کو اگر کوئی کہے بڑھ کر — براق بادپا بھی تو منگائے جس کا جی چاہے
غلامی انکی صدیقا شہی ہر دو عالم ہے
غلام آل احمد ہاں کہائے جس کا جی چاہے

قند و شکر کا مزا کچھ اور ہے — لطف ذکر مصطفیٰ کچھ اور ہے
اور ہیں فرہاد و مجنوں اور ہیں — عاشق خیر الوریٰ کچھ اور ہے

نہ سنا ہم نے یہ خدائی میں — آشنا درد آشنا نہ سنے

غیر کے کہنے سے گر قتل نہ کرتے مجھکو — آپ کا آپ کے بندہ پہ یہ احساں ہوتا

مخمس بر غزل ناسخ

کہتے کہتے یا محمد لب پہ تبخالے ہوئے — روتے روتے آج کیوں آنکھوں کے پرنالے ہوئے
شاید اب آتے ہیں وہ رحمٰن کے متوالے ہوئے — پھر بہار آئی چمن میں سبز پھر لالے ہوئے
پھر مرے داغ جنوں آتش کے پرکالے ہوئے

نغمۂ بلبل میں کیا طرز غزل خوانی ہوئی — کیوں شکر افگن ہے طوطی کی ہمانی ہوئی
بعد مدت آج حاصل اپنی من مانی ہوئی — کس قدر اعمال حب میں سبحہ گردانی ہوئی
دانہ تسبیح کی جا ہاتھ میں چھالے ہوئے

اس گل رعنا کی آمد سے ہوا دل نونہال — جس نے ڈالا فی الفور مرغ دل آدم پہ جال
عمر کٹ کر دام محبت میں رہی یہ قیل و قال — کس طرح چھوڑ دل یکایک اسکی زلفوں کا خیال
ایک مدت کے یہ کالے ناگ ہیں پالے ہوئے

کس نزاکت اور ادا سے سید خیر البشر — بعد مردن خاک آدم پر ہوئے جب جلوہ گر
روح آدم کہہ اٹھی من زلبتم بار دگر ! — پائے نازک اس نے جب رکھے ہماری قبر پر
بار ہائے سنگ مرمر روئی کے گالے ہوئے

جبکہ سفاکی پہ ہو تیغ نگہ یوں چارسو — خاک ہو لے دوستو چاک دل عاشق رفو
تار گیسو اژدھا ہو کر ہوا طوق گلو — اسقدر دل سے بڑھا یا اسقدر انداز کو
پیش ازیں جو تیر مژگاں تھے وہ اب بھالے ہوئے

منشی نتھن لال بہجت

نتھن لال نام تھا بہجت تخلص. قوم سے کائیتھ سکسینہ تھے لالہ کشن چند کے فرزند تھے سنہ ۱۸۲۰ء میں بمقام نسرونج ضلع مالوہ علاقہ ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے تحصیل علم فارسی و اردو کے بعد سنہ ۱۲۵۰ھ میں ٹونک میں بعہدہ متصدی گری پیشکاری کارپرداز ان سرکار مقرر ہوئے. بہ زمانہ نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک کے صاحبزادے

نواب حافظ عبدالکریم خان بہادر کا تھا۔ نواب صاحب ان پر خاص عنایت رکھتے تھے ۱۸۶۶ء میں نواب کی وفات کے بعد جب انکی پنشن ہوگئی تو یہ اجمیر میں آ گئے اور حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے آستانہ عالیہ کے نائب متولی مقرر ہو گئے۔ آخر عمر میں اپنے فرزند پنڈت دیبی پرشاد بشاشؔ کے پاس جو دھپور چلے آئے جو یہاں لیسلسلہ ملازمت مقیم تھے پھر یہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہیں ان کا خاندان پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔

بہجتؔ نے ۸۴ سال کی عمر پائی اور ۱۹۰۳ء میں راہی ملک عدم ہوئے اور اپنے پیچھے اپنے فاضل یگانہ فرزند اور ہونہار پوتے اور دیگر اہل علم و اہل سخن عزیزوں کو چھوڑ کر جنہوں نے جودھپور کی فضائے علم و ادب کو چار چاند لگا دیئے۔ بہجتؔ، صاحب تصنیف و صاحب دیوان ہیں۔ دیوان اردو، دیوان فارسی۔ انشاء فارسی، قصائد اردو فارسی، سنگیت حال منظوم ان کی تصنیفات ہیں جو غالباً چھپ چکی ہیں۔ ان کا دیوان اردو میری نظر سے گذرا ہے جو جودھپور کے سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر خوش فکر تھے۔ کلام میں تعقیدات حشو و زوائد اور تذکیر و تانیث کی غلطیاں پائی جاتی ہیں مگر تخیل کی بلند پروازی قابل داد ہے۔

سیف اللہ خاں سیفؔ فیض محمد خاں فیضؔ۔ شیخ حیات اللہ اجمیری۔ لالہ مول چند وغیرہ نے ان سے اصلاح سخن لی ہے۔ یہ خود کس کے شاگرد تھے اس کا پتہ نہیں چلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعری میں انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی بلکہ طبیعت خود ہی مصلح رہی۔

اکثر بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ تذکرہ آثار الشعرا ہنود میں ایک مشاعرہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ٹونک میں نواب

کی دولت سرا پر مشاعرہ ہوا جسکی طرح تھی ع

نیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا لیکر

بہجت نے غزل سنائی اور جب وقت یہ شعر سنایا ؎

کیا کہیں شیفتہ ہیں پردہ نشینوں کے ہم

کون ذلت میں پڑے نام کسی کا لیکر

تو تمام مشاعرہ تحسین و آفرین کے نعروں سے گونج اٹھا اور مولوی الٰہی بخش

نازش نے تو اسکی نقل تک لے لی ۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

توبہ شکن ہے اب کی تو موسم بہار کا — شیشہ لئے ہے سرو لب جوئے بار کا

گھیرے رہے ہیں سانپ مجھے خواب میں بھی آہ — سودا ہے جب سے زلف سیاہ نگار کا

شوخ آتا نظر نہیں آتا ! — غم یہ جاتا نظر نہیں آتا !

کوئی دشت جنوں کی لیں مرے — خاک اڑاتا نظر نہیں آتا

نقش پا کی طرح کوئی مجھکو — اب اٹھاتا نظر نہیں آتا

یہ دیدۂ تر اپنا جو بہتا نہیں ہوتا — ہاں راز محبت کبھی افشا نہیں ہوتا

کیا نقطۂ موہوم ہے یار اسکا دہاں ہے — افسوس کہ حل ہم سے یہ عقدہ نہیں ہوتا

ہو گیا سنبل پریشاں زلف پیچاں دیکھکر — رہ گئی نرگس بھی حیراں چشم فتاں دیکھکر

ماہ تھوڑا تھوڑا ہو کر گھٹ گیا غیرت سے آہ — اس پری پیکر کا وہ روئے درخشاں دیکھکر

تیر سینہ سے گزرتا تھا دل غمناک نے — پر نچھوڑا دامن اس کا تازہ مہماں دیکھکر

اٹھ گیا آخر کو نا امید ہو کر کے مسیح

لا دوا بہجت ہمارا درد پنہاں دیکھکر

بیٹھے ہیں ہاں در پہ بتوں کے ہم اور دل دیوانے دو
کوئی خدا لگتی نہیں کہتا ان کو اندر آنے دو
آنکھوں کی جانب جو گیا دل اب کیا الٹا پھرتا ہے
وہ مست ازل سے تھا پھر اسکو ملنے میخانے دو
مجنوں تھا پہلے اب میں ہوں نامی اس جنگل میں یارو
پوچھو جا کر ہر دم سے ہیں یہ شخص پرانے دو
کاکل کے مشکیں پھندوں سے اور پیچوں سے گیسو کے
کب چھوٹے بہجت یہ ناداں ہے وہ ہیں مستانے دو

دیوانے وہ شوخ اگر بادۂ احمر ہمکو — پھرتا ہو آرزوئے ساغر کوثر ہمکو
کھول دے نقطۂ موہوم دہاں کا مضمون — کوئی ملتا نہیں ایسا تو سخنور ہمکو
تیغ قاتل نے کیا دم میں سبکدوش ہمیں — ورنہ یک بار گراں تن پہ تھا یہ سر ہمکو
اس کے کوچہ میں پڑے رہتے ہیں دن رات مدام — کبھی دھوکے سے لگا جاتے وہ ٹھوکر ہمکو
خون رگ رگ سے رواں ہے جو غم مژگاں میں — اسکی ہر نوک ہوئی کیا کہیں نشتر ہمکو
ہم کہاں دام کہاں اور کہاں کنج قفس — کھینچ اس قید میں لایا ہے مقدر ہمکو
ہجر میں شعلہ رخوں کے کہوں کیا اے بخدا — گل و دل دونوں ہوئے صورت اخگر ہمکو

اسقدر ضعف سے لاغر ہیں ہوا ہوں بہجت
پھرتا ہے آبلۂ پا لئے سر پر ہمکو

آیا نہ ہاتھ کچھ مرے نادم ہوا بہت — ڈالا جو شب کو میں نے کسی کی کمر پہ ہاتھ
پھیلائے پاؤں ہیں مرے اشک رواں نے اب — رکھیو نہ دوستو مری اس چشم تر پہ ہاتھ

اس کے کوچے میں سر پڑا ہے یہ ! — عشق بازی کا ہاں مزا ہے یہ
شاید آئے گا دل بھی پیچھے سے — قافلہ اشک کا چلا ہے یہ

سیّد عابد حسین بیدل

منشی سید عابد حسین بیدل اصلاً تہٹور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے
۱۸۸۵ء میں ان کا جودھپور میں ہونا پایا جاتا ہے۔ غالباً کسی دفتر میں محرر تھے۔ یہ کس سے اصلاح سخن لیتے تھے معلوم نہیں ہو سکا۔ نہ اس سے زیادہ حالات معلوم ہو سکے۔

ان کا کلام "پیامِ یار" وغیرہ پرچوں میں چھپتا تھا۔ جو کچھ بھی مل سکا حسب ذیل ہے ؎

دل سے جسے کہ عشق رسالت مآب ہو | وہ کیوں نہ عاشقوں میں بھلا انتخاب ہو
جس دم کریں سوال نکرین قبر میں | جاری زباں پہ نامِ رسالت مآب ہو
یوں آئے میرے پاس وہ مستِ شرابِ ناز | بوتل بغل میں ہاتھ میں جامِ شراب ہو
اک دھوم ہو کہ نکلا ہے یہ چودھویں کا چاند | شب کو کہیں جو بام پہ تم بے نقاب ہو

سن کے حالِ دل بیتاب بگڑ جاتے ہیں | ان سے کہتا ہوں کبھی میں جو فسانہ دل کا
کیسی یہ رسم زمانے میں ہے الٹی دیکھو | دل کے جانے کو کہا کرتے ہیں آنا دل کا
ساتھ اغیار کے میت پہ مری وہ آئے | تھا جو منظور پسِ مرگ جلانا دل کا

دیکھو پچھتاؤ گے یاد آؤ تم اس سے بیدل
کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہو لگانا دل کا !

جل جائے دل وہ شعلہ نارِ جہیم سے | عشقِ رسولِ پاک کی جس دل میں بو نہ ہو
مانع حیا ہے سامنے آنے سے جو تمہیں | پردے سے کچھ کلام ہو گر روبرو نہ ہو

لال چند گلچیں

لال چند نام گلچیں تخلص، قوم سے کائستھ ماتھر تھے۔ ریاست جودھپور میں محکمہ سررشتہ اضلاع غیر میں ملازم تھے۔ ان کا خاندان ریاست میں منشیوں کے خاندان کے نام سے مشہور رہے بہجت وغیرہ کے ہمعصر ہیں غالباً ۱۸۵۲ء یا ۱۸۵۳ء میں فوت ہوئے۔

ان کا کلام دستیاب نہ ہوسکا انہوں نے واسوخت شمیم کی جو تاریخ لکھی ہے وہ تذکرۂ آثار شعرائے ہنود سے نقل کرتا ہوں ؎

واسوخت شمیم نے جو لکھا — بے ریب یہ قابل ثنا ہے
کیونکہ نہ کباب مرغ دل ہو — پرسوز وگداز ماجرا ہے
صنعت سے نہیں ہے حرف خالی — افسوں سے کلام سب بھرا ہے
ہو کیوں نہ مجھے ہوائے تاریخ — کیا پھول بہار میں کھلا ہے
تصنیف کا حال جی لگا کر — کہدو کہ یہ باغ پر فضا ہے

رام سروپ شمیم

رام سروپ نام شمیم تخلص قوم سے بھٹناگر کائستھ تھے۔ منشی برج لال کے فرزند تھے سمت ۱۹۰۹ میں بمقام اجمیر پیدا ہوئے اور سن رشد کو پہنچکر انگریزی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ چندے وہیں محکمہ کنٹرولر و محکمہ حوالات میں ملازمت

کی لبعد ازاں ریاست جودھپور میں ایک اسکول کے ماسٹر ہو گئے۔ یہاں پنڈت
دیبی پرشاد بشاش وغیرہ کی صحبت نے شعر و سخن کا شوق پیدا کیا مگر عمر نے
وفا نہ کی اور عنفوان شباب ہی میں بمقام اودے پور ۱۸۸۱ء میں فوت ہوئے
ان کی یادگار صرف ایک واسوخت ہے جو "فیض شمیمی" کے نام سے موسوم
ہے۔ افسوس کہ یہ واسوخت دستیاب نہ ہوسکا۔ اس کے چند بند صاحب
تذکرہ آثار شعرائے ہنود نے لکھے ہیں۔ مگر یہ تذکرہ بھی اس قدر شکستہ حالت
میں ہے کہ تمام بند پڑھنے میں نہیں آتے لہٰذا صرف ایک بند پر اکتفا کرتا ہوں

ناک کے گرد اگر ہے ہو جائے تو دم میں سیدھا
آگے اس ناک کے خود بینی ہے تیری بیجا
دل میں اندوہ کی نوکیں سی چبھیں تیر سدا
کج ادائی نہ چلے تیری ذرا بھی بخدا
ناک کے رشک سے دن رات تو غمناک رہے
خوش جمالوں میں ذرا بھی نہ تری ناک رہے

پنڈت لشیشر ناتھ بصیر

لشیشر ناتھ نام، بصیر تخلص، پنڈت لشمبر ناتھ کشمیری کے لڑکے تھے
آبا و اجداد کی بود و باش دہلی میں تھی مگر بسلسلہ کسب معاش قصبہ سانبھر
علاقہ جودھپور میں سکونت پذیر تھے۔ مرزا یوسف علی خاں عزیز تلمیذ مرزا غالب
سے اصلاح سخن لیتے تھے۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

نہیں کاکل گشادہ ہے پری رو تیرے عارض پر
پرستاں کو نہ اُڑ جائے کہ اس نے پر نکالے ہیں

قیامت کیا کرے برپا خدا جانے جوانی میں ابھی سے ڈھنگ اس بت کے زمانے سے نرالے ہیں

کیونکر وہاں تلک ہو رسائی نگاہ کی کچھ دن سے ملکِ رخ پہ ہوا انتظام زلف

کاکل نہیں ہے مصحفِ رخسار پر لکیر! طغرا کا یہ لکھا ید قدرت کا نام زلف

کیوں نہ ہو عاشق مے نوش کو بوسی کی طلب ساغر مے ہے ذقن اور گزک ان عارض

نظام الدین عیش سانبھری

نظام الدین نام عیش تخلص۔ نسباً شیخ اور مذہباً سنی حنفی تھے۔ قصبہ سانبھر میں تقریباً ۱۸۱۵ء میں ولادت ہوئی۔ حصول علم سے فراغت پاکر تلاش معاش میں جے پور چلے گئے اور وہاں میونسپلٹی میں بزمرۂ اہلکاران ملازم ہوگئے اور ترقی کر کے محکمۂ عدالت دیوانی کے سررشتہ دار ہوگئے۔ ۱۸۹۶ء میں ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

شیخ صاحب اپنے زمانہ میں اچھے وضعدار انسان تھے۔ فارسی کی اچھی استعداد رکھتے تھے۔ ذوق شعری فطری تھا اور مشاعروں میں شرکت کا بھی بہت شوق تھا۔ اپنے زمانہ کے طرحی مشاعروں میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ بڑی طویل غزلیں لکھتے اور حتی الامکان کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔

عیش صاحبِ دیوان ہیں۔ بقول مولٰنا شاغل مؤلف تذکرہ شعرائے جے پور عیش نے اپنے عہد حیات ہی میں اپنے کلام کا مختصر انتخاب کرنے کے بعد اس کو ترتیب دیا تو کئی کئی صفحات کے سات دیوان مرتب ہوئے۔ جن میں تین اردو کے اور ایک فارسی کا۔ ان کے پوتے منشی نعیم الدین پنشنر سرکل انسپکٹر پولیس جے پور کے پاس

ابھی تک محفوظ ہیں۔

مولانا شاغل ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں " کلام میں پر گوئی کے ساتھ استادانہ زور اور رنگ پایا جاتا ہے مضمون آفرینی کے ساتھ ندرت تخیل کے بھی نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

نمونہ کلام ؎

آنے سے خط کے خوب رہا حسن یار کا
کانٹوں سے بند و بست ہوا لالہ زار کا

مجموعہ بہار وہ چہرہ ہے یار کا
جس کے عرق نے عطر نکالا بہار کا

چمن کی سیر کرنے کون مستانہ آتا ہے
کہ لالہ خاک سے باہر لیے پیمانہ آتا ہے

گرا پاپائے قاتل پر سر اپنا تیغ لگتے ہی
مجھے اس طرح کرنا سجدۂ شکرانہ آتا ہے

بے پردہ جلوہ گر رخ پر نور ہو گیا
محفل میں نور شمع کا کافور ہو گیا

ہنگام میکشی لب رنگیں کے عکس سے
جام عقیق ساغر بلور ہو گیا

نکلا جو یاد زلف میں شب دود آہ کا
حسرت سے منہ سفید تھا ابر سیاہ کا

وحشت نے نہ چھوڑا جو کوئی تار کفن کا
اچھا کیا تن پر نہ رہا بار کفن کا

کیا کیا جفائیں آپ کی ہم نے نہیں سہیں
لیکن گئی تمہاری تو اب تک نہیں نہیں

بہت اچھا ہوا کانٹے بچھائے جو رقیبوں نے
بہانہ ہاتھ آیا ٹھیرنے کا کوئے جاناں میں

کسی نے کہا عیش مرتا ہے تم پر
تو کچھ مسکرا کر کہا جانتے ہیں

غم آیا دل مرا گھبرا کے بھاگا
نکالا میہماں نے میزباں کو

☆

دورِ سوم

دیبی پرشاد بشاشؔ

لالہ دیبی پرشاد بشاشؔ منشی نتھن لال بہجتؔ کے فرزند تھے سمت ۱۹۰۴ بکرمی میں اپنے نانا حکیم شنکر لال کے گھر جے پور میں پیدا ہوئے۔ جب ایک سال کی عمر ہوئی تو ان کے دادا لالہ کشن چندر ان کو اجمیر لے گئے اور وہیں انہوں نے تعلیم و تربیت پائی۔ گلستاں تک دادا سے پڑھا لیا۔ ازاں مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ تعلیم مروجہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ٹونک چلے گئے اور والیٔ ٹونک کے بھتیجے صاحبزادہ عبدالکریم خاں کی سرکار میں ملازمت اختیار کی۔ نواب وزیرالدولہ بہادر والی ٹونک کی وفات کے بعد جب نواب محمد علی خاں وارث ریاست ہوئے تو صاحبزادہ عبدالکریم خاں مع اپنے فرزند صاحبزادہ محمد خاں کے اجمیر چلے گئے اور بشاشؔ بھی ان کے ہمراہ اجمیر آ گئے۔ یہاں ان دنوں شعر و سخن کی گرم بازاری تھی۔ جگہ جگہ مشاعرے ہوتے تھے۔ کچھ تو صاحبزادہ محمد خاں کی ترغیب اور کچھ

فطری میلان طبع نے ان کے دل میں بھی شعر و سخن کا شوق پیدا کیا اور غزلیں کہہ کر مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ صاحبزادہ موصوف نے حسرتیؔ تخلص تجویز کیا اور والد نے بشاشؔ انہوں نے دونوں تخلصوں کو بحال رہنے دیا۔

صاحبزادہ عبدالکریم خاں اور نواب محمد علی خاں والیِ ٹونک کے تعلقات کشیدہ تھے اس لئے صاحبزادہ موصوف اجمیر میں ہی رہتے تھے اور جب تک نواب محمد علی خاں زندہ رہے۔ یہ اجمیر ہی میں رہے اور بشاشؔ بھی ان کی سرکار سے وابستہ رہے۔ محمد علی خاں کے انتقال کے بعد جب نواب ابراہیم علی خاں سریر آرائے ریاست ہوئے تب عبدالکریم خاں نواب صاحب کے طلب کرنے پر ٹونک چلے گئے۔ چنانچہ بشاشؔ کو بھی اجمیر چھوڑ کر ٹونک جانا پڑا۔ لیکن ان کے محسن دیرینہ عبدالکریم خاں کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ ان کے انتقال کے بعد بشاشؔ جیسا کہ خود تذکرۂ آثار شعرائے ہنود میں لکھتے ہیں پولیٹکل معاملات میں الجھ گئے اور ریاست کے خلاف ہندوؤں کو حقوق آزادی حاصل کرنے کے لئے اُبھارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت ان سے ناراض ہوگئی اور بالآخر حدود ٹونک سے حکماً ان کا اخراج ہوگیا۔ اور یہ اپنے والد کے پاس اجمیر چلے گئے جو ان دنوں اجمیر میں درگاہ معلیٰ سے وابستہ تھے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے پھر ان کے چند اہل خاندان کی سفارشات سے جو جودھپور میں اقامت گزیں تھے ان کو جودھپور میں ملازمت مل گئی۔ یہاں اپنی ذاتی قابلیت کی بنا پر ترقی کرتے رہے اور بڑے بڑے عہدوں پر برسرکار رہے آخر عمر میں محکمۂ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ہوگئے۔ طبیعت میں علمی تحقیقات کا مادہ تھا۔ لہٰذا یہ خدمت بحسن و خوبی انجام دی۔ بالآخر ۱۵ جولائی ۱۹۲۳ء کو جودھپور میں انتقال کیا۔

یہ جودھپور میں کب آئے اس کا صحیح علم نہیں ہوسکا۔ ان کی پہلی تصنیف

جو اردو زبان میں جودھپور سے شائع ہوئی وہ میزان عدالت (۱۸۷۲ء) ہے۔

بشناس ایک فاضل ادیب، قابل مورخ اور اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں ادب و تاریخ پر تصنیف کی ہیں۔ ان کو اپنی تصانیف کے صلہ میں متعدد بار گورنمنٹ سے انعام ملا۔ تواریخ میواڑ و مارواڑ کے سلسلے میں ان کی تحقیقات کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن (جس کے یہ ممبر بھی تھے) نے سراہا ہے

شاعری میں ان کا مستقل دیوان دیکھنے میں نہیں آیا نہ ان کی طویل فہرست تصنیفات مندرجہ تذکرہ آثار شعرائے ہنود میں اس کا کہیں ذکر ہے۔ البتہ تذکرہ مذکورہ بالا میں اپنے کلام کا ایک طویل انتخاب دیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ ایک کہنہ مشق اور خوش فکر شاعر تھے۔ یہ کس سے اصلاح لیتے تھے اس کا انہوں نے اپنے تذکرہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ آفسرامروہوی نے اپنی قلمی یادداشت میں بحوالۂ فہرست یادگار ضیغم انکو فرقتی کا شاگرد لکھا ہے۔

بشناش کی تصنیفات کی فہرست جو تذکرہ شعرائے ہنود میں دی گئی ہے حسب ذیل ہے:-

(۱) میزان عدالت (۲) لطائف ہندی (۳) افسانۂ خردافروز یعنی قصہ بہرام و بہروز (۴) تاریخ میواڑ (۵) رسالہ چہل جواب تاریخ (۶) کارنامۂ نوآئین یعنی تقویم موئد المورخین (۷) گلدستۂ ادب (۸) خواب راجستان (۹) سوانحعمری نوشیرواں بادشاہ (۱۰) جواہر التعبیر (۱۱) نفائس التواریخ یعنی حالات حکمائے سلف (۱۲) تاریخ تزک ہند۔ (۱۳) تعلیم النساء (۱۴) تواریخ مارواڑ (۱۵) عجائب التواریخ یعنی واقعات عالم بقید سنین از ہبوط آدم (۱۶) احکام نوشیروانی ترجمہ توقیعات کسریٰ (۱۷) معیار الشعرائے ہنود یعنی ہندو شعرائے فارسی کا تذکرہ (۱۸) آثار شعرائے ہنود یعنی ہندو شعرائے اردو کا تذکرہ (۱۹) تاری نورتن متعلق تعلیم

لسنواں (۲۰) مضامین دلنشیں متعلق ترقی و بہبود قوم کا بیستہ (۲۱) مصائب زندگی۔ سوانح راجہ کرن باگھلا والی گجرات ہمعصر سلطان علاؤ الدین خلجی (۲۲) حل لغات حقائق الموجودات (۲۳) ہونہار بالک یعنی مشاہیر عالم کی سوانح عمریاں (۲۴) انتخاب نادرہ۔ حکایات ولطائف (۲۵) افتخار التواریخ موسوم بہ امیر نامہ۔

کلام کا انتخاب یہ ہے:۔

غزلیات

عید کو بھی نہ ہوا ماہ سے ہمسر میں ہوں | بخت اتنا بھی نہ چمکا وہ بد اختر میں ہوں
آگے دل سے نہ گیا آہ کہ رونے کا خیال | مرگیا اور ملا خاک میں مٹ کر میں ہوں
کی خطا آپ کی ابرو کو جو خنجر لکھا | قتل چاہو تو کرو قابل خنجر میں ہوں
ہے صنم شانِ خدا شان سے تیری پیدا | بخدا جھوٹ ہو گر اسمیں تو کافر میں ہوں
میں انھیں دیکھوں ہوں آئینہ جو وہ دیکھتے ہیں | ان کی حیرانی پہ کچھ اور ہی ششدر میں ہوں
دل پہ روشن ہے سواد ہنر و علم دلے | خاکِ غربت میں چھپا صورت اخگر میں ہوں

قتل عام اب ترے کوچے میں ہوا کرتا ہے | چال تو اب تو قیامت کی چلا کرتا ہے
میں وفا کرتا ہوں گر یار جفا کرتا ہے | جس کا جو کام ہے وہ اپنا کیا کرتا ہے
بیخودی کیوں نہ رکھے پردہ کہ اے پردہ نشیں | خانۂ دل میں مرے آپ تو بسا کرتا ہے
فتنہ و شر سے جو اس شوخ کو ہے ربط تمام | اسلئے عطر بھی فتنہ کا ملا کرتا ہے
جوش وحشت میں جو میں جاتا ہوں صحرا کی طرف | ہر بگولا مرے تعظیم اٹھا کرتا ہے

جس نے دیکھا ہے زخم بسمل کا | ہاتھ وہ چومتا ہے قاتل کا
کیا جلا یا ہے مجھ کو ہجر کی شب | شمع تھی یا کہ داغ تھا دل کا
خط کہاں، ہے یہ دفتر تفسیر | آیتہ ابروانِ قاتل کا

سامنے اس پری کے آئے جو حور — پردہ کھل جائے حق و باطل کا
خاکساری ہے لبسکہ اپنا شعار — عطر بھی گر ملیں تو ہو گل کا
شمع روتی تھی لوٹتے تھے ہم
تیرے بن تھا یہ حال محفل کا

برا نہ جانتے تو تقویٰ مآب کیا جانے — نہ پی ہو جس نے وہ قدرِ شراب کیا جانے
جسے نصیب نہ ہو لذت وصال صنم — بھلا وہ لذتِ عہدِ شباب کیا جانے
نہ آیا خواب میں تو جسکے اسکا خواب ہی کیا — نہ سویا ساتھ تو جسکے وہ خواب کیا جانے
صنم سے ہوتا ہے آنکھوں میں حال دل کا بیاں — زبان دے کے سوال و جواب کیا جانے
حریق سوز جگر بے مزا ہے عشق بغیر
جلا نہ جس کا ہو دل وہ کباب کیا جانے

تمہاری دید کو ہر اک ہمہ تن چشم اے جان ہے
فلک انجم سے نگراں ہے زمیں سب سنبلستاں ہے
چمن ہے ابر ہے ساقی ہے مے ہے اور غزل خواں ہے
جو تم آجاؤ ایسے میں تو سب عشرت کا ساماں ہے
مرے رونے سے جو وہ ظالم لب رد خنداں ہے
تماشا بلبل و گل کا ہے سیر برق و باراں ہے
دہن غنچہ ہے نرگس چشم ہے رُخ گل ہے خط ریحاں
نظارہ کیا کم باغ سے اے رشک بستاں ہے
زمیں غرقاب ہے اور چرخ میں کشتی ہے گردوں کی
مرے اشک رواں کا بھی کوئی طوفاں سا طوفاں ہے
جسے کہتے ہیں روز حشر وہ ہے حشر عالم میں

وہ میت ہے ہجر کی شب اور دل کا داغ سوزاں ہے

ترے گیسوئے پیچاں کا جو رہتا مجھے سودا
تو بعد از مرگ پھیلا قبر میں بھی عشق پیچاں ہے
جو دیکھو چشم معنی سے تو ہے یہ جہاں سراب ستاں
رواں اس جا پہ ہر سرو رواں ہر وقت ہراں ہے
ہوئی ختم اس معمّہ پر ذہانت ہر سخنداں کی
وہاں تو یار بھی کوئی مگر اسرار پنہاں ہے
خدا توفیق دے عشقِ حقیقی کی حسرتی ہم کو
کہ عشقِ ظاہری میں تو زیانِ دین وایماں ہے

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں
بحر غم کے حباب ہیں دونوں
چشم جام شراب ہیں دونوں
ان سے عالم خراب ہیں دونوں
ہم نے دیکھا جوان کی آنکھوں کو
نرگس نیم خواب ہیں دونوں
وصل میں فکر ہے جدائی کا
وصل و فرقت عذاب ہیں دونوں
دیر میں برہمن حرم میں شیخ
تیرے پیچھے خراب ہیں دونوں
آتشِ ہجر سے حرکتی اب تو
جگر و دل کباب ہیں دونوں

مرے مرنے پہ خدا کیوں نہ ہو حسرت میری
ہائے کس ناز سے ٹھکراتے ہیں تربت میری
جی کے مجبور رہا مر کے ترے قرب سے دور
جینے مرنے میں برابر رہی قسمت میری
بے اثر اشک گئے آہ نے تاثیر نہ کی
مفت برباد ہوئی ہائے یہ دولت میری
ایک بھی بات کا پورا نہیں ملتا ہے جواب
اسکی لکنت سے بڑھی اور بھی دقت میری
زلیف بگڑی جو ہوا سے تو گئے میرے حواس
اتنے ہی بس ہوئی برباد جمعیت میری

ایک دامن ہی کو کیا روتے ہو بیٹھے بشاش
آگے کیا کیا نہ دکھائیگی یہ وحشت میری

متفرق اشعار

عشق میں پایا ہم نے کیا بشاش
جان کھو بیٹھے جی کھپا بیٹھے

یک ذرہ تک نہ پہونچا دریار تک صبا
تو نے اڑا کے کیوں مری مٹی خراب کی

علاجِ ہجر بتاؤ ہنو! خدا کے لئے
ہمیں تو موت بھی ملتی نہیں دوا کیلئے

تری جفا کے مزے کیا کہوں کہ دل نے مرے
دہانِ زخم سے بوسے مری زباں کے لئے

دیکھے بناؤ شب جو سراپائے یار کے
نقشے بگڑ بگڑ گئے صبر و قرار کے

رات جوبن کے مزے خوب ہی لوٹے ہم نے
تازہ گلشن کے مزے خوب ہی لوٹے ہم نے

یار ساقی جو بنا بن گئی بس یاروں کی
نشہ میں بن کے مزے خوب ہی لوٹے ہم نے

محمد شفیع ناصر

محمد شفیع نام ناصر تخلص، رامپور کے باشندے تھے۔ آفتاب علوم مولانا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی کے ہمراہ بعہد فرمانروائی مہاراجہ جسونت سنگھ ثانی وارد جودھپور ہوئے تھے۔ غالباً کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ میں مدرسی کی اور پھر سپرنٹنڈنٹ دیک بینیشن ہو گئے۔ صوفی منش بزرگ تھے اور اوقات فرصت میں وعظ و تلقین کرتے تھے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۰ء تک ان کا جودھپور میں ہونا پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ معلوم کب تک یہاں رہے۔ کہاں گئے اور کہاں وفات پائی

یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کس کے شاگرد تھے۔ بیتاب شاہجہان پوری نے ان سے اصلاح سخن لی ہے۔ شرقی کے ہمعصر تھے۔

ان کا کلام پیام یار لکھنؤ اور سحاب سخن جو دھپور میں چھپتا تھا۔ ان کا کوئی دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنہ مشق شاعر تھے مضمون آفرینی اور چست بندشوں سے ان کا کلام مالامال ہے۔ جا بجا تصوف کی جھلک پائی جاتی ہے نمونہ درج ذیل ہے۔

پہلے ہوتا ہے فنا بعد بقا ہوتا ہے — ہاں بقا غازۂ رخسار فنا ہوتا ہے
طالب حق ہے گر زہد و دھرم سے اے شیخ — بیخودی میں اثر نام خدا ہوتا ہے
ناصحا ہستی موہوم کا شکوہ کیا ہے — آب ظلمات بھی کیا آب بقا ہوتا ہے
بزم اغیار میں مجبور ادب ہوں ظالم — ورنہ بتلا نا ستم کیا، گلہ کیا ہوتا ہے
یے پیئے ساغر الفت یہ دوگانہ تیرا — تو ادا ہوتا ہے زاہد نہ قضا ہوتا ہے
ادب ناز و نزاکت ہے حجاب اظہار — حرف مطلب کہیں عاشق سے ادا ہوتا ہے
پردۂ شرم میں بے پردہ ادائیں کیسی — مدعا پردے کا پردے میں ادا ہوتا ہے
دل کسی اور کے دیکھے ہے تماشے تم میں — مجو حیرت نہ سمجھا کہ مرا ہوتا ہے
فاقتلوا کی ہے ہر اک جوہر خنجر سے صدا — بیٹھو ابھی تو لو اخیر خفا ہوتا ہے

طبع عالی کا تری شور ہے ہر سو ناصر
داد حاسد نہ اگر دے تو ترا کیا ہوتا ہے

دل محو نعت احمد مختار ہی رہا — دیوانہ اپنے کام میں ہشیار ہی رہا
حق میں نہ اس کے کوئی موثر دوا ہوئی — بیمار ہجر آپ کا بیمار ہی رہا

میں خوں گرفتہ دیکھتے ہی ہو گیا شہید
ناصر وہ ہاتھ میں لئے تلوار ہی رہا

رشید احمد رشید تھانوی

رشید احمد نام تھا اور رشید تخلص کرتے تھے۔ اسلاف کا وطن تھانہ بھون تھا مگر یہ بسلسلہ ملازمت جودھپور میں بس گئے تھے ۱۸۹۲ء میں قصبہ پیپاڑ علاقہ جودھپور میں محرر عدالت دیوانی و فوجداری تھے۔ مجی افسر صدیقی امروہوی نے اپنی قلمی یادداشت میں انکو ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں سررشتہ دار عدالت جودھپور لکھا ہے اور داجد تھانوی کا شاگرد بتلایا ہے۔ اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہو سکا۔

ان کا کلام اس عہد کے گلدستوں مثلاً پیام یار لکھنؤ اور دامنِ بہار آگرہ میں شائع ہوتا رہتا تھا اور ان پرچوں میں سے جتنا بھی کلام دستیاب ہو سکا درج ذیل کرتا ہوں۔

سودا ہوا ہے ہمسری زلفِ یار میں
یہ بل کہاں سے آئیں گے مشکِ تتار میں

کیا کیا نہ ڈھونڈھ جائیگی محشر میں دیکھنا
وہ آنکھ جو کہیں ہی نہیں ہے ہزار میں

یارب یہ کس کی آبلہ پائی کا فیض ہے
جو جان پڑ گئی ہے ہر اک نوکِ خار میں

اللہ رے اضطرابِ دلِ صاعقہ مثال
کیونکر ٹھہرنے دیگا یہ ظالم مزار میں

ترجیح دے رہا ہوں جدائی کو وصل پر
ایسا مزا ملا ہے مجھے انتظار میں

ظالم تری زباں کے تلون نے آخرش
بٹا لگا دیا ہے ترے اعتبار میں

جائے تری بلا پئے گلگشت جانِ من
گلشن کی جان ہے ترے پھولوں کے ہار میں

گلبن کو شوق ہے ترے عارض کی دید کا
گلشن کی جان ہے ترے پھولوں کے ہار میں

خوش رو و خوش ادا و نزاکت سرشت ہیں
لیکن وفا نہیں ہے کسی گلعذار میں

کس کس ادا سے اس نے چھپایا ہے روزِ حشر
اک داغ تھا لہو کا جو دامانِ یار میں

جب سے کہ دیکھ لی ہے نکیلی مژہ تری — اک پھانس چبھ گئی ہے دل بیقرار میں
کلیاں کھلی ہی جاتی ہیں اب جوش حسن سے — واللہ کیا بہار ہے دامان یار میں

یاد آ گئی ہے کس در دنداں کی لے رشیدؔ
موتی برس رہے ہیں ہمارے مزار میں

اسیر عشق کی کس شان و شوکت کی سواری ہے — جلو میں گاہ ہے فریاد ہے نالہ ہے زاری ہے
وہ بے چینی و بیخوابی وہ درد و غم معاذ اللہ — شب اندوہ ہم نے کس مصیبت میں گذاری ہے
وہ اپنے ظلم سے کیونکر نہ شرمائینگے دیکھیں گے — عدالت گاہ محشر میں ہماری روبکاری ہے
ملے تھے رات کس کوچہ میں ہمکو حضرت ناصح — خدا حافظ ہے بس حضرت جو یہ پرہیزگاری ہے
تمہارے عشق کے داغوں کو ہم سینہ میں رکھتے ہیں — کوئی تو بات ہے آخر کہ جسکی پردہ داری ہے

نہ پایا چین مر کر بھی رشیدؔ زار نے ہے ہے
وہی بپتا بیاں ہے بیکلی ہے بیقراری ہے

سنتے نہ تھے کبھی کہ کسی پر جفا ہوئی — اب سادگی وہ کیا تری نام خدا ہوئی
کل جان بلب تھا آج لب گور ہو گیا — بیمار عشق کو ترے اچھی شفا ہوئی
سنتے ہیں دل کا خوں کیا رنگ حنا نے آج — اسکا یہی علاج تھا اچھی سزا ہوئی
کب تک غم فراق میں تڑپے رشید زار — آتے نہیں ہیں وہ جو اجل تو بھی کیا ہوئی

مریضوں کا اچھا مداوا کریں گے — کہ تڑپیں گے ہم اور وہ دیکھا کریں گے
مجھے تیری دزدیدہ نظروں نے مارا — مرے اقربا کس پہ دعویٰ کریں گے
کبھی بھول کر آپ کو دل نہ دیتے — اگر جانتے آپ ایسا کریں گے

رشیدؔ حزیں ایسے تم شاد کیوں ہو
وہ کیا آج وعدے کو ایفا کریں گے

برنگ شمع جل مرنا تو کیا ہے — مزا کچھ اور ہے سوز نہاں میں

مجھی سے داستانِ عشق سنیئے ۔۔۔ مزا آئے گا میرے ہی بیاں میں
توبہ کے دن بہت ہیں خدارا پلا بھی دے ۔۔۔ کیا تائب شراب ہوں ساقی شباب میں
لکھا مرے خط میں ذکرِ دشمن ۔۔۔ ہے طرز نیا ستمگری کا

محمد اسمٰعیل بیتاب

محمد اسمٰعیل نام ۔ بیتابؔ تخلص ۔ وطن قدیم شاہجہاں پور ہے ۔ جودھپور میں سلسلۂ تحصیل علم بود و باش رکھتے تھے ۔ آفتابِ علوم مولانا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی نے ایک اسلامیہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی ۔ مہاراجہ جسونت سنگھ ثانی والیِ ریاست جودھپور جو اربابِ کمال کے قدرداں تھے اس مدرسہ کے سرپرست تھے ۔ بیتاب اسی مدرسہ کے ہونہار طالب علم تھے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد اسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے یہ ۱۸۹۹ء تک جودھپور میں اقامت گزیں تھے ۔ لبعد ازاں شاید وطن چلے گئے اور وہیں اس دارِ فانی سے کوچ کیا ۔

بیتابؔ پہلے مولوی محمد شفیع ناصرؔ رامپوری سے اصلاح لیتے تھے پھر فصیح الملک داغؔ دہلوی کے شاگرد ہو گئے ۔ ان کا ذکر کسی تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذرا ۔ نہ ان کا کوئی دیوان دیکھنے میں آیا ۔ ان کا کلام اس عہد کے گلدستوں ۔ مثلاً پیامِ یار لکھنؤ ، نغمۂ یار جودھپور اور سحابِ سخن جودھپور میں چھپتا تھا ۔ انہیں گلدستوں سے جس قدر ان کا کلام دستیاب ہوا ہے وہ درج ذیل ہے :-

غیر سے پیار ہے اور مجھ سے خفا ہوتا ہے ۔۔۔ تو ہی کہہ کیا یہی اندازِ وفا ہوتا ہے
جب کسی گل پہ گلستاں میں نظر پڑتی ہے ۔۔۔ زخمِ دل کا مرے انگور ہرا ہوتا ہے

نزہم اس پردہ نشیں کی سی نہ دیکھی نہ سنی — آئینہ سامنے آئے تو خفا ہوتا ہے
ہو چکی میری دوا کر چکے احباب دعا — اب مسیحا بھی اگر آئیں تو کیا ہوتا ہے
غمزہ و عشوہ و انداز و ادا کے ہمراہ (ق) — لو وہ آمادۂ صد جور و جفا ہوتا ہے
کس کی آتی ہے قضا کس کو سزا ملتی ہے — دیکھیے کون گرفتار بلا ہوتا ہے

کیوں نہ بیتاب کریں ظلم و ستم تجھ پہ حسیں
ظالموں کو بھی کہیں خوف خدا ہوتا ہے

بپا ہے شور زنداں میں چلو زنداں تو دیکھو — تماشا ہے اسیر کاکل پر خم نکلتا ہے
دم آخر ہے ہچکی آ رہی ہے یاد میں تیری — دکھا جا اپنی صورت کو ہمارا دم نکلتا ہے
میں ضبط گریہ کرتا ہوں بخوف تنگ رسوائی — یہ باعث ہے جو اشک آنکھوں سے اب کم کم نکلتا ہے
بناوٹ کی نہیں عادت جہاں میں خوبرویوں کو — حسینوں کے بگڑنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے

نہ کر واعظ نصیحت مجھ کو ترک عشق خوباں کی
مثل مشہور ہے ناصح پھنسا دل کم نکلتا ہے

پوچھا نہ اس نے ہائے کبھی حال زار دل — گو زندگی سے اپنی میں بیزار ہی رہا
گردن جھکائی پر نہ کیا اس نے مجھ کو قتل — کھینچے ہوئے وہ ہاتھ میں تلوار ہی رہا

بیتاب کیا ہے خوف اسے روز حشر کا
حب رسول کا جو طلبگار ہی رہا

گر ناز سے وہ شوخ ستمگر ادھر آئے — وہ شور بپا ہو کہ قیامت نظر آئے
بیتاب مجھے دیکھ کے وہ کوچے میں اپنے — بولے کہو صاحب کدھر آئے کدھر آئے

نکلی میری تڑپ تڑپ کر جاں — تجھ کو اے بے خبر خبر نہ ہوئی!
چلے آتے ہیں دیکھ وہ بیتاب — آہ تیری تو اے اثر نہ ہوئی

کوئی بتلا دے خدا کے لئے اتنا مجھ کو — کس سے سیکھا ہے حسینوں نے جلانا دل کا

ہم نہ کہتے تھے نہ دو ہاتھ سے دلِ بیتاب — دیکھئے اس شوخ کو دشوار ہے پانا دل کا

سرمہ بناؤں آنکھ کا اپنی میں دمبدم — خاکِ درِ رسول اگر دستیاب ہو

کہتے ہیں مجھکو دیکھ کے وہ بھی خدا کی شان — دنیا میں کوئی یوں نہ الٰہی خراب ہو

دوستو ماجرائے عاشقِ زار — ہے تعجب کہ دلربا نہ سنے !

ایکدم بھی نہ مسرت دوریں ہم شاد رہے — یاد اتنا تجھے چرخ ستم ایجاد رہے

حسرتیں دل کی نکلتیں تری اے دمِ بیتاب — ہاتھ میں یار ستمگار کا داماں ہوتا

اب کے ہو جائے شبِ وصل جو قسمت سے نصیب — میں بھی ایسا انھیں چھیڑوں کہ بہت یاد کریں

شہاب الدین نالاں

شہاب الدین نام ، پہلے نالاں تخلص کرتے تھے . پھر خنداں کرنے لگے اٹاوہ کے رہنے والے تھے مگر بسلسلہ کسبِ معاش جودھپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی . وکالت کرتے تھے لیکن تمام عمر تنگدستی و عسرت میں بسر ہوئی . طبیعت میں آزادمنشی تھی جو کچھ کماتے تھے مے نوشی میں اڑا دیتے تھے . بمصداق ؎

قرار در کفِ آزادگان نگیرد مال — نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال

جب زیادہ تنگدست ہو گئے تو شراب چھوڑنی پڑی . مگر افیون کھانے لگے جس کے متعلق خود کہتے ہیں ؎

شراب ارغوانی چھوڑ کر افیون کھاتا ہوں
اثر اتنا تو پہونچا مجھکو بھی تلخیِ دوراں کا

آخر عمر میں دماغ میں خلل واقع ہو گیا تھا . کبھی مجذوبوں کی طرح بڑے ہانکتے اور

کبھی ہوش و حواس کی باتیں کرتے۔ قاضی ظہور احمد اخترؔ کے مکان میں رہتے تھے اور وہی ان کے اخراجات کے کفیل تھے۔ مہاراجہ جسونت سنگھ ثانی والی جودھپور کے انتقال (۱۸۹۵ء) کے کچھ عرصہ بعد جودھپور ہی میں فوت ہوئے۔

نالاںؔ کا کلام اس دور کے رسائل مثلاً سحاب سخن۔ نغمۂ یار و پیام یار وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی مطبوعہ دیوان نہیں ہے۔ آخر عمر کا کلام جب خنداںؔ تخلص کرتے تھے نظر سے نہیں گزرا۔ فطرتاً خوش اخلاق واقع ہوئے تھے اور بذلہ سنجی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

نمونہ کلام جو دستیاب ہو سکا ہے درج کیا جاتا ہے ؎

کھلے ہیں ان کے جب عنبر بیا کے بال سنتے ہیں / پڑا ہے آہوان چین میں بھونچال سنتے ہیں
انہیں کیا ہے غرض کوئی جیے کوئی مرے ان پر / وہ کس منہ سے بات کرتے ہیں وہ کس کا حال سنتے ہیں
وہ کب لاتے ہیں خاطر میں کسی کی آہ و زاری کو / ہجوم تمکنت سے کب کسی کا حال سنتے ہیں
یہ کیسی وصل کی شب ہے الٰہی کیا قیامت ہے / نہ مجھسے بات کرتے ہیں نہ میرا حال سنتے ہیں
برون آتا ہے پردے سے کوئی آفت کا پرکالا / اٹھیگا آج دنیا میں نیا بھونچال سنتے ہیں
نہیں لیتا گواہی حشر میں انساں کی انساں سے (ق) / الٰہی یہ ترے انصاف کا ہم حال سنتے ہیں
فرشتوں ہی کے لکھنے پر سزا ملتی ہے بندوں کو / فرشتے ہی ترے بندوں کے سب اعمال سنتے ہیں
عیادت کو چلو بہر خدا اٹھو اسے دیکھو / تمہارے والہ و شیدا کا ہم بد حال سنتے ہیں

کشش دونوں طرف ایسی پڑی ہے رات دن نالاںؔ
میں ان کا حال سنتا ہوں وہ میرا حال سنتے ہیں

ادھر ہم راز بد ظن ہے ادھر وہ دم پلاتے ہیں / ادھر رشک عدو ہے اور ادھر ارماں ستاتے ہیں
ادھر ہم ہیں کہ مات ہو گئی گردن جھکاتے ہیں / ادھر وہ ہیں کہ اپنی آستینوں کو چڑھاتے ہیں
ادھر تو خواہشیں دل کی مری پوری نہیں ہوتیں / ادھر مرغ سحر بولا کہ وہ پہلو سے جاتے ہیں

اُدھر بے اعتنائی سے انھیں فرصت نہیں ملتی — اِدھر ہم ہیں کہ انکی یاد میں صدمے اٹھاتے ہیں
اسی باعث پہنتے ہیں نہ پائے تا نشاں کوئی — یہ نیچے پائچے نقشِ کفِ پا کو چھپاتے ہیں
کچھ ایسی بن گئی ہے بات میری آجکل نالاں — میں انکے پاس جاتا ہوں وہ میرے پاس آتے ہیں

سید محمد ابوالحسن شرقی

محمد ابوالحسن نام اشرقی تخلص، حاجی سید تصدق حسین کے لڑکے تھے اسلاف کا وطن باندہ تھا مگر یہ مع چند اعزہ کے تلاش معاش میں وارد جودھپور ہوئے اور یہیں کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہ یہاں کس سن میں آئے اسکا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے ۱۸۸۹ء مطابق ۱۳۰۶ھ میں انہوں نے اپنی زیر ادارت اور اپنے شاگرد لالہ شام سندر لعل سرخوش کے زیر اہتمام ایک ماہانہ گلدستہ جاری کیا تھا جس کا نام "سحاب سخن" تھا شیخ محمد بخش ضبط اجمیری تلمیذ حضرت داغ نے "سحاب سخن" کے اجرا کی تاریخ کہی ہے جو درج ذیل ہے ؎

جو شرقی اور سرخوش کی خوشی سے — ہوا گلدستہ یہ جاری بہت خوب
مجھے تاریخ کی تھی فکر اے ضبط — کہا ہاتف نے یہ "مرغوب محبوب"

سحاب سخن پہلا مجلہ تھا کہ جودھپور سے شائع ہوکر خواص و عوام میں ادبی مذاق پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ اس گلدستہ میں شعرائے جودھپور کے علاوہ امیر و داغ کی طرحیہ و غیر طرحیہ غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ مولانا شرقی کی تحریک پر وقتاً فوقتاً شعر و سخن کی محفلیں گرم ہونے لگیں اور شعرا کی نازک خیالیاں

مصاب سخن کے ذریعہ پبلک میں رشحو باری کرنے لگیں۔ انھیں کے زمانہ میں ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں مولانا عبدالحئی بیخود نے مع اپنے ہونہار فرزند رضا حسنین بیدلؔ کے جودھپور میں آکر یہاں کی بود و باش اختیار کر لی۔

میں نے مولانا شرقی کو ان کے آخری ایامِ زندگی میں دیکھا ہے جب کہ میری عمر صرف گیارہ بارہ برس کی تھی اور مولانا ساٹھ سے تجاوز کر چکے تھے۔ یہ ۱۹۱۸ء کا زمانہ تھا۔ مولانا اپنی سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو گئے تھے اور درس و تدریس کا شغل کرتے تھے۔ انہیں ایام میں میں نے ان سے اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں شفیق استاد کی اپنے ناچیز شاگرد پر خاص نظر شفقت تھی۔ اکثر مشاعروں اور محرم کی محفلوں میں جو حضرت بیدلؔ بدایونی کے مکان پر ہوا کرتی تھیں مجھے ساتھ لیجاتے تھے۔ انھیں کے فیض صحبت نے میری طبیعت میں شعر و سخن کا مذاق پیدا کیا جس نے آگے چلکر حضرت بیدلؔ کے فیض صحبت سے نشو و نما پائی۔

شرقی شاعری میں منشی رشید محمد رشید فیض آبادی سے اصلاح لیتے تھے صاحب دیوان تھے۔ اور ان کا کلیات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا مگر افسوس ہے کہ ان کی زندگی ہی میں گم ہو کر ان کی شہرت کو معدوم کر گیا۔

اس زمانہ میں جب کہ خود ہندوستان میں فنِ صحافت اور پریس اپنی زندگی کے ابتدائی مرحلے طے کر رہے تھے۔ جودھپور جیسے کوردہ میں ایک مستقل ماہانہ گلدستہ کا اجراء بلاشبہ شرقی کا ایک اہم بالشان کارنامہ کہا جا سکتا ہے جس نے یہاں کی مردہ فضا میں ایسی روح پھونک دی کہ انھیں کے عہد میں شیخ محمد ابراہیم مداح جودھپوری نے بھی ایک گلدستہ "نغمہ یار" کے نام سے جاری کیا اور جودھپور کو اچھی خاصی بزم علم و ادب بنا دیا۔

شرقی نے ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ در جودھپور کے

قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد جو پہلا مشاعرہ ہوا۔ اس میں حضرت بیدلؔ نے اپنی طرحی غزل کا کتنا دردناک مقطع کہا ہے ؎

جس طرح بزمِ سخن میں آج کو شرقیؔ نہیں
ہم بھی بیدلؔ ایک دن زیرِ زمیں ہو جائیں گے

بہت سے اہلِ سخن نے شرقیؔ سے استفادہ کیا ہے لیکن ہمکو صرف تین حضرات کے نام معلوم ہو سکے۔ لالہ شیام لال سرخوشؔ، منشی رام سروپ مائلؔ اور پیرزادہ شیر محمد خاں احقرؔ۔ موخر الذکر شرقیؔ کی وفات کے بعد حضرت بیدلؔ سے اصلاح لیتے تھے۔

بہت تلاش و جستجو کے بعد شرقیؔ کا جس قدر کلام دستیاب ہو سکا میں نے اسکو ۱۹۲۴ء میں ایک گلدستہ کی صورت میں " یادگارِ شرقیؔ کے نام سے چھپوایا تھا۔ اسی میں سے کچھ انتخاب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہ کلام ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۰ء یا اس سے قبل کی پیداوار ہے۔ جو شرقیؔ کی شاعری کے دورِ ابتدائی کی یادگار کہا جا سکتا ہے۔ اسلئے یہ ان کے حقیقی معیارِ شاعری کو پوری طرح پیش نہیں کر سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے بعد کا کلام دستیاب نہ ہو سکا

نمونۂ کلام

ظاہر میں اگر جلوہ دکھایا نہیں جاتا
کہا شب کو تصور میں بھی آیا نہیں جاتا

کیں میرا جگر خاک بنایا نہیں جاتا
کیں سرمہ ان آنکھوں میں لگایا نہیں جاتا

وعدہ پہ اگر آپ سے آیا نہیں جاتا
دل سے غمِ فرقت کو مٹایا نہیں جاتا

مجبور ہوں فرقت میں جو آتے ہیں صدا اشک
آنکھوں سے تو راز چھپایا نہیں جاتا

قربان ترے جذبۂ الفت کے پری رو
کس طور میں دیوانہ بنایا نہیں جاتا

طوفاں کا تماشا ہے انہیں دیکھنا منظور
بے وجہ نہیں روز وہ لایا نہیں جاتا

کیوں تم گل نرگس کو نہیں ہاتھ میں لیتے — بیمار سے کیا ربط بڑھایا نہیں جاتا
کس روز مسی غیر کی خاطر سے نہ مل کر — نیلم در دنداں کو بنایا نہیں جاتا

جو درد و الم باقی ہیں پیش آئیں گے شرقی
تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

پھولوں سے تن زار جو پھل جائے تو اچھا — خار دل پر داغ نکل جائے تو اچھا
گر سوز محبت نہ ہو جل جائے تو اچھا — اس دل کے جلانے کو اجل جائے تو اچھا
قالب مرا سانچے میں جو ڈھل جائے تو اچھا — کس بل مرا کشتی میں نکل جائے تو اچھا
طفلانہ مچلتا ہے مرے اشک کا قطرہ — داماں تنگ پر کبھی پھسل جائے تو اچھا
سر پر ہو کبھی میسر پہ یزادوں کا سایہ — یارب دل دیوانہ سنبھل جائے تو اچھا
نظارہ کو سرتا بقدم لغزش پا ہے — عارض پہ کسی بت کے پھسل جائے تو اچھا

گانے میں بجانے میں کرے قتل وہ شرقی
چٹکی میں دل غمزدہ مل جائے تو اچھا

آئینہ دیکھے گا رخ اسکا جو سکندر ہو کر — آنکھ دکھلائے گی حیرت اسے جوہر ہو کر
خط لکھوں اس بت نوخط کو جو مضطر ہو کر — نامۂ شوق اڑے میرا کبوتر ہو کر
نہیں معلوم کہ کس پیچ سے یہ مار سیہ — حسینوں کے چڑھے زلف معنبر ہو کر
یاد آتی ہے مجھے ابروئے قاتل خونریز — ماہ نو ذبح نہ کر صورت خنجر ہو کر
لپٹی جاتی ہے بلائے شب ہجراں مجھکو — پیچ میں لائے گی کیا گیسوئے دلبر ہو کر
زیور آرائی کا ہو شوق جو لے ماہ لقا — آئے گردوں سے ثریا ابھی جھومر ہو کر
تنگ گل ناز سے پھولوں میں یہ تلنا کیسا — کیوں سبک ہوتے ہو پھولوں کے برابر ہو کر
اے پری اوج تصور سے ترے دل میرا — گنبد چرخ پہ گونجے گا کبوتر ہو کر!
صاعقہ قاتل کا پس مرگ نہ چھوڑا ہر نے — ہمدم تیغ مرا خون ہوا جوہر ہو کر

کیا خدا کو بھی ہے منظور بتوں کی خاطر! الٹی پھر آئی دعا چرخ سے اکثر ہو کر
دن کو آہوں کے شرارے جو اڑے تھے شرقی
رات کو چرخ پہ چمکے وہی اختر ہو کر

کبھی آیا نالہ دہن سے نکل کر! کبھی آیا آنکھوں سے دریا اُبل کر
ہزاروں نے دامن کیے چاک اپنے گیا گلبدن جب چمن سے نکل کر
بنا مرگ چھالا بدن اپنا سارا لہو جوشِ وحشت میں نکلا اُبل کر
ہوا راز پوشیدہ اب آشکارا مری آنکھ سے آئے آنسو نکل کر
سرِ بزم ہے جلوۂ شمع رویاں فدا دل ہوا مثل پروانہ جل کر
ہدف دل ہے ترچھی نگاہوں کا تیرے ہمیں چوٹ کھاتے رہے ہیں سنبھل کر
ابھی داغ دل کی ہو تاثیر پیدا جو سونگھیں گل لالہ ہاتھوں میں مل کر
ہوئی تم کو منظور خاطر عدو کی ابھی زہر کہیے تو رکھ دوں اُگل کر
نہایا جو گنگا میں وہ بحرِ خوبی ہوئیں مچھلیاں اسکے صدقے اُچھل کر
نہیں سبز رنگوں سے کچھ کام شرقی
ہوئیں ہڈیاں، جو نہ کیوں اپنی گل کر

بتانِ خود غرض جب عاشقوں کا حال سنتے ہیں گنہگاروں کا گویا نامۂ اعمال سنتے ہیں
نہ کیوں کر فتنۂ محشر بپا ہو فتنۂ عالم! کہ نفخ صور کو آوازۂ خلخال سنتے ہیں
طلسمِ چشمِ ساحر نے دکھائے شعبدے کیا کیا فسونِ چاہ بابل کا دگرگوں حال سنتے ہیں
نزاکت کسقدر ہے چاندنی پڑتی ہے گلتے ہیں عرق آلود ان کے ہو گئے ہیں گال سنتے ہیں
مبادا عالمِ بالا تہ و بالا نہ ہو جائے بتانِ فتنہ زا کی ہے غضب کی چال سنتے ہیں
حنائے خون پانے نئی رنگت دکھائی ہے دلِ خوں گشتہ اپنا ہو گیا پامال سنتے ہیں
ہوا ہے چشم کی گردش سے اک عالم تہ و بالا زمیں چکر میں ہے اور چرخ پر کسو چال سنتے ہیں

طلوعِ آفتابِ حشر مغرب سے ہے اے مشرقی
بلاگردانِ ہوش بہرِ استقبال سنتے ہیں

کھلا ہے عقدۂ زلفِ معنبر دیکھتے جاؤ
ہوا میں پھیل رہا ہے عطرِ عنبر دیکھتے جاؤ

دمِ خنجر کی گلکاری ستمگر دیکھتے جاؤ
چمن پھولا ہے زخموں کا بدن پر دیکھتے جاؤ

تڑپنے کا تماشہ بندہ پرور دیکھتے جاؤ
چھری مژگاں کی چلتی ہے جگر پر دیکھتے جاؤ

تماشا ہے نیا پیالے میں گوہر دیکھتے جاؤ
بنا ہے عکسِ رخ سے ماہ و اختر دیکھتے جاؤ

جما دو رنگ محشر آنکھ دکھلا کر زمانے کو
نئے تم شعبدے چتون پھرا کر دیکھتے جاؤ

جگر میں مشتعل ہے آتشِ فرقت کا وہ شعلہ
جلا دو لگا کوئی دم میں سمندر دیکھتے جاؤ

کہوں کیا رات دن پائے نگاریں کے تصور میں
پڑے ہیں ٹھوکر دل میں کاسۂ سر دیکھتے جاؤ

خیالِ چشمِ میگوں نے تمہارے ساقی مہوش
پھرایا سر کو شکلِ دورِ ساغر دیکھتے جاؤ

تصور آپ کے دنداں کا روز و شب رلاتا ہے
بھرے ہیں گوشۂ داماں میں گوہر دیکھتے جاؤ

ہزاروں نیم جاں دم توڑتے ہیں حشر برپا ہے
مسیحا ہو کے بیماروں کو دم بھر دیکھتے جاؤ

دکھا کر آئینہ خود بیں بنایا ہے انھیں مشرقی
اسیرِ دامِ حیرت ہے سکندر دیکھتے جاؤ

طبیعت جب سے ہم نے اس پری پیکر پہ مائل کی
نہیں ملتی خبر دل کی نہیں ملتی خبر دل کی

جِلائیں کس طرح تم کی صدا سے اپنے کشتہ کو
بنی ہے مہرِ خاموشی لبِ جاں بخش پر تل کی

خیال آیا جو تیغِ برقِ دم کا آج مقتل میں
نظر بجلی کی مانند کوندتی پھرتی ہے بسمل کی

نہیں کم لحنِ داؤدی سے نالے تیرے شیدا کے
کریں گے موم دم بھر میں ابھی کڑیاں سلاسل کی

جدا کرتے نہیں کیوں سامنے سے اپنے آئینہ
کوئی بھی چوٹ کھاتا ہے بتا دیجے مقابل کی

شہید عشوہ و انداز اس کا ایک عالم ہے
کرے گی اور کیا حالت نگاہِ قہر قاتل کی!

عیاں شعلہ جو ہو دودِ جگر سے — زمیں پر آسماں سے آگ برسے
جو چشم لطف سے تم مجھ کو دیکھو — رفو ہو زخم دل تارِ نظر سے
لبِ جاں بخش کا بوسہ جو دو تم — پئیں ہم آبِ حیواں کو شکر سے
چلے چھرے عدو پر گالیوں کے — بھرے بیٹھے تھے وہ اک بار سے
مے گلگوں کا ساقی دے کوئی جام — کہ ابرِ آذری میں دل نہ ترسے
کروں گا دامنِ شب کے میں پرزے — جو ہاتھ اُلجھا گریبانِ سحر سے

نہیں ملتا مزاج ماہ شرقی
خوشامد کر رہے ہیں دوپہر سے

بزم میں آج سخن سنج غزلخواں ہونگے — وہی کچھ قدر کریں گے جو سخنداں ہونگے
ناظرِ خال وخط چہرۂ جاناں ہونگے — فضلِ اللہ سے ہم حافظ قرآں ہونگے
گر کبھی جوش پہ یہ دیدۂ گریاں ہونگے — دیکھنا نوح کے طوفان کے طوفاں ہونگے
قید تن سے کبھی آزاد مری جاں ہونگے — یوں رہا بندۂ گیسوئے پریشاں ہونگے
جس طرف کو یہ رواں ناوک مژگاں ہونگے — نیم بسمل کئی ہونگے کئی بے جاں ہونگے
دیکھنا خود ہی ابھر آئیں گے جوبن بنکر — میرے ارماں جو ترے سینہ میں پنہاں ہونگے
جوہری دیکھ کے ہیرے کی کنی کھائیں گے — پان کھانے سے جو لب غیرتِ مرجاں ہونگے
کام میں اپنے تری آنکھوں سے لیتے ہیں مدد — ملک الموت نہ شرمندۂ احساں ہونگے
مر کے پھر جیتے تو اس دشمن جاں پر مرتے — بعد مردن بھی لحد میں یہی ارماں ہونگے
ایسا خوش ہوگا کہ مفلس کو کوئی گنج ملا — جمع دل میں جو ترے تیر کے پیکاں ہونگے
دھوم ہے بن کے دلہن فصلِ بہار آئی ہے — شکلِ گل چاک ہزاروں کے گریباں ہونگے

رکھنا امید وفا کی نہ بتوں سے شرقی
دوست کس کے یہ بھلا دشمنِ ایماں ہونگے

جلوہ فرما ہو کے تو نے بام پر ایک عالم کو تہ و بالا کیا!

مثال موج نہ ہیہم ہو اضطراب مجھے وہ بحرِ حسن اگر مجھ سے ہمکنار رہے

شیخ محمد ابراہیم مدّاح

محمد ابراہیم نام مدّاح تخلص، ابوالمحامد کنیت، شیخ محمد علی[1] جودھپوری کے فرزند تھے۔ ان کا مکان جودھپور میں سیوانچی دروازہ کے پاس تھا۔ ان کو شمشاد لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا۔

۱۸۹۶ء میں ان کی ادارت میں جودھپور سے ایک رسالہ نکلنا شروع ہوا تھا جس کا نام "لغزۂ یار" تھا۔ یہ رسالہ غالباً دو تین سال چلا اس کے بعد بند ہو گیا مدّاح ہمیشہ مالی پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ بالآخر جودھپور کو خیرباد کہکر اپنے سسرال واقع ڈلیسہ علاقہ پالنپور میں چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔[1]

ان کا کلام اس زمانہ کے گلدستوں اور رسالوں مثلاً "سحاب سخن" (جودھپور) "نغزۂ یار" (جودھپور) "دامنِ بہار" (آگرہ) اور "پیام یار" (لکھنؤ) میں شائع ہوتا تھا ان کا کوئی مطبوعہ دیوان نہیں ہے۔ جو کلام ان گلدستوں سے دستیاب ہو سکا وہ پیش کش قارئین ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ یہ ایک خوش

لہ۔ بروایت مولانا قاضی کبیر احمد کبیر تلمیذ داغ۔

فکر شاعر تھے۔ کلام صاف، شستہ اور اسقام و نقائص سے پاک ہے۔

نمونۂ کلام

شبِ فرقت بھی کیا حد سے بڑی ہے　　کہ ایک ایک سال کی ایک ایک گھڑی ہے
مئے دیدار کی خواہش ہے مجھ کو　　تجھے واعظ نمازوں کی پڑی ہے
مرے مرجانے سے کیوں خوش ہوئے تم　　اجل ہر ایک کے سر پر کھڑی ہے
مری آنکھوں سے اشکِ غم ہیں جاری　　تری گردن میں موتی کی لڑی ہے
وہ مانیں نہ میں مانوں کوئی بات　　یہ آپس میں عجب ضد آ پڑی ہے
وہ آئے بے بلائے میرے گھر آج　　مری تقدیر دیکھو کیا لڑی ہے
مرا دل کیوں نہ لے وہ شوخ ظالم　　مری آنکھ اسکی آنکھوں سے لڑی ہے
ملا سرکارِ الفت سے یہ انعام　　کہیں بیڑی کہیں پر ہتھکڑی ہے
ترا دل دہی ہوں اے شہِ حسن　　ترے کوچہ میں جسکی جھونپڑی ہے
تمہارے پھول سے رخ پر موا ہوں　　چمن میں اس لئے میت پڑی ہے

کسی سے بوسہ میں کیا مانگوں مدّاح
مجھے تو اپنے ہی دل کی پڑی ہے

دل ہے وہ جس میں دلربا بیٹھے　　آنکھ وہ جس میں آشنا بیٹھے
بزمِ عشاق میں جب آ بیٹھے　　جان کو اپنی ہم گنوا بیٹھے
تیری زلفوں کے جال میں ظالم　　دلِ وحشی کو ہم پھنسا بیٹھے
بزم میں آئے تو مگر ہم سے　　کیوں مری جان تم جدا بیٹھے
ناگنی زلف سے تری جاناں!　　ہم دلِ زار کو ڈسا بیٹھے
وعدہ کیسا کہ بات تک ہی نہ کی　　تیری محفل میں کوئی کیا بیٹھے
تیرے کوچہ میں اے بتِ برہم　　کوئی کس آرزو پہ آ بیٹھے

تیرے سوزِ فراق میں اے شوخ — جان تک ہم جلا بیٹھے
کیسی قیمت کہاں بیعانہ — مفت وہ دل کو ہیں دبا بیٹھے
بگڑے اغیار تو بگڑنے دو — بات تو اپنی ہم بنا بیٹھے
ہم یہاں سے نہ اٹھیں گے ہرگز — تیرے کوچہ میں اب تو آ بیٹھے
جب اٹھے ان کے بوسے لیکر ہم — گالیاں ہم کو وہ سنا بیٹھے
دست بر سر وہ دیکھ کر بولے — خیر ہے آج یوں ہو کیا بیٹھے
ہائے اس کا یہ ناز سے کہنا! — کیا کہیں ہم بھی دل لگا بیٹھے!

اک ذرا آنکھ کا جھپکنا تھا
دل وہ مداح کا چرا بیٹھے

ہجر دلدار میں دی جان بڑی مشکل سے — میری مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے
آج پورے ہوئے ارمان بڑی مشکل سے — وہ ہوئے ہیں مرے مہمان بڑی مشکل سے
صدقے ہو جاؤں نہ کیوں میں دل جاں سے تیرے — تم ہوئے ہو مرے مہمان بڑی مشکل سے
ناتوانی نے تھکایا ہے یہاں تک مجھ کو — اب قدم اٹھتے ہیں اے جان بڑی مشکل سے

کلمہ پڑھتا ہے مداح وہ الفت کا مری
کیا کافر کو مسلمان بڑی مشکل سے

بلا آئیگی یا دل پر کوئی جنجال سنتے ہیں — کہ کھولے آج پھر جوڑے کے اسنے بال سنتے ہیں
ہمارے دل کی ٹھنڈک ہے تمہارے حسن کی گرمی — ستارا عرش دل کا ہے تمہارا خال سنتے ہیں
نہ بولو چپ رہو بس کہہ لیا جو کچھ کہ کہنا تھا — مرے دشمن پسِ دیوار میرا حال سنتے ہیں
کیے ٹکڑے بت تو خط نے خط کے لیکے قاصد سے — ہوا ہے میرے خط کا ہائے یہ احوال سنتے ہیں
بلا زلفیں غضب آنکھیں ہیں تیری لعبت سرکش — ادا غارت گر دل ہے قیامت چال سنتے ہیں

بچائے ہمکو اے مداح اسکے فتنے سے خالق
جو پہلے حشر کے آئے گا اک دجال سنتے ہیں!

دل لگانا جسے کہتے ہیں بڑا ہوتا ہے
دے چکا دل انھیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

دھیان آتا ہے جب اس شوخ کا ہیرو دلمیں
بیقراری سے مرا حال بڑا ہوتا ہے

یہ بھی اک طرز ستم ہے کہ ہمارے آگے
شکوہ غیروں کا کبھی گاہ گلا ہوتا ہے

نزع کے وقت تو آجاؤ ذرا بالیں پر
تم سے اب عاشق جانباز جدا ہوتا ہے

بال گیسو کے ہیں آج اس نے سنوارے طور
دیکھئے کون گرفتار بلا ہوتا ہے

کر دیا ناک میں دم عشق بتاں نے مداح
روز دل پر مرے اک رنج نیا ہوتا ہے

کرے جب قتل قاتل مجھکو یہ ہے آرزو دل کی
کہ گردن کٹتے کٹتے چوم لوں تلوار قاتل کی

شب دیجور ہے کیا چیز تیری زلف کے آگے
ترے چہرے کے آگے کیا حقیقت ماہ کامل کی

نہ ساقی مے پلاتا ہے نہ دلبر جام دیتا ہے
بجھے گی ہائے پھر کیونکر الٰہی آگ اس دل کی

نکالو بزم رنداں سے نہیں کچھ کام واعظ کا
بلاؤ دختر رز کو کہ وہ زینت ہے محفل کی

یہاں تو ظلم جتنا چاہے کرلے مجھ پہ اے ظالم
قیامت میں تو ہوگی مجھ پہ رحمت شاہ عادل کی

رقیب روسیہ سر پھوڑتے ہیں سنگ حسرت سے
خدا کا شکر ہے وہ میرے گھر تشریف لاتے ہیں

کبھی ایفائے وعدہ ہے کبھی انکار ہے لب پر
نئے انداز سے وہ روز میرا دل جلاتے ہیں

ادھر مجھ پہ فلک سو سو طرح کے ظلم ڈھاتا ہے
ادھر وہ دام گیسو میں مرے دل کو پھنساتے ہیں

تری آنکھوں نے مجھکو مار ڈالا
غضب ہے تو ڑ ابرو کی کماں میں

چمن میں آتی ہے فصل خزاں جب
نہیں رہتی ہے بلبل آشیاں میں

ہم نے تو تم کو جان تک دیدی
تم سے وعدہ کبھی وفا نہ ہوا

کیوں خجل ہوں نہ حضرت عیسیٰ
چارہ کچھ مجھ مریض کا نہ ہوا

اے مری جان ترا اس میں بگڑتا کیا ہے
ترے در پہ میں پڑا ہوں تو پڑا رہنے دے

آنکھوں سے آکے مرے دلمیں کیا گھر تونے
اب بسایا ہے مرا دل تو بسا رہنے دے

بزم میں آئے لطف سے لیکن — ان کی میری طرف نظر نہ ہوئی
گھات میں رہتا ہے ہر وقت کوئی اے مداح — ہو گیا اب نہیں دشوار بچانا دل کا

ہم کو زلفِ مشکبو آگئیں سر بسر ملتی نہیں — وہ دہن ملتا نہیں ان کی کمر ملتی نہیں
درد ہے رنج و الم ہیں غم ہے حسرت ہے قلق — اور کوئی چیز ہمکو بیشتر ملتی نہیں
باعثِ تسکیں جو تھی تصویر میرے واسطے — سیکڑوں تصویروں میں ڈھونڈی مگر ملتی نہیں
سونگھیے تو نکہت زلف پریشان صنم — جانے دے بوئے ارم مجھکو اگر ملتی نہیں
شاعر و تشبیہ افشان صنم کے واسطے — کیا تمہیں عقد ثریا چرخ پر ملتی نہیں
ہائے دن کو چین ملتا ہی نہیں دم بھر نہیں — ساعتِ آرام ہمکو رات بھر ملتی نہیں
کیوں نہیں چنتے وہ افشاں اپنے سر پر آجکل — کیوں شبِ دیجور سے ضوئے قمر ملتی نہیں
منحصر مجبر نہیں یہ قاعدے کی بات ہے — کام کی ہوتی ہے جو شے وقت پر ملتی نہیں
جان لب پر دم ہے الٹا ہچکیاں لیتے ہیں ہم — کیوں الٰہی ہمکو شکل سیمبر ملتی نہیں
چیر ڈالا نشتر نوک مژہ سے ہائے دل — مندمل کیا ہو دوائے ڈاکٹر ملتی نہیں
پہلے تو دعویٰ جگر داری کا تھا تجھکو بہت — کیوں نظر سے ان کی تو اب اے نظر ملتی نہیں
مٹ گئے ہم مٹ گئے فکر میانِ یار میں — کیا عدم میں بھی عدم ہے کیوں کمر ملتی نہیں

عاشقوں کے دل میں ہے سو داح اسمیں شک نہیں
دخترِ رز کی قبر فرشِ خاک پر ملتی نہیں

قاضی ظہور احمد نشتر

ظہور احمد نام۔ پہلے ظہور پھر نشتر تخلص کرنے لگے۔ قاضی صدیق اللہ

صدیق جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کے فرزند ارجمند اور علم وفضل میں صحیح معنوں میں جانشین تھے۔

درس و تدریس مشغلہ تھا۔ مگر ذریعہ معاش طبابت تھا جو بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا۔ نسخے بہت معمولی ہوتے تھے۔ مگر ہاتھ میں خدا نے شفا دی تھی۔ چند ٹکوں کے نسخہ سے الجھا ہوا مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔ متعدد مرتبہ جودھپور کی میونسپل کمیٹی کے ممبر نامزد کئے گئے (اسوقت انتخاب کا طریقہ رائج نہیں ہوا تھا) آنریری مجسٹریٹ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

ان کے ہاں ربیع الاول کے ابتدائی بارہ دنوں میں محفلیں منعقد ہوتی تھیں جن میں عوام کے علاوہ جودھپور کے علما وفضلا اور عمائدین شہر شریک ہوتے تھے ان متبرک محفلوں میں راقم السطور کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی قاضی صاحب دوازدہ مجلس فارسی پڑھتے تھے اور اردو ترجمہ و تشریح فرماتے تھے افہام و تفہیم کا طریقہ اتنا دلنشین اور موثر تھا کہ عوام سے لیکر خواص تک یکساں طور پر لطف اندوز ہوتے تھے۔ آج بھی ان پرخلوص و برکت محفلوں کی یاد دل سے محو نہیں ہوئی۔

شاعری میں قاضی صاحب بیخود بدایونی کے ہمعصر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بسمل خیرآبادی سے اصلاح سخن لی ہے۔ بیخود بدایونی نے اپنے دیباچۂ دیوان میں قاضی صاحب کو ذکی الطبع، صحیح المذاق، نکتہ رس اور معانی شناس لکھا ہے۔

ان سے جودھپور کے بہت سے حضرات نے اکتساب فیض کیا ہے۔ شاعری میں جن حضرات نے اُن سے اصلاح لی ہے۔ ان میں نمایاں ہستیاں قاضی نصیر احمد راز میرٹھوی اور حافظ راحت علی راحت جودھپوری کی ہیں۔

قاضی صاحب نے اردو اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر افسوس کہ باوجود تلاش و جستجو کے ان کا کوئی کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ ان کا کتب خانہ بڑا زبردست تھا۔ مگر دست برد زمانہ نے ضائع کر دیا۔

قاضی صاحب نے بعارضہ ذیابیطس با یام پیرانہ سالی ماہ اگست ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۸ء میں انتقال فرمایا اور جودھپور کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

عبدالحی بیخود

عبدالحیٔ نام۔ بیخود تخلص۔ نسباً صدیقی مولوی غلام سرور کے صاحبزادے تھے۔ وطن قدیم بدایوں ہے۔ جہاں ان کی ولادت ۲۷ محرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۸۵۵ء کو ہوئی۔ اپنے والد کی توجہ خاص سے مختلف اساتذہ کے زیر تعلیم رہے اور عربی و فارسی دونوں زبانوں میں کافی استعداد بہم پہنچائی ان کو بچپن ہی سے اساتذہ کے کلام دیکھنے کا بہت شوق تھا جس نے بہت جلد ان کی شعریت نواز طبیعت کو دنیائے شاعری سے آشنا کر دیا۔ اول اول طبیعت خود ہی مصلح رہی۔ مگر پھر شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی سے تلمذ حاصل کیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس مخبر قوم و ملت (حالی) نے عاشقانہ شاعری کو ترک کر کے اپنی تمام توجہ اصلاحِ قوم کی طرف کر لی جیسا کہ خود کہتے ہیں۔ رباعی ؎

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی بزم شعراء میں شعر خوانی چھوڑی

جب سے دل زندہ تو نے ہمکو چھوڑا ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

اب بیخود کو دوسرے استاد کی ضرورت پیش آئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ محفل سخن میں جابجا نواب مرزا داغ دھلوی کی جادو بیانیوں کے شہرے تھے اور گلزار داغ منصۂ شہود پر آچکی تھی۔ بیخود چونکہ فطرۃً آزادمنش اور رنگین مزاج واقع ہوئے تھے، داغ کا رنگ شاعری اپنی طبیعت کے موافق دیکھکر ان کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

جب یہ جوان ہوئے تو معاش کی فکر پیدا ہوئی۔ علوم حاضرہ سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے حصول ملازمت میں کامیاب ہونا مشکل تھا۔ لہٰذا اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولوی حافظ اعجاز احمد وکیل سے قانون پڑھنا شروع کیا اور اپنی فطری ذہانت و قابلیت کی وجہ سے چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ایک قابل وکیل بن گئے۔ جب وکالت کی سند ملی تو حصول معاش کیلئے اپنا پیارا وطن چھوڑنا پڑا۔ اور کئی مقامات میں گھومے ۱۳۰۲ھ میں گردش زمانہ نے ان کو ریاست سروہی میں پہونچا دیا۔ جہاں والیِ ریاست کی طرف سے ان کی بہت قدر افزائی ہوئی اور یہ وہاں کے اسسٹنٹ جوڈیشنل آفیسر مقرر ہو گئے ۱۳۰۹ھ میں بیخود سروہی کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور سرزمین مارواڑ میں داخل ہو کر جودھپور پہونچے۔ یہاں مہاراجہ کرنل سر پرتاپ سنگھ صاحب بہادر مدار المہام ریاست کی قدر دانی سے بعہد سری سردار سنگھ صاحب بہادر والی ریاست یہ اسپیشل مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

الغرض بیخود نے جودھپور کی مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں کے ہو رہے سروہی کی نسبت جس کے متعلق ان کے مندرجہ ذیل اشعار یادگار ہیں، جودھپور میں اچھی گذرنے لگی ؎

اس بزم میں دشمن ہے کہ ہے باغ میں کانٹا — بیخود ہے مری ہی ہے کہ بلبل ہے قفس میں
سرو گردن کی جیسے ہو بیخود — نام اس شہر کا سرو ہی لے ہے

یہاں قاضی ظہور احمد نشتر اور حکیم محمد بہاؤالدین خان بہا اور نواب عبداللہ مطلب سے صحبتیں گرم رہتی تھیں اور کبھی کبھی نثار حسین نثار مالک و مہتمم پیامِ یار بھی جودھپور آتے رہتے تھے اور ان کی صحبت سے نیاز حاصل کرتے رہتے تھے باوجود ان ادبی صحبتوں اور دلچسپیوں کے کبھی کبھی وطن کی دلچسپیاں بھی یاد آجاتی تھیں جیسا کہ ان اشعار سے مترشح ہوتا ہے ؎

خیال میں نہ رہیں صورتیں عزیزوں کی — وطن سے چھوٹے ہوئے اسقدر زمانہ ہوا
اسی سے عالمِ غربت میں جی بہلتا ہے — خیال دلمیں غنیمت ہے ملنے والوں کا
ہرا بھرا رہے یارب یہ وادی غربت — یہی تو ایک ٹھکانا ہے خستہ حالوں کا

قیام جودھپور کے دوران میں کبھی کبھی اپنے وطن بدایوں جاتے اور عزیز و اقارب سے ملکر واپس آجاتے تھے لیکن ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں جب یہ بدایوں گئے تو پھر واپس لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ اور وہیں بعمر ۷۵ سال انتقال کیا۔

حضرت بیخود نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادی اور چھ صاحبزادے چھوڑے جن میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت استاذ مولانا رضاء الحسنین بیدل تھے جنہوں نے نہ صرف مرحوم کی جگہ کو پُر کیا بلکہ بیخود جو ادبی فضا پیدا کر گئے تھے اس کو چار چاند لگا دیئے۔

بیخود صاحب دیوان ہیں۔ ان کا دیوان ۱۳۲۸ھ میں امیر مینائی کے انتخاب کے بعد مرآت الخیال کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ان کا کلام داغ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور یہ بجا طور پر جانشین داغ کہلانے کے مستحق ہیں۔ خود استاد داغ اپنی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ "میرے جانشین یا تو

بیخود بدایونی ہو سکتے ہیں یا بیخود دہلوی۔

بیخود کا کلام روانی، صفائی اور جذبات سے مالا مال ہے۔ طبیعت میں برجستگی اور شوخی ہے۔ فطرتاً حسن پرست ہونے کی بنا پر معاملات حسن وعشق کو اس خوبی سے ادا کرتے ہیں کہ طبیعت بے اختیار پھڑک اٹھتی ہے۔ انہوں نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ جسکا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بے ہوش تھا جو بزم میں محرم گاہِ راز تھا
بے امتیاز تھا جسے کچھ امتیاز تھا

ناکامیوں میں کس کی شکایت کرے کوئی
جسنے بگاڑے کام بڑا کارساز تھا

پائے طلب نے منزل جاناں دکھا ہی دی
گو راہ میں ہزار نشیب و فراز تھا

میری برائی نے تجھے اچھا بنا دیا
اچھے برے ہیں ورنہ کسے امتیاز تھا

بیخود فراقِ یار میں ہم اور شغل مے
مجبور تھے مگر کہ یہ غمِ جاں گداز تھا

کہوں میں تم سے اپنا مدعا کیا
کہو گے سن کے یہ تو نے کہا کیا

چمن کیا سبزہ کیا گل کیا ہوا کیا
نہ ہو جب تم تو جینے کا مزا کیا

ملا کر خاک میں تم غم نہ کرنا
ہماری آرزو کیا مدعا کیا

یہ تم اپنے ہی دل سے کیوں نہ پوچھو
ہمارا حال ہم سے پوچھنا کیا

وہ سنکر حالِ دل کہتے ہیں بیخود
یہ سب کچھ سچ مگر ہم نے کیا کیا

کہتے ہو کوئی جور کا خواہاں نہیں دیکھا
مجھکو بھی مگر تم نے مری جاں نہیں دیکھا

کیا چیز ہے وصل بت بے مہر خدایا
ہم نے کبھی یہ خواب پریشاں نہیں دیکھا

پائی ہے مگر دید کی لذت نہیں پائی!
دیکھا ہے مگر جلوۂ جاناں نہیں دیکھا

لے گردشِ دوراں نگہِ لطف ادھر بھی
دشمن نے عذاب شب ہجراں نہیں دیکھا

یہ برق جو کوندی تھی نگاہوں میں تو کیا تھی — دیکھا بھی کسی نے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

بیخود کو ہمیشہ کسی حیرت ہی میں پایا
گریاں نہیں دیکھا کبھی خنداں نہیں دیکھا

الٰہی مجھ کو دل درد آشنا دینا — ہزار درد کا ہر درد میں مزا دینا

وہ ان کا وصل میں یہ کہہ کے مسکرا دینا — طلوعِ صبح سے پہلے ہمیں جگا دینا

بہت دنوں میں ہوئی ہے نصیب وصل کی رات — ہجومِ شوقِ تمنا کو راستا دینا

وہ دیکھو آنکھوں میں آنسو بھی ڈبڈبا آئے
ہنسی ہے کیا مرے رونے پہ مسکرا دینا

یہ بت بے درد ہوتے مہربانِ اہلِ درد — اسقدر پُر درد تو ہوتا بیانِ اہلِ درد

وہ نہ آئیں گے اگر تو موت ہی آجائیگی — رائگاں ہرگز نہ جائیگی فغانِ اہلِ درد

سُن کے میرا حال وہ بیدرد کچھ گھبرا گیا — درد سے خالی نہیں ہوتا بیانِ اہلِ درد

چھیڑ دیکھو کہتے ہیں سنکر فغانِ عندلیب — آپ بھی ہیں خیر سے ہمداستانِ اہلِ درد

دردِ دل دردِ جگر مال و متاعِ اہلِ دل — داغِ دل داغِ جگر جان و جہانِ اہلِ درد

درد تو بیخود یہیں سے انکو ہوتا ہے نصیب
ہے زمین کوئے جاناں آسمانِ اہلِ درد

منہ چھپانے لگے وہ مجھ سے پشیماں ہو کر — اور مشکل ہوئی مشکل مری آساں ہو کر

سخت جانی کا بُرا ہو کہ مرے قاتل نے — پھینکدی ہاتھ سے شمشیر پشیماں ہو کر

دل بھی آمادہ ہے سینہ سے نکل جانے پر — صاحبِ خانہ بھی اب رہتا ہے مہماں ہو کر

ضعف پیری جوشِ جنوں طرفہ مصیبت آئی — رہ گیا ہاتھ مرا دفنِ گریباں ہو کر

مضطرب تھا دلِ غمناک شبِ غم ایسا
رہ گیا بیخودِ بیتاب بھی حیراں ہو کر

کیوں آ کے میکدے میں اودھم مچائے واعظ
مسجد میں عشق بت ہو کعبہ میں جائے واعظ

محشر میں کیا مزا ہو گر حکم کبریا ہو
جنت میں جائیں میکش دوزخ میں جائے واعظ

کر دے اگر اشارہ ساقی کی چشم میگوں
پھر پھر کے میکشوں کو ساغر پلائے واعظ

ستار بیان جنت پڑھتی ہے دل کی وحشت
کہہ دو کوئی مزے کا قصہ سنائے واعظ

دشوار زندگی ہے ہاتھوں سے ان کے بیخود
ناصح اگر ٹلے تو تشریف لائے واعظ

آہ کرنا دل حزیں نہ کہیں
آگ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

گو لبوں ہی رہا یہی کھٹکا
آسماں ہو تو زمیں نہ کہیں

آ گئے لب پہ دل نشیں نالے
جا ہی پہونچیں گے اب کہیں نہ کہیں

وہ مرے اضطراب کی باتیں
نامہ بر ان سے کہہ کہیں نہ کہیں

ہم سمجھتے ہیں حضرت بیخود
چوٹ کھا آئے ہو کہیں نہ کہیں

مرض تم ہو دوا تم ہو اجل تم ہو شفا تم ہو
سمجھ میں کچھ نہیں آتا خدا جانے کہ کیا تم ہو

الجھ پڑنے ہی گیسو ہو بگڑنے ہی میں مقدر ہو
پلٹنے ہی زمانہ ہو بدلنے ہی میں ہوا تم ہو

انہوں کا اب نہیں پروا نہ حسرت ہے رسائی کی
یہ کیا کم ہے کہ لبوں ممنون آہ نارسا تم ہو

رہی تکرار لفظ بیوفا پر رات بھر کیا کیا
مگر [illegible] کہ ہے کبھی میں نے کہا تم ہو

تم اچھے ہو مگر دشمن مرے تم سے بھی اچھے ہیں
کہ تم پہ میں [illegible] اور ان پر مبتلا تم ہو

تماشا ہے تم نے رکھا اپنا بیخود و حضرت بیخود
یہ کیسی بیخودی ہے جس میں اپنے خود نما تم ہو

یہی صورت یہی سیرت یہی خو بو ہو جائے
پیار سے دیکھ لیں ہم جس کو وہی تو ہو جائے

نہ [illegible] ناخن تدبیر سے رنجش کی گرہ
[illegible] عقدہ کشا ہو جائے

حشر میں قول انہیں یاد دلایا تو کہا　　　اتنا ٹھہرو کہ طبیعت مری یکسو ہو جائے

دیکھیں اس بزم سے پھر کون اٹھاتا ہے ہمیں
ناتوانی جو ذرا قوتِ بازو ہو جائے

پیری میں سرگزشت نہ پوچھو شباب کی　　　اب یاد ہے بھلا مجھے روداد خواب کی
اللہ رے تڑپ دلِ پر اضطراب کی　　　تصویر کھینچدی نگہِ بے حجاب کی
ہو جائیں پردہ در نہ کہیں پردہ دار یار　　　رسوا کرے نہ آپ کو عادت حجاب کی
وعدہ ہے جس کا حشر کے دن وہ یہی تو ہے　　　واعظ خدا سے ڈر یہ ندامت شراب کی
دل اور اس نگاہ سے امید التفات　　　میں اور ان لبوں سے تمنا جواب کی

بے فکر ہے کہ جرم و گنہ بے شمار ہیں
بیخود کو فکر کچھ نہیں روزِ حساب کی

تحریر میں جب اسکی تقریر نظر آئی　　　شوخی کی شرارت کی تصویر نظر آئی
ابرو کا تصور تھا شمشیر نظر آئی　　　گیسو کا خیال آیا زنجیر نظر آئی
موت آگئی حسرت میں وصل بت بدخو کی　　　یہاں خواب سے پہلے ہی تعبیر نظر آئی
سنگِ درِ جاناں پر کی ناصیہ فرسائی　　　اتنی کہ مقدر کی تحریر نظر آئی
کچھ اور نہ بڑھ جائے میعادِ اسیری کی　　　کیوں مجھکو رہائی کی تدبیر نظر آئی
کچھ اپنا اثر بیخود اب صبر دکھائے گا　　　کچھ گریۂ پیہم کی تاثیر نظر آئی

شباب شیب

ہائے وہ صحنِ چمن وہ گلرخوں کے جمگھٹے　　　وہ جوانی جسکو کہتے ہیں دوانی ہوشیار
وہ گلوں کے قہقہے وہ بلبلوں کے چہچہے　　　شبنم و گل کا وہ عالم وہ گلوں کا سبزہ زار
روئے جاناں کا وہ جلوہ چاندنی کا وہ سماں　　　زلف خوش خم کا وہ خم وہ چشم میگوں کا خمار
شوخ چشمک رہزن صبر و شکیب و ہوش و تاب　　　نیچی چتون دشمنِ جان و دل و ضبط و قرار

وہ ادائے نازکی ناز آفرینی دم بدم
وہ نگاہِ شرم کا جھکنا حیا سے بار بار

وہ چھپانا روئے روشن کا ستانے کو مرے
وہ تسلی کے لئے مجھ سے ہی ہو جانا دوچار

وہ نگاہِ شوخ جس سے فتنۂ محشر خجل
وہ خرامِ ناز جس سے خود قیامت شرمسار

وہ لب جو وہ لب پیمانہ و لب ہائے دوست
وہ ہجومِ اشتیاق و حسرتِ بوس و کنار

وہ گلے شکوے وہ پیمانِ وفا وہ چھیڑ چھاڑ
وہ مرے ملنے سے ہنس ہنس کر جتانا ننگ و عار

وہ طرب افزا نوائے مطرب و آہنگِ نے
وہ نشاط انگیز دورِ ساغر و وصلِ نگار

وہ سہانی رات وہ خلوت کدہ وہ دو اکیلے
وہ ترنگیں وہ امنگیں وہ مرادیں بے شمار

وہ ہم آغوشی کی لذت وہ شکر خوابِ وصال
تازگی بخشِ مشامِ جاں وہ زلفِ مشکبار

وہ دمِ رخصت دلِ بیتاب کی بیتابیاں
جاتے جاتے وہ کسی کا شرم سے قول و قرار

اب کہاں وہ صحبتیں وہ لطف ہائے شباب
اب تو ہے چاروں طرف سے صبحِ پیری آشکار

اب کہاں وہ حسرتِ دیدار کا دل میں ہجوم
اب کہاں وہ رات دن جوشِ جنوں سر پر سوار

اب کہاں وہ اعتبارِ ضبطِ آہ و جذبِ دل
اب کہاں وہ اعتمادِ نالۂ بے اختیار

اب کہاں الفت کے وہ نیرنگ جنکے دم سے تھی
آہِ سوزاں برق افگن چشمِ گریاں دجلہ بار

اب تو ہے فصلِ بہاراں میری آنکھوں میں دھواں
اب تو گلہائے چمن میری نگاہوں میں ہیں خار

خواب ہے بھولا ہوا سا اب تو لطفِ زندگی
بے مزہ سا اب تو افسانہ ہے ذکرِ وصلِ یار

اب تو فرقت میں مزہ ہے جو نہ لذت وصل میں
اب تو وعدہ کی تمنا ہے نہ رنجِ انتظار

اب تو بس باقی ہے اتنا دل لگی کا مشغلہ
اب تو بس اک آسرا ہے اپنی زیست کا دار و مدار

جستجوئے وقتِ رفتہ اور چشمِ خونچکاں
ماتمِ عمرِ گذشتہ اور دستِ رعشہ دار

☆

حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ

حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ قدیم باشندے جاورے کے ہیں آباؤ اجداد
کا وطن قندھار ہے۔ ان کے والد ماجد کا نام امیر دین محمد خاں تھا۔ تحصیل علم کے بعد
یہ مع اپنے خاندان کے جودھپور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے اور طبابت شروع
کی پھر اجمیر چلے گئے اور وہاں شفا خانہ درگاہ معلی کے مہتمم ہو گئے۔
حکیم بہاء الدین خاں کا عہد حیات تمامتر جودھپور اور اجمیر میں گزرا۔ ان کے
صاحبزادے اور دوسرے عزیز بسلسلہ ملازمت مستقلاً جودھپور میں رہتے تھے
اسلئے یہ بھی اکثر جودھپور آتے رہتے اور مہینوں قیام رہتا۔ بیخود بدایونی کے زمانہ
پر بڑے اہتمام سے مشاعرے ہوتے تھے جنمیں حکیم صاحب برابر شریک
ہوا کرتے تھے۔
فن سخن میں حکیم صاحب کو فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی کا فخر
حاصل تھا۔ جودھپور کے مقامی شعرا میں ایک بڑی تعداد حکیم صاحب کے شاگردوں
کی تھی جن میں مولوی مظفر علی اثرؔ، پیرزادہ ہدایت شاہ ہدایتؔ رامپوری اور
حکیم قاسم علی قاسمؔ قابل ذکر ہیں۔
تقریباً ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ نے بعمر

لہ - خمخانۂ جاوید جلد اول

۵۶ - ۵۷ سال اجمیر میں وفات پائی -

ان کا کوئی مطبوعہ دیوان نہیں ہے ۔ اس عہد کے جرائد مثلاً "نغمۂ یار" جو چھپو سحاب سخن جو دھپور وغیرہ سے جو کلام دستیاب ہوا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔ کلام صاف اور شستہ ہے ۔ سادگی بیان و سلاست زبان میں حتی المقدور اپنے استاد کے پیرو ہیں -

غزلیات

کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ رہے
مزہ تو جب ہے پلٹتی تری نگاہ رہے

وہ آئنہ دل میں تو آئے خیال بن بن کر
رہے وہ آنکھ میں تو صورت نگاہ رہے

کسی نے پھر کبھی نہ پوچھا کہ کون ہو کیا ہو
پکارتے سرِ محشر ہی دادخواہ رہے

وہ بدگمان، مجھے وہم سخت مشکل ہے
کہ بات بات پہ دونوں میں اشتباہ رہے

وہ آنکھ کیا ہے کہ جو طالب نظارہ نہو
وہ دل ہی کیا ہے نہ جسمیں کسی کی چاہ رہے

مزہ تو یہ ہے کہ محشر میں واعظِ ناداں
ترے ثواب سے بڑھکر مرا گناہ رہے

یہ اسکی شانِ کریمی کے حوصلے ہیں بہا
گناہ گار بھی کہتے ہیں بے گناہ رہے

لڑ گئی آنکھ تیغ قاتل سے
دھو لئے ہاتھ جان سے دل سے

شکوے سے شکوے ہیں مجھے دل سے
اس نے مارا ہے مل کے قاتل سے

ہاتھ سینے پہ کیوں دھرا تم نے
تم بھی مجبور کیا ہوئے دل سے

یہ بھی ارمان تھا ترا گویا!
دم بھی نکلا تو وہ بھی مشکل سے

دل سے میرے نہ کیجئے الفت
ورنہ پھر کوسیے گا کس دل سے

جو گزرتی ہے درد فرقت میں
اس کو پوچھے کوئی مرے دل سے

ان کو میری خبر ذرا بھی نہیں
کہتے ہیں دل کو راہ ہے دل سے

آپ ہی کی ہے اسمیں رسوائی　　　مجھکو اٹھوائیے نہ محفل سے

تھوڑی سی عمر میں بہاؔ افسوس
ہو گئے آپ کیسے کاہل سے

آہ ہو نالہ ہو شیون ہو فغاں ہو کوئی ہو　　　یادگارِ عشق ہو ایسا نشاں ہو کوئی ہو
ناز ہو غمزہ ہو شوخی ہو ادا ہو عشق ہو　　　برچھیاں دل میں چبھیں ایسی سناں ہو کوئی ہو
کیا غرض ان کی بلا سے کیوں کریں ترکِ جفا　　　ان کو کیا ان کی بلا سے نیم جاں ہو کوئی ہو
باغ ہو صحرا ہو کوہ و دشت ہو ویرانہ ہو　　　وحشتِ دل کیلئے یارب مکاں ہو کوئی ہو
تیرے جلوے سے ہے مطلب ہمکو اس سے کیا غرض　　　میکدہ ہو کعبہ ہو کوئے بتاں ہو کوئی ہو
یہ ہماری چشمِ گریاں کے کرشمے ہیں تمام　　　ابر ہو سیلاب ہو آبِ رواں ہو کوئی ہو
قصۂ فرہاد و وامق یا فسانہ قیس کا　　　جس سے جی بہلے غرض وہ داستاں ہو کوئی ہو
بت ہو یا تصویر ہو کیا واسطہ ہم کیوں کہیں　　　ہاں مگر یہ تو کہیں گے بے زباں ہو کوئی ہو

اے بہاؔ رہئے وہاں جا کر جہاں راحت ملے
منحصر کون و مکاں پر کیا مکاں ہو کوئی ہو

تمہیں کیا تم برا کیوں مانتے ہو　　　شکایت ہے مجھے گر آسماں سے

بہاؔ کہتے رہے وہ کیوں ہو مضطر
نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

تضمین بر غزل پیر ہدایت شاہ ہدایتؔ

گاہ تجھکو ہم مکینِ لامکاں دیکھا کئے　　　گاہ تجھکو ہم انیسِ فرشیاں دیکھا کئے
ہر عیاں میں الغرض تجھکو نہاں دیکھا کئے　　　ذرہ ذرہ میں ترا جلوہ عیاں دیکھا کئے
اک تماشا ہم سرِ بزمِ جہاں دیکھا کئے
نیستی سے جب کہ ہستی نے کیا اپنا وجود　　　ہو گئی اک دم میں پھر تو سارے عالم کی نمود

بس گئی نظروں میں آکر قدرتِ ربِ ودود ‏ ‏ دیکھنے والوں نے دیکھی سیرِ گلزارِ شہود
ہم تری صنعت کے گل اے باغباں دیکھا کیے

کیا کہیں آسودگانِ خاک سے بے حال ہم ‏ ‏ ہم نے دیکھے ہیں ہزاروں ہی تماشے کم سے کم
نغمۂ عشرت کہیں دیکھا کہیں سازِ غنم ‏ ‏ صورتِ شادی کبھی دیکھی کبھی شکلِ الم
کیسے کیسے انقلابِ آسماں دیکھا کیے

میکدے کی دیکھ کر بربادیوں کو صبح دم ‏ ‏ کیا کہیں کیا کیا ہوا دل پر ہمارے رنج و غم
کچھ نہ بن آئی مگر رویا کیے با چشمِ نم ‏ ‏ محتسب نے شیشۂ مے توڑ ڈالے اور خم
چپکے بیٹھے صورتِ پیرِ مغاں دیکھا کیے

ہم حقیقت کی بہا اصل حقیقت کیا کہیں ‏ ‏ سر اٹھانے ہی نہیں دیتی شریعت کیا کہیں
اور پھر اسکے سوا کہیے تو حضرت کیا کہیں ‏ ‏ یار پہلو میں نہاں تھا لے ہدایت کیا کہیں
ہم کہاں ڈھونڈا کیے اسکو کہاں دیکھا کیے

نواب عبداللہ خاں مطلب

عبداللہ خاں نام تھا اور مطلب تخلص، نواب کا خطاب ریاست جودھپور کا عطا کیا ہوا ہے۔ افغانی النسل پٹھان تھے۔ ان کے والد نواب حاجی محمد خاں مہاراجہ تخت سنگھ کے عہدِ حکمرانی میں ریاست جودھپور کے مدار المہام اور دیوان تھے جو ۱۸۶۷ء میں پشکر کے مقام پر مارے گئے[1]۔ ان کے قتل کے بعد

---

[1] کارنامۂ راجپوتاں، مصنفہ مولوی حکیم نجم الغنی خاں رامپوری۔

مردان علی خاں رعنا دیوان بنائے گئے۔

حاجی محمد خاں کے دور دیوانی میں عبداللہ خاں مطلب کی ولادت ہوئی باپ کے مارے جانے کے وقت یہ بہت کمسن تھے اور غالباً عہد صغیر سنی ہی میں اپنی والدہ اور دیگر اعزا کے ساتھ اجمیر چلے گئے۔ وہیں ہوش سنبھالا اور تعلیم و تربیت پائی۔ جودھپور میں اکثر آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ جہاں ان کی بہت بڑی جائداد تھی۔ مہاراجہ کے دربار میں ان کی بڑی عزت و توقیر تھی۔

نواب صاحب بچپن ہی سے شعر و سخن کے دلدادہ تھے اور فصیح الملک داغ دہلوی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ حکیم بہاء الدین خاں بہا اور عبدالحی بیخود بدایونی ان کے ہمعصر تھے جن سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ جودھپور میں بیخود بدایونی کی قیام گاہ پر ادبی مجلسیں گرم رہتی تھیں۔ نواب صاحب ان میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

نواب صاحب عنفوانِ شباب ہی میں رہگزائے عالمِ بقا ہوئے۔ رحلت کے وقت ان کی عمر ۳۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ مگر اس مختصر عہدِ حیات ہی میں شاعری میں ایک اچھا مقام پیدا کر لیا تھا۔ اور درجہ استادی حاصل تھا۔ جودھپور میں ان کے شاگردوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ بچپن میں میری نظر سے "نغمۂ یار" اور "سحابِ سخن" کے پرچے گزرے تھے۔ ان میں بہت شعرا کے نام کے آگے شاگرد مطلب لکھا ہوا تھا۔ افسوس ہے کہ ان میں سے اکثر پرچے دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ صرف عبدالحکیم ناداںؔ کا پتہ چلا ہے جو ان سے اصلاح لیتے تھے۔

بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ ایک دفعہ اجمیر میں مشاعرہ تھا۔ استاد داغ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مطلب نے اپنی غزل استاد کی خدمت میں پیش کی جس کا مطلع تھا ؎

زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے — تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے

استاد نے غزل بہت پسند کی مطلع پر سات صاد کئے اور سہل ممتنع کی بہترین مثال قرار دیا۔ مشاعرہ کے دوسرے دن بچے بچے کی زبان پر اس غزل کے اشعار تھے تجوّد بدایونی بھی اس مشاعرے میں شریک تھے۔ ان کا مطلع ہے سہ

پریشان دل مبتلا ہو رہا ہے / کہیں آج کیا جانے کیا ہو رہا ہے

مطلب کا کوئی مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ چند اشعار اور ایک مخمس جو دیوان ہدایت سے دستیاب ہوا ہے پیشِ قارئین ہیں۔

زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے / تجھے بھی خبر ہے یہ کیا ہو رہا ہے
یہ اچھی حیا ہے یہ اچھا ہے پردہ / کہ چرچا ترا جا بجا ہو رہا ہے
ذرا کھول کر آنکھ دیکھو تو مطلب
خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے

چار دن میں اور رنگِ گفتگو ہو جائے گا / آپ سے تم ہو گیا ہے تم سے تو ہو جائے گا
مختصر قصہ ہے گھبراتے ہو تم کیوں اسقدر / چار حرفوں میں بیانِ آرزو ہو جائے گا
داورِ محشر طلب کرتا ہے اے مطلب چلو
فیصلہ ان کا تمہارا دوبدو ہو جائے گا

کشتۂ یاس ہوئے سینکڑوں ارماں دلمیں / ہم لئے بیٹھے ہیں اک گنجِ شہیداں دلمیں

تضمین بر غزل پیر ہدایت شاہ ہدایت

ہائے تڑپائیگا کبتک ستم آرا مجھکو / نظر آتا نہیں تسکیں کا سہارا مجھکو
ہاں نہیں اب تو نہیں صبر کا یارا مجھکو / تیری فرقت نہیں اک لحظہ گوارا مجھکو
اپنا دیدار دکھا جلد خدارا مجھکو

ٹھہرئیے آپ ذرا جان تو ہولے رخصت / ابھی کیا جلدی ہے لو ابھی کیا ہے عجلت
ابھی باقی ہے ابھی باقی ہے دل کی حسرت / دل نے پائی تہِ تیغ کچھ ایسی لذت

کہ ہوئی آرزوئے قتل دوبارا مجھکو

کیا کہوں اس سے کہ ہیں خواہشیں کیا کیا دلکی — وہ جو سنتا تو کبھی اسکو سناتا دلکی
دیکھنا حشر میں فریاد کروں گا دل کی — حیف صد حیف بر آئی نہ تمنا دل کی
نام لیکر نہ کبھی اس نے پکارا مجھکو

یہ حقیقت ہے کہ ہو جاتا ہوں رو کر بیہوش — اب یہ صورت ہے کہ ہو جاتا ہوں رو کر بیہوش
بلکہ عادت ہے کہ ہو جاتا ہوں رو کر بیہوش — اب یہ حالت ہے کہ ہو جاتا ہوں رو کر بیہوش
کہہ کے دیوانہ کسی نے جو پکارا مجھکو

لاکھ تیزی ہو اگر لاکھ حرارت کیا ہو — داغ دل داغِ جگر سے مری نسبت کیا ہو
مجھکو مطلب کی طرح فکرِ قیامت کیا ہو — خوف خورشید قیامت سے ہدایت کیا ہو
بس ہے اک دامنِ احمد کا سہارا مجھکو

مرزا محمد تقی بیگ مائل سانبھری

محمد تقی بیگ نام مائل تخلص۔ نسباً مغل مذہباً سنی حنفی۔ مشرباً چشتی الجمالی سانبھر (جہاں تقسیم برصغیر سے قبل ریاست جودھپور اور جے پور کی مشترکہ عملداری تھی) کی مایہ ناز شخصیت اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ولادت سنہ ۱۸۵۰ء اور ایک دوسری روایت کے مطابق سنہ ۱۸۵۲ء میں مٹیا محل دہلی میں ہوئی۔

ان کا ذکر مولانا شاغل نے "تذکرۂ شعرائے جے پور" میں بالتفصیل کیا ہے اس سے اخذ کرکے ان کے حالات ہدیۂ قارئین کرتا ہوں۔

مرزا مائل کے مورثِ اعلیٰ شہنشاہ ہمایوں کے دوسرے دورِ سلطنت میں ایران سے ہندوستان آئے اور فوجی عہدوں پر مامور رہے اور شاہجہاں کے عہدِ سلطنت میں آگرے سے دہلی آکر آباد ہو گئے۔ ان کے والد مرزا مغل بیگ آخری تاجدار دہلی کے درباریوں میں تھے ننہیالی رشتہ سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں سے ملتا ہے۔ دہلی میں ان کے بزرگ کا مسکن مٹیا محل تھا۔ اور یہ بھی جب تک دلی میں رہے وہیں رہے۔ غدر کے بعد ان کے خاندان کو مصائب و افلاس کا شکار ہونا پڑا جس کا اثر ان کی تعلیم پر بھی پڑا اور فارغ التحصیل نہ ہو سکے اسی دوران میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ اور تعلیم ادھوری رہی مگر اس کی کمی کو اہلِ علم کی صحبت سے پورا کرنے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی۔ زمانۂ طالبِ علمی ہی میں چودہ سال کی عمر میں ذوق سخن پیدا ہوا۔ اولاً سید امراؤ مرزا انور دہلوی سے تلمذ اختیار کیا۔ بعد از اں جے پور آنے کے بعد مولینا تسلیم نارنولی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

آتا نہ مجھے فنِ سخن کچھ کبھی مائل
گر انور و تسلیم سے استاد نہ ہوتے

مرزا ۱۸۷۹ء وارد جے پور ہوئے اور ۱۸۸۲ء میں ایک ملازمت بحیثیت اہلکار ریاست جے پور میں مل گئی جس سے ریٹائر ہونے تک منسلک رہے اسی سلسلہ تیرہ سال قصبہ سانبھر میں رہ کر فرائض منصبی انجام دیئے۔ ۱۹۲۵ء میں ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر کے پنشن لے لی اور مستقلاً سانبھر کی سکونت اختیار کر لی مگر جے پور آنا جانا رہتا تھا۔ اکثر پنشن کی رقم وصول کرنے جے پور جانا پڑتا تھا ۱۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو سانبھر سے جے پور گئے تو پھر واپس لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء مطابق ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ یوم جمعہ کو بمقام جے پور داعی اجل کو لبیک کہا اور

عالم جاودانی کو کوچ فرمایا۔

مرزا مائل بڑے خلیق، ملنسار اور متواضع انسان تھے۔ مہمان نوازی خاص شیوہ تھا دوران قیام سانبھر میں رات کا کھانا تیار ہو جانے کے باوجود تو ساڑھے نو بجے شب سے پہلے نہ کھاتے۔ عرض کیا جاتا تو جواب دیتے "بھئی ذرا توقف کرو۔ شاید اس ریل سے کوئی مہمان آجائے تو ساتھ ہی کھالیں گے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تہجد گزار تھے اکثر نماز تہجد کے بعد فکر سخن کرتے اور غزل لکھنے بیٹھ جاتے۔ نعت کہتے وقت اکثر باوضو ہوتے تھے۔

شعر و سخن کا مادہ ان کی فطرت میں تھا۔ اور یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہے کہ مرزا صاحب حقیقی شاعر تھے۔ یوں تو تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر غزل ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کے دوسرے اصناف سخن میں بھی رنگ تغزل جھلکتا ہے۔ خمریات میں بڑے اچھے شعر نکالے ہیں مگر ریاض خیرآبادی کی طرح منہیات شرعی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ خود کہتے ہیں

مائل شراب خوار نہیں ہوں خدا گواہ
کیفیتوں سے مست ہوں اپنے کلام کی

مولانا شاغل رقمطراز ہیں کہ ان کے اشعار میں ایک ہزار چار سو سولہ اشعار خمریات کے ہیں۔ ان کے اشعار کی مجموعی تعداد سترہ ہزار سات سو چورانوے بتلائی جاتی ہے۔ جن سے ان کی حیرت انگیز پرگوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کے دیوان ہنوز ترتیب کے آخری مراحل طے کرکے طباعت کی منزل میں داخل نہ ہو سکا ہے اور حالات بتاتے ہیں کہ طباعت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کی توقع بھی کم ہے۔

دیوان مائل کے قلمی نسخے حسب ذیل حضرات کے پاس ہیں۔

(۱) منشی چند بہاری لال صباؔ جے پوری (۲) سید انور علی شادؔ سانبھری (۳) ورثائے صاحبزادہ عبدالقیوم خاں ضابطؔ ٹونک میں (۴) شیخ ذوالفقار علی وفاؔ کا کوڑی جے پور میں۔

مرزا مائلؔ سے بہت سے شعرائے نے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے چند تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

مرزا اختر یار جنگ اخترؔ۔ مولوی اساس الدین احمد تسنیمؔ۔ صاحبزادہ عبدالقیوم خاں ضابطؔ ٹونکی۔ مولوی سید ضیاء الدین ضیاؔ۔ قاضی احمد حسین فرحتؔ منشی چند بہاری لال صباؔ جے پوری۔ مولوی احترام الدین شاغلؔ۔ مولوی محمد اسمٰعیل خاں رزمیؔ جے پوری۔ مرزا محمود بیگ محمودؔ سانبھری۔ شیخ ذوالفقار علی وفاؔ۔ سید خورشید علی مہرؔ۔ مولوی منظور احمد کوثرؔ جے پوری۔ محمد عبدالوہاب خاں عاؔلم۔ مولوی مجاہد الدین احمد تبسمؔ۔ محمد شفیع محشرؔ۔ ممتاز حسین متینؔ۔

مولانا شاغلؔ نے مرزا صاحب کا ایک واقعہ علامہ شبلی نعمانی سے ملاقات کا لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مرزا صاحب کی دہلی میں نواب سائلؔ کے مکان پر علامہ شبلی سے ملاقات ہوئی۔ نواب نے تعارف کرایا تو مولانا شبلی نے کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ اس پر مرزا نے ایک غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

خیال آیا تھا مجھ کو جب بنائے کعبہ پڑتی تھی
کہ یہ دھوکے میں ڈالے گا بہت گبرو مسلماں کو

علامہ شبلی اشعار کی داد دیتے رہے اور غزل ختم ہونے پر کہا کہ آپ کا یہ شعر میں نے کسی رسالہ میں بطور عنوان پڑھا تھا۔ الحمدللہ کہ آج شاعر سے بھی ملاقات ہوگئی۔ مرزا نے کہا کہ اس شعر کی بنا پر تو کفر کا فتویٰ مجھ پر لگ چکا ہے۔ مولانا نے کہا "ہا نحن ملاؤ ہم اور آپ برابر ہوئے"۔

نمونہ کلام مائل سے

یہ نرگس میں ہے رنگ مستانہ کس کا
زباں پر ہے سوسن کے افسانہ کس کا

جو اس رنگ و بو پر بھی ہے چاک داماں
خدا جانے یہ گل ہے دیوانہ کس کا

خبر شمع کو بھی نہیں ہے کہ بیخود
بنایا ہوا ہے یہ پروانہ کس کا

میرے دل کو توڑو پر اتنا سمجھ لو
کہ برباد ہوگا یہ کاشانہ کس کا

دوئی دل سے نکلے تو ہو جائے ظاہر
کہ کعبہ ہے کس کا صنم خانہ کس کا

طوائف و حرم میں جو پڑھتے تھے مائل
خدا جانے تھا شعر رندانہ کس کا

ہم چھیڑتے ہیں رسم قدیمانہ سمجھکر
وہ بات بھی کرتے نہیں دیوانہ سمجھکر

محروم ہی تقدیر کو روتا ہوں حرم میں
آیا تھا بڑی دور سے میخانہ سمجھکر

کوثر پہ نظر آئے جو میخانہ نشیں لوگ
واعظ نہ گیا مجمع رندانہ سمجھکر

واعظ نہ بڑھا شوکت دروازہ مسجد
میخوار چلے آئیں نہ میخانہ سمجھکر

گھبرا لیا ہے آمد فصل بہار نے
مشکل ہوئے ہیں طاق سے سینے اتارنے

یہ کہکے چھیڑتے ہیں جوانان میکدہ
مائل تمہیں سلام کہا ہے بہار نے

غبار آلودہ جبتک گیسوئے تقدیر دیکھیں گے
تجھے لوٹا ہوا اے ناخن تدبیر دیکھیں گے

جو مر جائیں سلام شوق فصل گل سے کہدینا
اگر زندہ رہے تو پھر تجھے زنجیر دیکھیں گے

کہئے کیا ہو تن انساں میں جگر ہوتا ہے
یوں کہو اک ہدف تیر نظر ہوتا ہے

ہم تو اس فکر میں رہتے ہیں کہاں کا انصاف
دیکھئے داور محشر بھی کدھر ہوتا ہے

نہیں ہوتی تو دعا میں نہیں ہوتی تاثیر
اور جو ہوتا ہے تو باتوں میں اثر ہوتا ہے

ڈوبا ہوا اٹھوں دمِ محشر شراب میں — دیدیں کفن جو یار ڈبو کر شراب میں

وہ رند بادہ کش ہوں کہ مائل پسِ فنا
آئے گی میری روح بھی کھنچکر شراب میں

ایسی کیا تھیں عتاب کی باتیں — میں تو کہتا تھا خواب کی باتیں
سر مرا اور نشان ہائے عدو — دیکھنا اضطراب کی باتیں

ایک حضرت ہی آپ بھی مائل
سُن چکا ہوں جناب کی باتیں

ذرا سا بھی عتاب حضرتِ پیرِ مغاں پھر ہو — ٹھکانا نہ میری توبہ کا خدا جانے کہاں پھر ہو
یہ دیوانوں سے سُن سنکر بہار آئی بہار آئی — جنوں سے کہتے جاتا ہوں کہ میرا یہاں پھر ہو

پشیماں ہو رہا ہوں یوں کہ سر لاؤں کہاں سے میں
کہ کہنے کو تو کہہ بیٹھا کہ میرا امتحاں پھر ہو

زندگی آپ ہی اپنی مجھے منظور نہیں — ورنہ راہِ درِ جاناں تو کچھ دور نہیں

عظمتِ کعبہ مسلّم ہے مگر بت کدے میں
اک آرام یہ کیسا ہے کہ کچھ دور نہیں

مائل ہمیں تو رات کہیں رہ کے کاٹنی — مسجد میں پڑ رہیں گے جو مینخانہ بند ہے
شہر میں ہیں سینکڑوں ہی میکدے — کیا پتہ ہے مائل میخوار کا !
قبول کیا ہو کہ مسجد میں دل نہیں لگتا — شراب خانہ میں وقت دعا نہیں ملتا
خدا کے ملنے کا رستہ ہے اور ہی مائل — حرم کے چلنے سے مردِ خدا نہیں ملتا
خدا کے سامنے سجدے میں سر جھکا تو لیا — بتوں کے سامنے اتنا بھی اختیار نہ تھا
دیکھنا شوقِ شہادت میرا — مجھ سے خنجر نہیں دیکھا جاتا
طور پر دیکھنے جاتے ہیں کلیم — دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا

نہ ہوں گے حشر میں ہم سے جو رو سیہ دو ایک　　ظہورِ رحمتِ پروردگار کیا ہوگا

ہزار رنگ بدلتا ہے عشق دم بھر میں
خدا ہی جانے کہ انجامِ کار کیا ہوگا

کبھی توبہ کر لی کبھی توڑ ڈالی !　　کٹی عمر ساری اسی دل لگی میں

قاضی عبدالغفار برقیؔ

عبدالغفار نام برقیؔ تخلص. قاضیانِ ڈیڈوانہ کے مشہور خاندان سے تھے اور علامہ محمد اکرم فیضؔ کے پرپوتے تھے. فیضؔ سے سلسلۂ نسب اس طرح ملتا ہے عبدالغفار بن عنایت اللہ بن خیر اللہ بن محمد اکرم فیضؔ۔

برقیؔ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے ۱۸ سال کی عمر میں اردو فارسی اور عربی علوم کی تحصیل کے بعد کچامن تھکانے میں ملازم ہو گئے اور بعد ازاں ریاست جودھپور کے محکمہ کورٹ سرداران میں سررشتہ دار کے منصب پر فائز ہوئے اور زندگی بھر اسی عہدے سے منسلک رہے. ۵ر مارچ ۱۹۱۲ء کو بعمر ۵۲ سال ڈیڈوانہ میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ۔

ان کا کلام "نغمۂ یار" اور "سحابِ سخن" میں چھپتا تھا. اس کے علاوہ ان کا کوئی دیوان مرتب اور دستیاب نہیں ہے ۔

ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی شاعری نہیں ہے. بلکہ فیضؔ کی گرانقدر

تصنیفات کو چھپوا کر ان کو گوشۂ گمنامی سے نکالکر اہل علم طبقہ سے روشناس کروانا ہے۔ اور بلاشبہ یہ ان کا عظیم بالشان کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔

برقیؔ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے چھوڑے عبدالمجید اور عبدالحمید تاباںؔ موخرالذکر ایک بلند پایہ نعت گو شاعر گذرے ہیں۔

نمونۂ کلام یہ ہے ؎

کیا حال پوچھتے ہو دل بیقرار سے ۔ وہ درد و غم اٹھائے کہ پایا ہر شمار سے
وعدہ ترا نہ ایک بھی ایفا ہوا کبھی ۔ کب تک بنے گی یوں بھلا صبر و قرار سے
تیری ادا نے دل مرا جب سے کر لیا ۔ رکھتے ہیں کام آہ و فغاں نالہ زار سے
پہلو میں گل نہیں ہے جو بلبل کے آ جگر ۔ صحنِ چمن ہے کنج قفس نالہ زار سے
لا دے پیام وصل ہمیں گلعذار کا
للہ کوئی کہہ دے یہ باد بہار سے

غمزہ کبھی انداز کبھی ناز دکھا کر ۔ دل چھین لیا آپ نے اس بانکی ادا سے
کر قتل نہ دکھلا تو مجھے پنجۂ رنگیں ۔ خوں میرا کہیں شوخ ہے اس رنگِ حنا سے
ہوتا نہیں قاصد کا گذر کوچہ میں انکے ۔ اب کام یہ ہم لیں گے ابھی بادِ صبا سے
مرقد پہ مرے آکے لگے ٹھوکریں دینے ۔ مرنے سے بھی باز آئے نہ تم جور و جفا سے
برقیؔ کو بھی دی چرخ جفا کیش نے گردش
ملنے نہ کبھی پایا یہ اب ماہ لقا سے

اثر اکر گل نے رنگ گلرخاں یہ بات حاصل کی
کہ اس کی ہر کلی راحت فزا ہے روح اور دل کی

☆

عبداللطیف خاں فرخ

عبداللطیف خاں نام، فرخ تخلص، افغان بنگش تھے۔ آباد اجداد کی زاد بوم
فرخ آباد ہے۔ ان کے پر دادا عبدالجبار خاں چند خاندانی مناقشات کی بنا پر وطن
کو خیرباد کہکر اب سے تقریباً ایک صدی قبل وارد ماروالڑ ہوئے تھے اور یہیں کی مستقل
سکونت اختیار کرلی تھی۔

فرخ جودھپور ہی میں پیدا ہوئے اور علوم مروجہ شرقیہ میں مہارت کلی بہم
پہونچاکر وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ یہ جودھپور کے ممتاز وکلا اور عمائدین شہر
میں تصور کیے جاتے تھے۔ متعدد مقامی اسلامی و قومی انجمنوں کے رکن بھی رہے
اور مسلمانان مارواڑ کی فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش حصہ لیتے تھے۔

شاعری کا شوق پیدا ہوا تو اولاً اردو میں مشق سخن کی مگر بعد ازاں رجحان
طبعی اور اساتذۂ فارسی کی تصانیف کے مطالعہ نے فارسی کی طرف مائل کردیا یہ
نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ کس کے شاگرد تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ الشعراء تلامذ
الرحمٰن کے مصداق استادی و شاگردی کی قیود سے بے نیاز تھے۔ صوفی مشرب
بزرگ تھے۔ کلام میں تصوف کی چاشنی موجود ہے تخیل، اور بندش الفاظ کے لحاظ سے
معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے قدیم روایاتی طرز کے پیرو ہیں۔ کلام میں کہیں کہیں متروکات
اور بے محل ترکیب اضافت بھی پائے جاتے ہیں۔ تاہم کلام جذبات دلی کا آئینہ دار
ہے اور عشق حقیقی کی تصویر۔

۱۹؍محرم ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴؍مئی ۱۹۳۳ء کو ۶۲ - ۶۳ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آخر عمر میں مثنوی مولانا روم کی شرح لکھنی شروع کی تھی مگر عمر نے وفا نہ کی اور یہ کارنامہ ناتمام رہ گیا۔

ان کی تصنیفات میں صرف ایک قلمی دیوان فارسی ہے۔ جو ان کے صاحبزادے مجی محمد لطیف خاں (مقیم کراچی) کے پاس ہے۔ دیوان میں تمام تر غزلیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اصناف سخن میں سے انہوں نے صرف غزل گوئی کا میدان اختیار کیا تھا۔ اردو میں بھی طبع آزمائی کی ہے مگر اردو کا کلام باوجود تلاش و کوشش کے نہیں مل سکا۔

نمونۂ کلام درج ذیل ہے :-

اے کردگار دو جہاں سازندۂ عرش علا ۔۔۔ اے مالک لوح و قلم اے صاحب روز جزا
مملوک را مالک توئی مخلوق را خالق توئی ۔۔۔ بے مثل و بے ہمتا توئی بے شبہ بے چون و چرا
ہر جا کہ بینم کوئے تو ہر سو کہ دیدم روئے تو ۔۔۔ ہر غنچہ پر از بوئے تو آئینہ از تو پر ضیا
اول توئی آخر توئی ہم ظاہر و باطن توئی
فرخ چہ گوید حمد تو پروردگار کبریا

از رہ لطف بیائی چو سوئے خانۂ ما ۔۔۔ بر سر عرش رود کوکب کاشانۂ ما
ملک الموت چو گفتا کہ مرا جان بہ سپر ۔۔۔ روح گفتا کہ شود عشق تو ہم جلوہ فانۂ ما
نرخ صد دانۂ تسبیح کم از قطرۂ مے ۔۔۔ برتر از کون و مکاں قیمت پیمانۂ ما
آنچہ آویختہ در خم گیسوئے سیاہ ۔۔۔ دل ما بود مگر گردۂ بیگانۂ ما
قصۂ قیس ہمہ ترک کنی جان جہاں ۔۔۔ ساعتے چند اگر بشنوی افسانۂ ما
جاں زتن رفت مگر خنجر ابروئے حبیب ۔۔۔ جا گزیں است چو حسرت بدل فانۂ ما
برد سیلاب فنا ظلمت دل اے فرخ ۔۔۔ جز لقا ہیچ ندارد دل دیوانۂ ما

من آن مشاطهٔ مستانه باشم — که چون کاکل شوی من شانه باشم
ز قید عبدیت بیگانه باشم — ز جام بیخودی دیوانه باشم
چو گل باشم اگر در صحن بستان — ترا من بلبل مستانه باشم

ز قید آب و گل آزاد گردم
چو از بیگانگی بیگانه باشم

بیا بیا که به سینه هنوز جان باقیست — سوار رخت ازین ره مگر نشان باقیست
مرا بسوخت سراپا به عشق خویش ولے — هنوز درد دل آن یار امتحان باقیست

هزار بار بشستم ز سینهٔ فرخ!
مگر هنوز بدل صورت بتان باقیست

جان بلب آمدم و ذوق تپیدن باقیست — جرعهٔ ابروے شمشیر چشیدن باقیست
آسمان باش! مرا ناله کشیدن باقیست — همچو بسمل بسر خاک تپیدن باقیست
بلبل باغ ازل را به تماشاے گلاب — غنچه سان وقت سحر جامه دریدن باقیست
در گه پیر مغان در گه نومیدی نیست — بارک الله گل امید شگفتن باقیست

صداے قلقل میناے ما و من همه اوست — سبو و ساغر و صهبا و انجمن همه اوست
ز چشم نرگس شهلا اشاره شد که ببین — گلاب و لاله و نسرین و نسترن همه اوست
نه خوے جنگ و جدل دارم و نه قیل و قال — براه عشق مرا شیخ و برهمن همه اوست

بچشم غور ببین خویش را که اسراری
شنیده ایم ز مطرب که جان و تن همه اوست

چو آئی سوے گلشن بنده پرور — فتد زیر قدم شاخ صنوبر
بوقت ذبح تکبیرے نه خواندی — عجب سنگین دلی الله اکبر
عجب این چشمهٔ سیب زنخدان — که پر از سلسبیل و آب کوثر

بگوشم آمد از میخانہ بانگے
کہ ایں جا سلسبیل و حوض کوثر

دوش دیدم بچشم مغبچہ بادہ فروش — گفت تسبیح فگن زود بیا جام بنوش
بندۂ عاجز مسکیں توام بندہ نواز — مر تو دانی منم از روز ازل حلقہ بگوش
ایں چنیں طور بگردیم دریں کوچہ عشق — آتش عشق بدل بار محبت بردوش
فرخ از جام مے ناب چہ پرہیز کنی
قاضی و مفتی و ملا ہمہ در نوشا نوش

صد ہزاراں مرغ جاں در قید خانہ کردۂ — اے چرا گیسوئے پیچاں را تو شانہ کردۂ
باغباں در گوش بلبل ہمچناں کردہ کلام — خوب کردی شاخ گل را آشیانہ کردۂ
آفریں بر دست و بازو مرحبا بر نیجات
بے بستاں مرغ چمن تو نشانہ کردۂ

آں زندہ کرد مردہ و ایں عمر خضر داد — عیسیٰ چہ کرد ایں لب معجز نما چہ کرد
موسیٰ چہ گفت و از لب قدرت چہا شنید — فاروق را بپرس کہ دست دعا چہ کرد
دل پارہ پارہ گشت بیک جنبش نگاہ
جانم فدا کہ خنجر ناز و ادا چہ کرد

اے ترک جفا پیشہ تیرے اے جانم — از تیرگی قسمت چوں زلف پریشانم
گو بظاہر بندۂ کہتر بدم — نوریاں کردند لیکن سجدہ ہا
ما در عجیب وادیٔ ایمن رسیدہ ایم — صد برق می فتد بدل بیقرار ما
بلبل کجا و عاشق روئے شما کجا — بستاں کجا کجا است دل داغ دار ما
بنوش بادہ کہ فصل بہار می آید — ببیں کہ بلبل بستاں سرا غزل خواں است
بہ میدان لقا چو پا نہادم — ہمہ ذرات دامن جلوہ دارم

سینۂ ما حسانہ ز تنور شد　　صد ہزاراں در جگر ناسور شد

بر درت حاضر شود سلطان روم　　ہر غلامت قیصر و فغفور شد

از تجلائے جمالت سینہ ام　　دشت ایمن شد کہ کوہ طور شد

از نگاہ بادہ آگیں ساقیا

قاضی و مفتی ہمہ مخمور شد

زکے آموختی اے غنچہ داماں　　بطرز دیگرے جامہ دریدن

چہ تصویرے کشد بہزاد و مانی　　بسا مشکل ترا صورت کشیدن

ابو محمد عبد الغنی ثاقب

عبد الغنی نام، ابو محمد کنیت، ثاقب تخلص۔ الحاج مولانا عبد الرحمن انصاری کے صاحبزادے تھے۔ سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق سنہ ۱۸۶۱ء میں قصبہ پالی مارواڑ میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور سنہ ۱۳۱۷ھ میں جودھپور میں وکالت شروع کی اور سنہ ۱۳۳۶ھ میں وکالت کو خیرباد کہکر پہلے سمیر اسکول میں اور پھر سر پرتاپ ہائی اسکول جودھپور میں مدرس اردو و فارسی مقرر ہوئے اور آخر عمر تک درس و تدریس کا مشغلہ رہا۔ مولف کتاب ہذا نے بھی فارسی میں مولنا ثاقب سے استفادہ کیا ہے۔ سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۲۸ء تک جب میں متذکرہ بالا اسکول میں زیر تعلیم تھا مولنا ثاقب اردو و فارسی کا درس دیتے تھے۔

۶ر دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء مطابق ۲۵ر شعبان سنہ ۱۳۵۶ھ کو اپنی عمر کے ۷۳ سال

پورے کر کنے کے بعد مولٰنا نے اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ کر عالم آخرت کی طرف کوچ فرمایا ۔

فن سخن میں ثاقب نے اولاً اپنے بڑے بھائی مولوی فتح محمد زائر سے استفادہ کیا بعدازاں طبیعت خود مصلح رہی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے صاحب دیوان ہیں۔ دونوں زبانوں میں دو دیوان تیار ہیں ۔ دیوان اردو ۱۳۷۳ھ میں ان کے چھوٹے صاحبزادے سلطان احمد قمر انصاری نے پاکستان میں آنے کے بعد چھپوا کر شائع کیا ۔ دیوان ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے صوفی مشرب بزرگ تھے طبیعت کا رجحان نعت گوئی اور تصوف کی طرف تھا۔ اسلئے زیادہ تر غزلیات اور نظمیں، نعت و منقبت میں کہی ہیں۔ رنگ مجاز بہت کم ہے۔ دیوان فارسی ہنوز غیر مطبوعہ ہے ۔

فن تاریخ گوئی میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ اردو اور فارسی میں متعدد تاریخیں کہی ہیں۔ اپنے پیرومرشد خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر تاریخی قطعات کا ایک رسالہ لکھا تھا جو "تاثیر درد" یعنی "نوحۂ پر از غم" کے تاریخی ناموں سے چھپ چکا ہے ۔

ان کی باقیات الصالحات میں ان کے تین صاحبزادے ۔ حفظ الرحمٰن کوکب نظام الرحمٰن تجلّی اور سلطان احمد قمر ہیں ۔ جو ۱۹۴۷ء میں جودھپور سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ہیں اور سندھ میں متمکن ہیں ۔

نمونہ کلام اردو :-

آپ کے حسن ملاحت کا بھلا کیا کہنا — آج تک آپ سا دیکھا نہ سنا کیا کہنا
مہ کنعاں تھے حسین آپ حسین اور ملیح — مرحبا اصل علی اصل علی کیا کہنا
صانع حسن ازل نے وہ دیا حسن تجھے — ہو گیا آپ ہی مفتوں وہ ترا کیا کہنا

جنذا اپنے ہی انوارِ رُخِ انور سے ظلمتِ کفر کو کافور کیا کیا کہنا
سجدہ گاہ ملک و جن و بشر ہے لاریب آپ کے عتبۂ والا کا بھلا کیا کہنا
ملک العرش سے تھی گفت و شنید شہ دیں بے حجابانہ یہاں وصل علی کیا کہنا
سیر کر خوب ریاضِ شہ دیں کی زوّار دیکھ وہ آئی وہ جنت کی فضا کیا کہنا
بارک اللہ مدیحِ شہ والا ثاقب
ہے تری طرفہ تریں طبعِ رسا کیا کہنا

تصور کی نظر سے واہ کیا پیش نظر دیکھا تمہارا روئے انور ہم نے اے رشکِ قمر دیکھا
بحسن صورت و سیرت تو یکتائے زمانہ ہے ملک دیکھا نہ تجھ سا خوبرو کوئی بشر دیکھا
ترا دربار ہے دربارِ رحمت اے شہ عالم تری سرکار میں روح الامیں کو نامہ بر دیکھا
درِ والائے احمد ہے جہاں میں مرجعِ عالم قسم اللہ کی ایسا نہ کوئی اور در دیکھا
ہر اک شاہ و گدا کو بارگاہ سرورِ دیں میں ادب سے سر جھکائے صورتِ دریوزہ گر دیکھا
سمومِ دہر کا غم کیا کہ جب ابرِ کرم تو ہے ترے عشاق کا نخلِ تمنا بارور دیکھا
تمہاری چشمِ میگوں کے جو متوالے ہیں آسا قی کبھی گریاں کبھی خنداں انھیں شام و سحر دیکھا
شہِ دیں مظہر اللہ ہی ہیں ثاقب کیا کہوں تم سے
مگر اہل ظواہر نے انہیں خیر البشر دیکھا

صبا پہونچے اگر اس پاک در تک تو پہونچا عرض یہ خیر البشر تک
مریضِ دردِ ہجراں کی مسیحا (ق) نہیں لی کس نے تو نے خبر تک
خیالِ زلف جو آیا سرِ شام جلا کی رات بھر شمعِ سحر تک
ہوئی مدت دعا کرتے مگر کیوں نہیں پہونچی دعا بابِ اثر تک
تصور میں وہ آئے کس طرح سے نہیں کی کان کو میرے خبر تک
تجلی رُخِ انور کے آ گئے ہوئی خیرہ تصور کی نظر تک

ہے شاہد کون اور مشہود کیا شے　　یہ جھگڑا ہے فقط دید و نظر تک
جو پہونچے ہاتھ دامن تک تو سمجھوں　　کہ پہونچا ہاتھ شاخ پر ثمر تک
نہیں کچھ زاد رہ پاس اپنے ثاقب
میں پہونچوں کس طرح حضرت کے در تک

مریض عشق کا اچھا بُرا کیا　　دوا کیا اور امید شفا کیا
کبھی خط تک نہ بھیجا ہو گیا کیا　　ہوئے ہو اس قدر تم بیوفا کیا
تمہاری بیوفائی کی حکایت　　کہو کہدوں ابھی میں بر ملا کیا
خفا ہوتے ہی آ کے ہائے قسمت　　یہ کہئے آپ کو میں نے کہا کیا
غزل تو عشقیہ لکھتا ہے ثاقب
تجھے پیری میں یہ سودا ہوا کیا

مجھے وصل جاناں ہوتا مرا بخت یار ہوتا
نہ ستم جدائی سہتا نہ وہ غمگسار ہوتا

زلف دو تائے تو مین بینوا چہ کرد　　آزاد را اسیر دگر مبتلا چہ کرد
یکبار در ربود متاع شکیب و صبر　　دزد حنائے آں کف رنگیں بما چہ کرد
ایں مرغ دل بدانۂ خال تو مائل است　　بنگر بپشت پر کہ کمند قضا چہ کرد
تیغ نظر بکشت دگر زندہ کشتہ ام　　جانم فدا کہ آں لب معجز نما چہ کرد
دیدی کہ چارہ ام ز تو اے چارہ گر نشد　　ہستم مریض عشق دوا و دعا چہ کرد
مست خراب بادہ لعل تو بودہ ایم　　بنت العنب دگر نہ بما ساقیا چہ کرد
آتش بجان مرغ چمن در زد و برفت　　در صحن بوستان ستم تو صبا چہ کرد
بلبل بگریہ گل بہ تبسم بحیرتم!　　آں نخلبند در چمن ایں ماجرا چہ کرد
شور جنا دل است بہ گلزار چار سو　　سرو چمانہ فتنۂ محشر بپا چہ کرد

ثابت توان و خواب و خورم را بباد داد
ثاقب ز من مپرس کہ آں بیوفا چہ کرد

اے نازنین کبریا خورشید اوج دلبری — ہمتائے تو حور و پری نے زہرہ و نے مشتری
تو کنت کنزاً را نشاں اے گنج سر کن فکاں — سیاح عرش ولامکاں محبوب رب اکبری
اسرار را مصدر توئی انوار را مظہر توئی — ابرار را رہبر توئی اے خاتم پیغمبری
تاج کرامت بر سرت لبس شفاعت در برت — جبریل دربان درت از جملہ خوباں برتری
وصف رخت در والضحیٰ مدح دو چشمت ما طغیٰ — نعت الم نشرح لک فرخندہ زیبا منظری
اے صدر بزم انبیا محبوب رب دوسرا — وے دُرِّ تاج اصفیا سیاح چرخ اخضری
جن و بشر حور و ملک شمس و قمر انجم فلک — گفتند انہا یک بیک نور نگاہ داوری
رشک مہ دو ہفتہ آں روئے تو آمد بلبتاں — اے قامتت سرو رواں وے صورتت کبک دری

حسن ملاحت غلغلہ در شش جہت انداختہ
ثاقب بتو دل باختہ در خیل خوباں سروری

در میکدہ ساقی کرم دیدیم چو مے نوشی — رستیم ز بند غم در حالت مدہوشی
با پیر خراباتی گشتیم خراباتی — با یار پری چہرہ داریم ہم آغوشی
مارند خراباتم در باختہ نقد عمر — غفاری و ستاری یارب تو خطا پوشی

از روئے سخنہا بیت ثاقب بوئے مے آید
اینک شدہ معلوم سر مستی و مدہوشی

فیاض احمد فیاض فاروقی

فیاض احمد نام تھا فیاض تخلص ۔ نسباً فاروقی تھے آبا و اجداد کا وطن تھانہ بھون ہے یہ مع اہل و عیال جودھپور میں سکونت رکھتے تھے ۔ اولاً محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر ہوئے پھر ترقی کر کے انسپکٹر کورٹ انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو گئے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیان جودھپور میں انتقال فرمایا ۔

ان کو فصیح الملک داغ دہلوی سے تلمذ حاصل تھا ۔ حکیم بہاء الدین خاں بہا ۔ بیخود بدایونی اور قاضی کبیر احمد کبیر جودھپوری کے ہمعصر تھے ۔ استاذی حضرت بیدل بدایونی نے ایک بزم مشاعرہ میں ان کی آمد کی خبر سنکر اپنے ایک قطعہ میں کہا تھا ؎

سنتے ہیں بزم میں آئینگے کبیر و فیاض　　حضرت داغ سے حاصل جنہیں فیضان ہوگا

افسوس ہے کہ ان کا کلام دستیاب نہ ہو سکا چند قطعات تاریخ جو مختلف مواقع پر کہے گئے تھے ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں اچھا ملکہ رکھتے تھے ۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر یکساں دسترس تھی ۔

نمونہ کلام فارسی :-

قطعہ تاریخ وفات خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

زیں جہاں رفت چوں بخلد بریں　　خواجہ اللہ بخش نیک صفات

غم جہاں را گرفت از اں فیاض　　شد "غم دردناک" سال وفات

۱۹۰۳ھ

قطعہ تاریخ طبع کتاب تاثیر درد مصنفہ ثاقب چودھری

حضرت ثاقب وحید زماں ! — کہ دریں جا سخنور فرد ست
حسب ایمائے شیخ عبداللہ — آنکہ اہل دل و جوانمرد ست
ایں رسالہ نوشت کو لاریب — عزت گنج باد آورد ست
بکرمی سال آوازاں فیاض
شارح قصہ غم و درد ست
۱۹۵۸ بکرمی

دیگر :-

چوں بیاد خواجہ اللہ بخش ! — ثاقب ارکان گہرایں دُرا بسفت
بندۂ فیاض وقت طبع او ! — "جا نگزا افسانۂ غم" سال گفت
۱۹۱۳

نمونۂ کلام اردو :-

قطعہ تاریخ بروفات خواجہ اللہ بخش تونسویؒ

خواجہ اللہ بخش حق آگاہ — انتخاب کتاب دین محمدیؐ
چھوڑ کر اس جہان فانی کو — جب سدھارے وہ سوئے ملک بقا
میں نے سال وفات اے فیاض
بجھ گیا چراغ ہند کیا کہنا
۱۹۱۳

قطعہ تاریخ طبع تذکرہ خمخانۂ جاوید جلد دوم

احسان مند لالہ سری رام کیوں نہ ہوں — دلچسپ دلپذیر ہے چھاپا یہ تذکرہ
فیاض کہدو مصرعۂ تاریخ طبع تم — لاریب بے بہا ہے سراسر یہ تذکرہ

★

قاضی کبیر احمد کبیر

فخر العلما قاضی کبیر احمد المتخلص بہ کبیر قاضی غنی احمد بن قاضی عتیق اللہ کے صاحبزادے اور قاضیان میڑتا کے مشہور اہل علم خاندان کے روشن چراغ تھے ان کے دادا عتیق اللہ قاضی صدیق اللہ صدیقی کے حقیقی بھائی تھے۔

ان کی ولادت جوتشی کی بنائی ہوئی جنم کنڈلی کے مطابق سمت ۱۹۳۷ء بکرمی میں بیساکھ بدی ۱۴ کو ہوئی جس کے حساب سے سال عیسوی ۱۸۸۰ء اور ماہ اپریل ہوتا ہے۔ پیدا میڑتا میں ہوئے مگر تعلیم و تربیت جودھپور میں ہوئی۔ مولانا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی رح کے قائم کردہ[1] مدرسہ اسلامیہ حنفیہ میں مروجہ درس نظامی کے مطابق علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ ان کے استاذ مولانا محمد اسمٰعیل[2] بلند شہری تھے۔ جو حضرت ممدوح (بانیٔ مدرسہ) کے تلامذہ خاص میں تھے۔ اس مدرسہ

---

[1] جودھپور کی دنیائے علم و ادب الحاج مولانا حافظ شاہ محمد اسحاق رح کے فیض علمی سے بے نیاز نہیں ہو سکتی جنہوں نے پہلی مرتبہ ایک اعلیٰ معیاری مدرسۂ عربیہ قائم کر کے اس خطہ میں اشاعت دین اور تعلیم عربی کی بنیاد رکھی۔ مولانا کا مولد مستال ہے جو مضافات راولپنڈی میں ہے نسباً عثمانی اور مشرباً نقشبندی تھے۔ تحصیل علم مشہور زمانہ عالم حضرت مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی رح سے کی جو اس دور کے چند گنے چنے علما میں سے ایک تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق رح بعہد مہاراجہ تخت سنگھ (۱۸۴۳ء تا ۱۸۷۳ء) جودھپور میں تشریف لائے اور مدرسہ

میں میکر والد ماجد بھی پڑھتے تھے اور قاضی صاحب کے ہمدرس تھے۔

"قاضی صاحب کو مولانا محمد اسحاق علیہ الرحمۃ سے بھی چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

بعد ازاں تحصیل طب کے لیے دہلی گئے اور وہاں اس فنِ شریف میں مہارت تامہ حاصل کی۔ دورانِ قیام دہلی میں شمس العلما مولوی نذیر احمد مرحوم سے تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ لمحاتِ فرصت انہی کی صحبت میں گزارتے اور ان کی زباں دانی سے اکتسابِ فیض کرتے۔

دیگر علوم و فنون کے علاوہ گھر میں شعر و سخن کا بھی چرچا تھا۔ دادا چچا اور دوسرے اہلِ خاندان اس فن میں اچھا شغف رکھتے تھے۔ یہ اس سے کیونکر بچ سکتے تھے۔ بچپن ہی سے یہ پودا پروان چڑھنا شروع ہوا اور بیخود بدایونی اور ان کے خاندان نے جو شعر و سخن کی فضا پیدا کر دی تھی اس سے ان

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰۔ اسلامیہ حنفیہ کی بنیاد رکھی جو آج یادگارِ اسحاقیہ کے نام سے موجود ہے۔ اس عہد میں یہ ایک ایسا سرچشمۂ فیض تھا جس سے لاتعداد مقامی و بیرونی ہستیاں فیضیاب ہوئیں۔ حضرت ممدوح علومِ ظاہری کے علاوہ علومِ باطنی سے بھی بہرہ ور تھے و صاحبِ دل ولیت بزرگ تھے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت فرماتے تھے۔ مارواڑ کی اکثریت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ میرے والد محترم اور خود مجھکو بھی حضرت کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا نے ۱۹۲۶ء میں بمقام متال (راولپنڈی) انتقال فرمایا

سے۔ مولانا محمد اسمٰعیل کا مولد بلند شہر تھا مگر اوائل عمری میں جودھپور آ گئے تھے مدرسہ اسلامیہ حنفیہ جودھپور میں تعلیم پائی اور یہیں سے فارغ التحصیل ہو کر اسی مدرسہ میں مدرس ہو گئے تھے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی رحمانی و صدر المدرسین مدرسہ کے تلامذۂ خاص میں سے تھے اور انہوں سے مولانا محمد اسمٰعیل

کی طبع رواں پر کافی اثر پڑا۔ اور اس فن میں طبع آزمائی شروع کی۔ یہ فصیح الملک داغ دہلوی کے آخری ایام زندگی تھے۔ ان کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کیا اور سولہ غزلوں پر بذریعہ خط و کتابت اصلاح لی جس کا ایک علیٰحدہ مجموعہ "فیض داغ" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ اور چھپوانے کا ارادہ تھا۔ مگر یہ ارادہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ان کو تمام اصنافِ سخن پر عبور حاصل تھا۔ ذہین و طباع بلا کے تھے بدیہہ گوئی کا ملکہ طبیعت میں فطری تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ مثنوی بیخود، وفات فصیح الملک، بنائے مسجد میر فیاض علی وغیرہ پر بڑی عمدہ تاریخیں کہی ہیں۔ فطرتاً ظریف الطبع واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ بعض تاریخیں ظریفانہ انداز میں نکالی ہیں۔ ان کے ایک دوست گزدر محمد اسحاق تھے جن کے لڑکی تولد ہوئی اس پر فی البدیہہ مزاحیہ قطعہ تاریخ کہا تھا جس کا مصرعۂ تاریخ یہ ہے ؎

تھے سے بیٹی کے باپ گزدر اسحاق

قاضی صاحب عربی و فارسی کے عالم متبحر اور فصیح البیان خطیب تھے ان کے وعظ پند و موعظت کے علاوہ اپنے اندر ادیبانہ شان بدرجۂ اتم رکھتے تھے

بقیہ حاشیہ صـ۱۱۳ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت بھی حاصل تھا مولانا محمد اسمٰعیل سے جو دھپور کے قریب تمام علمائے اہل سنت نے کسب فیض کیا ہے جن میں قاضی ظہور احمد اخترؔ۔ قاضی کبیر احمد کبیرؔ حافظ سید راحت علی راحتؔ اور مرکل عبدالرحمٰن خاں شوق نمایاں شخصیتیں ہیں میرے والد محترم الحاج مولانا علیم الدین نے بھی مولانا سے حدیث و فقہ کا درس لیا ہے مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۲ء بدھ کو قبل طلوع آفتاب ۲بجے اس فاضل اجل بزرگ نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی مگر گھر والوں کا اندازہ ہے کہ سن شریف سو سے تجاوز کر چکا تھا۔ برصغیر کے مشہور صحافی و مورخ۔ علامہ آغا رفیق بلند شہری انکے بھتیجے تھے

ان کی عالمانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے جودھپور کی نمائندہ مسلم جماعت انجمن اسلامیہ نے ان کو فخر العلماء کے خطاب سے نوازا تھا۔

۱۹۵۳ء مطابق ۱۳۷۳ھ میں اس جامع کمالات شخصیت کا پیمانۂ عمر لبریز ہوگیا اور زندگی کے ۷۳ - ۷۴ سال پورے کرنے کے بعد سفر آخرت اختیار کیا۔ مولف تذکرۂ ہذا کو اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع پاکستان میں ہوئی جس پر طبع محزوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ذیل کے قطعۂ تاریخ میں کیا ہے

ہر این سخن قلب غمناک گفت	برفت از جہاں عالم بے بدل
"کبیر زباں دان تہہ خاک" گفت	سروشم پئے سال ترحیل او
۱۳ ـ ـ ۷۳	

قاضی صاحب نے تمام اصناف سخن میں بہت کچھ کہا ہے، مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی تخلیقات کو محفوظ رکھنے پر کوئی توجہ صرف نہیں کی اکثر رسالوں اور جنتری کے حاشیوں پر ان کے اشعار لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کی سولہ غزلوں کا مجموعہ جو فیض داغ کے نام سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اور جس کا ذکر خود انہوں نے مجھ سے کیا تھا وہ بھی باوجود کافی تلاش و جستجو کے ان کے ذخیرہ کتب میں نہ ملسکا حضرت ممدوح کے فرزند ارجمند مولوی شرف احمد ان کے کلام کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا کرے وہ اس اہم کام کی انجام دہی میں کامیاب ہو جائیں اور داغ کا ایک شاگرد گوشہ گمنامی سے نکلکر منظر عام پر آجائے۔

کلام کبیر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلاست زبان میں حتی الوسع انہوں نے اپنے استاد کا تتبع کیا ہے۔ کلام میں استادانہ پختگی ہے اور کہیں کہیں مضامین آفرینی بھی قابل داد ہے۔ ذیل کے اشعار ان کی عمدہ مثالیں ہیں ؎

تجھے اے چاکِ داماں واسطہ یوسف کے داماں کا
کہیں یہ وہ نہ کر نمائش میرے عشقِ پنہاں کا

ایک عالم ہے تماشائی تماشا کر دیا
تو نے اپنے دیکھنے والے کو کیسا کر دیا

کسی نے اس طرح لوٹا ہے پھر لٹنے کی حسرت ہے
پہنچکر تا بہ منزل لوٹ آیا دشت رہزن میں

مر گیا دل آرزوئیں مر گئیں
مرنے میں رہ کیا گیا مر تو چکے

بیشتر اشعار ناسخ کے قدیم روایاتی رنگ میں ہیں مثلاً

بالوں کی سیاہی کا جوانی میں ہے ایکا
اس وقت میں سودائے بتاں چاہیے سر میں

نکلیں تھیں وہ قاتل کی ادائیں!
گیا دل خود بخود تیر و سناں پر

آج اس کے پاس ایک تلوار ہے
اس کے گھاٹ اتریں تو بیڑا پار ہے

مجاز کے علاوہ نعت میں بھی بہت کچھ کہا ہے نعتیہ کلام میں جا بجا آیات قرآنی اور احادیث کے فقرے بہت خوبصورتی سے نظم کرتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

ما ضل وما ینطق اس امر پہ ناطق ہے
اپنا سا نہ حال ان کا اپنا سا نہ قال اُن کا

لا ترفعوا اصواتکم کی آتی ہے پیہم
حرم قدس میں اللہ رے رتبہ محمدؐ کا

آنکھوں میں جو ہو نور انی رأ الحق
پھر دیکھے کوئی حسن دل آرائے محمدؐ کا

نمونہ کلام درج ذیل ہے :-

نعت

دم آخر زباں پہ زمزمہ ہو یا محمدؐ کا
مُندھیں جب میری آنکھیں دیکھوں جلوہ محمدؐ کا

وہ لائی رنگ نقاشِ ازل کی رنگ آمیزی
نگا فرمائی خود اللہ نے نقشا محمد کا

دیا قل یا عبادی نے یہ ایمانی سبق مجھکو
محمد ہے خدا کا بندہ میں بندہ محمد کا

کہاں کی تشنگی اور کیسی گرمی حشر میں واعظ
کہا جب العطش ابر کرم برسا محمد کا

بہت اچھے ہیں وہ جو سایہ طوبیٰ میں بیٹھے ہیں
یہ مجرم اور اچھے ان پہ ہے سایا محمد کا

بدلنا ہی تھا محشر میں غضب کو انکی رحمت سے
کہ میں تھا بار جو اس اور ہاتھ سر پر تھا محمد کا

شب معراج سب ادنیٰ نگاہوں والے تکتے تھے
فراز عرش پر پرچم کیا ہی لہرایا محمد کا

ثم الاترفعوا اصواتکم کی آتی ہے پیہم
حریم قدس میں اللہ رے رتبہ محمد کا

الٰہی یہ کبیر اندوہِ دنیا سے رہے محفوظ
الٰہی عاقبت محمود ہو صدقا محمد کا

اللہ یہ دل اور مدینہ کی تمنا!
بے پر کو ہوئی عرش کے زینے کی تمنا

جاں بخش مسیحا ہو مدینے میں تمہارے
مرنے کی تمنا بھی ہے جینے کی تمنا

اے وحشت عشق نبوی چاک ہو یوں جیب
جبریل کہیں جیب کو ہے سینے کی تمنا

آتشکدہ ہو سوز کا داغوں سے ہو گلزار
آقا یہ ہے دل کی وہ ہے سینے کی تمنا

اللہ بنا دے مجھے وہ تشنہ لب عشق
اے خونِ جگر ہو تیرے پینے کی تمنا

"یا آلِ نبی" میری زباں پر ہے دم نزع
ہے ڈوبتے کو ان کے سفینے کی تمنا

آلودہ عصیاں ہے یہ دل تو ہے مری پاک
میں تجھ کو کہاں رکھوں مدینے کی تمنا

ہوں یاد یہ پھیلائے محبت مجھے کب چین
جنت سے نکالے گی مدینہ کی تمنا

کہتا ہے کبیر آئے مدینے میں مجھے موت
ہے کتنی شریف ان کے کمینے کی تمنا!

واللہ رے حسن ان کا اللہ رے جمال انکا
دیوانہ اویس ان کا مدہوش بلال انکا

ما ضل وما ینطق اس امر پہ ناطق ہے
اپنا سا نہ حال ان کا اپنا سا نہ قال انکا

ہیں پتلیاں آنکھوں میں رب اَرِنی برلب   دل وادی ایمن ہے آیا ہے خیال انکا
دوزخ سے سوئے جنت کہتا یہ کبیر آیا
اللہ رے کمال ان کا اللہ رے کمال ان کا

اللہ رے حسن رُخ زیبائے محمدؐ   طٰہٰ کی قسم حق بھی ہے شیدائے محمدؐ
آنکھوں میں جو ہو نورِ رآنی ورآ الحق   پھر دیکھئے کوئی حسنِ دل آرائے محمدؐ
ہر ریشے میں گلزار جناں کی ہیں بہاریں   اللہ رے گل داغ تمنائے محمدؐ
وہ عبد بھی ہے اور ہے قرضی سے خطاب   کیا سمجھے کوئی رتبہ والائے محمدؐ
امید کا دن دیکھے کبیر الم اندوز
یا رب بطفیل شب اسریٰ محمدؐ

فرقت زدوں کا جینا مرنے میں نہ جینے میں   بلوا لو مدینے میں بلوا لو مدینے میں
خود کیا ہیں خدا جانے پیاں کا تصور تو   سو نور ہے آنکھوں میں سو جالت ہے سینے میں
لب پہ ہوں مرے نالے پاؤں میں مرے چھالے   یہ آنکھیں ہو پرنالے یوں آؤں مدینے میں
وہ درہم داغ عشق اپنا مجھے دیدیا   میں بیکے رہوں دولت مدفن کے دفینے میں
کر دامن دل کو تو اے دست جنوں یوں چاک   دھجی جو اڑے اسکی وہ پہونچے مدینے میں
ہوں غرق الم گزری تو دوری طیبہ میں   اے عمر رواں ڈوبا میں تیرے سفینے میں
وہ اشک وہ داغ عشق اپنا مجھے دیدی تا   کوثر ہے آنکھوں میں جنت ہے سینے میں
کیا رنگ وہ رکھتا تھا کیا کہئے کبیر اسکو
خوشبوے عرق گل کی تھی جس کے پسینے میں

تضمین بر غزل مولانا قاضی صدیق اللہ صدیقی جودھپوری

ان کی نعلین سے دم بھر نہ جدائی ہوتی   کبھی تا دامن اقدس بھی رسائی ہوتی
ان کے عشاق کی آنکھوں میں سمائی ہوتی   خاک گر ہم کو مدینے کی بنائی ہوتی

عشق کو اپنے یہاں ناصیہ سائی ہوتی

رخ انور کی یہ زیبائشیں چشم بد دور　　　ییکر اندیشے کو لے جاتے ہیں کتنا کچھ دور
یہ انا اور بشر سچ ہے مگر میرے حضور　　　رخ انور پہ نہ ہوتا جو تجلی کا ظہور

سوزنِ عائشہ جبکہ ہیں نہ پائی ہوتی

اللہ اللہ نگار مدنی کے انداز　　　قہر قدرت کے جگر پر بھی تھے ناوک انداز
کہا معراج میں جبریل نے اے مایۂ ناز　　　ناز کر بیٹھتے تم کاش کیا جیسے نیاز

طرفۃ العین میں امت کی صفائی ہوتی

سعی ادریس کا انجام نہ ایسا ہوتا !　　　بیٹھے رہتے نہ کبھی چوتھے فلک پر عیسیٰ
ادن منی کی کسی اور کو بھی دیتے صدا　　　غیر احمد جو لقا کے کوئی لائق ہوتا

لن ترانی نہیں موسیٰ کو سنائی ہوتی

عشق قربان ترے حج بھی ہے امر تعویق　　　حد ہے کچھ قسمت کعبہ کی ہوئی باعث ضیق
تو کبیر آج تو چلا ہی اٹھا قلب رقیق　　　مورچہ ہو کے بھی لو پائے کبوتر صدیق

. کسی صورت سے مدینے میں رسائی ہوتی

قطعہ

ابیت عند ربی بزم ان کی !　　　رمیت اذ رمیت رزم ان کی
ارحنا یا بلال آرام گھبرا !　　　دنی تمک ابند ائے عزم ان کی

غزلیات

تجھے اسے چاک داماں بواسطہ یوسف کے داماں کا

کہیں پر وہ نہ کرنا فاش میرے عشق پنہاں کا

کیا ہے فیصلہ ہم نے یہ ہندو اور مسلماں کا !

وہ دیوانہ ہے کاکل کا یہ عاشق روئے تاباں کا

قیامت بھی ہے اک فتنہ اس کی چشمِ فتاں کا
کہ ہے خورشید محشر نام جس کے روئے تاباں کا

تمہاری زلف پیچاں پر ہے عالم سنبلستاں کا
تمہارے روئے گلگوں میں تماشا ہے گلستاں کا

سراپا داغ ہوں میں داغِ عشقِ آتشیں رخ سے
عجب کیا ہے جو ہو مجھ پر گماں سروِ چراغاں کا

یہاں کی سیر سے بھی باز رکھا ہم کو اے واعظ!
دکھایا سبز باغ اچھا یہ تو نے باغِ رضواں کا

یہی تعبیر ہے یارو مرے خوابِ پریشاں کی
کہ ہو پھر سر میں سودا یار کی زلفِ پریشاں کا

کیا دنیا سے پردہ عشق میں پردہ نشیں تیرے
خدا نے رکھ لیا پردہ ہمارے عشقِ پنہاں کا

دہانِ زخم نے کیا کیا شکر افشانیاں کی ہیں
مرے قاتل کھلا جب وقت منہ تیرے نمکداں کا

مرے نخلِ تمنا میں نہ پھل آیا نہ پھول آئے
برسنے کو تو برسا خوب بادل چشمِ گریاں کا

کسی نے تیرے رخ سے بھول کر تشبیہ دیدی ہے
جبھی تو ہے دماغ افلاک پر مہرِ درخشاں کا

رہا کچھ بھی نہ سنگ و خشت کا اس عالیشاں باقی
فقط اک بے نشانی ہے نشاں گورِ غریباں کا

اثر ہے بغض میں اس کا نہ کچھ صورت سے ظاہر ہے

الٰہا سے مداوا کیا ہو میرے درد پنہاں کا

تمہارے افعی کاکل کا پڑ جائے اگر سایہ
بنے چشمۂ زہر اب چشمہ آبِ حیواں کا

کلیجے پر مرے اک تیر سا لگ جاتا ہے جس دم
خیال آتا ہے دل میں یار کی برگشتہ مژگاں کا

گریں یکبار لاکھوں بجلیاں مجھ پر خدا وندا
تصور تھا مرے دل میں یہ کس کے روئے خنداں کا

لڑی اس آئینہ رو سے کبیرؔ اب کیوں چھپاتا ہے
ہوا آئینہ ہم پر حال تیری چشمِ حیراں کا !

بدل کر دل اب دوسرا ہو گیا
تجھے دیکھتے ہی یہ کیا ہو گیا

وہ جلوہ نظر سے جدا ہو گیا
الٰہی ابھی کیا تھا کیا ہو گیا

وہاں سمجھے منہ پھیرنا اک ادا
یہاں موت کا سامنا ہو گیا

ملی ہم کو اپنے کئے کی سزا
جو ہونا تھا روزِ جزا ہو گیا

تغافل سے گفتار و رفتار سے
ستمگر سراپا خفا ہو گیا

قیامت سے کم یہ زمانہ نہیں
کہ بیگانہ ہر آشنا ہو گیا

تمہیں کیوں ہے اس سے امید کرم
کبیرؔ اب وہ بت کیا خدا ہو گیا

بھلا کیا جانے وہ دل شاد کرنا
جسے ہر دم ستم ایجاد کرنا

چمن میں آئے جب فصلِ بہاری
ہمیں بھی ہمصفیرو یاد کرنا

تری الفت میں سب کچھ بھولے لیکن
نہیں بھولے ہیں تجھکو یاد کرنا

نہ ہوا ایسا کہ سن پائیں مسلماں
کبیرؔ اس بت کو دل میں یاد کرنا

اک مکاں لامکان ہے گویا — آستاں آسمان ہے گویا !
اس کے جانے سے جان جاتی ہے — میہماں میری جان ہے گویا
بس رہا ہے مری نظر میں یوں — یہی اسکا مکان ہے گویا
شیخ کہتا ہے جسکو استغراق — اس حسیں کا وہ دھیان ہے گویا
کیا ہی دشواریوں سے پایا یار — اس کا گھر لامکان ہے گویا
جاں بلب ہے کسی کی رخصت سے — میزباں میہمان ہے گویا !
اللہ اللہ اک حسیں کا بام — ساتواں آسمان ہے گویا

کیا کہے شعر بعد داغ کبیر
اب تو وہ بے زبان ہے گویا

کبھی تھی نغمہ سنجی آشیاں پر — قفس میں اب تو نالے ہیں زباں پر
فسوں سازی ہے ختم اپنی زباں پر — انھیں باتوں میں لے آئے مکاں پر
ملیں گر حضرت موسیٰ تو پوچھیں — یہ جلوے کیسے ہیں روئے بتاں پر
چلیں گے ساتھ ہو کر کعبہ اے شیخ — تم آجانا در پیر مغاں پر !
برستی ہوگی حسرت اور عبرت — مرے مرقد پہ آنا اس نشاں پر
یہ رسم عشق نکلی زاہدوں سے — مٹے پہلے یہی حور جناں پر
نکیلی تھیں وہ قاتل کی ادائیں — کیا دل خود بخود تیر و سناں پر
ترا عاشق تھا تیرے خط کا مشتاق — جہاں نے سمجھا عاشق خط رساں پر

کبیر اتنی بھی کیا آوارگی یہ
نظر کر عز و جاہ خاندان پر

مٹا ہے سر کسی کے آستاں پر — دماغ اچھا نہ کیوں ہو آسماں پر
مری آنکھوں پہ لاکھوں باغ قرباں — کریں ہر وقت رونے گلرخاں پر

گئے کعبہ کے در پر خواب میں ہم
کھلیں آنکھیں تو تھے اک آستاں پر

محمد کا بھی ہے کیا نام پیارا
کہ رہتا ہے فرشتوں کی زباں پر

کبیرؔ آئی مجھے بھی نغمہ سنجی
میں قربان بلبلِ ہندوستاں پر

صورت بتِ سفاک کی پھرتی ہے نظر میں
اللہ نگہبان مرا کعبہ کے سفر میں

بالوں کی سیاہی کا جوانی میں ہے ایما
اس وقت میں سودائے بتاں جاہئے سر میں

یا رات کو وہ آتے نہ تھے غیر کے گھر پر
یا مجھکو نظر آتے نہیں نور سحر میں

جب سے نظر آیا ہے کوئی خواب میں مجھکو
لگتی نہیں آنکھ ایک گھڑی آٹھ پہر میں

کعبے میں نہ ہوں بت یہ نہ مانوں گا کبھی شیخ
ناداں ہے کہی کونسی اللہ کے گھر میں

یہ وقت تخالف کا زمانہ ہے اسی سے
رہتا ہے خلاف اپنے دعا اور اثر میں

تکلیف میں آرام کی بالوں سے ہے تکلیف
ذکرِ وطن ایذا ہے مسافر کو سفر میں

پڑتی ہے نظر جس طرف آتا ہے نظر تو!
تصویریں ہیں تیری کہ یہ پتھر مرے گھر میں

اللہ رکھے شرم کہ اس اپنی غزل کو
بھیجے گا کبیرؔ انجمنِ اہل ہنر میں

ہیں اشارے بزم میں اغیار سے
یہ نہ تھی امید چشم یار سے

منہ نہ پھیرا ہم نے تیر یار سے
آفریں نکلی لب سوفار سے

جس طرح پھر جاتے ہو اقرار سے
یونہی پھر جاؤ کبھی انکار سے

سرد ہے ہنگامۂ بازار مصر
یار تیری گرمیٔ بازار سے

اس سزا پر طوق پہنایا مجھے
عشق رکھتا تھا گلے کے ہار سے

پوچھتا ہے مجھ سے وہ بت نزع میں
تم نظر آتے ہو کچھ بیمار سے

گرم جوشی دیکھ کر اغیار کی
جل کے ہم اٹھ آئے بزم یار سے

گر پڑا میں ناتواں اس کوچے میں　　کھا کے ٹھوکر سایۂ دیوار سے

گردشِ دوراں کے ہاتھوں اے کبیرؔ
کم نہیں ہوں میں خطِ پرکار سے

تخمِ الفت کشتِ دل میں بو چکے　　ہم بہاروں میں خزاں کے ہو چکے
مجھ سے فرماتے ہو میں ہوں دل فروش　　دل کی قیمت پوچھتے ہو جو چکے
جھیلیں عشقِ سنگدل میں سختیاں　　کوہکن نے ہم بھی پتھر ڈھو چکے!
ناشتہ اپنا غمِ فرقت ہے آج　　جینے سے ہاتھ اشکوں سے منہ دھو چکے
مرگیا دل آرزوئیں مرگئیں　　مرنے میں رہ کیا گیا مر تو چکے!
یہ شبِ مہ اور فراقِ ماہرو　　رونے دو رونے دو اب ہم سو چکے
عقل و صبر و دل چھٹے ہم سے تو سب　　تجھکو کیا ڈھونڈھا کہ خود کو کھو چکے
ہائے مرنے والے کیا غم ہے تیرا　　تجھ پہ جو ہنستے تھے وہ بھی رو چکے

ایک گل رخ پر ہوئے عاشق کبیرؔ
پھر یہ اپنے حق میں کانٹے بو چکے

آج اس کے پاس اک تلوار ہے　　اس کے گھاٹ اتریں تو بیڑا پار ہے
دل کے ٹکڑے ہیں نفس کے تار ہیں　　کس گلے کے واسطے یہ ہار ہے
کوئی لینے کی طرح سے لے تو پھر　　دل کے دینے میں کسے انکار ہے
میکدے میں جا کے ہٹ آتا ہے روز　　تجھ پہ واعظ کیا خدا کی مار ہے

بن کے دیوانہ انھیں لیٹا کبیرؔ
دیکھئے کتنا بڑا ہشیار ہے

مثلث بر غزل مرزا غالبؔ

گر یہی ناکامرانی اور ہے　　کوئی دن کی زندگانی اور ہے

اپنے من میں ہم نے ٹھانی اور ہے

مہر محشر کی تپش ایسی کہاں — آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوز غمہائے نہانی اور ہے

مدتوں سے پاس رہتے سہتے ہیں — بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں !
پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے

ہمدم اللہ لیکر الگ دریافت کر — دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

برق کی بھی ہے بہت کچھ یوں تو دھوم — قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم
وہ بلائے آسمانی اور ہے

کل کبیر آیا فلک کا یہ پیام — ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

رباعی

ہر بات سے لتر ہے ٹپکتا — ساقی ہے کہ جام ہے چھلکتا
وہ بن گئے دوسرے خدا ہی — دو چار نے کہہ دیا جو بکتا

دیگر

یہ حسن و جمال خاک ہو جائیں گے — یہ جاہ و جلال خاک ہو جائیں گے
کیا خاک کرے غرور و ناز کوئی — ہیں جتنے کمال خاک ہو جائیں گے

حافظ سیّد راحت علی راحتؔ

راحت علی نام تھا پہلے اخترؔ تخلص کرتے تھے پھر راحتؔ کرنے لگے حسب نسب سے حسنی الحسینی سید تھے۔ سیدنا غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تئیسویں پشت میں ہوتے ہیں والد کا نام سید محمد زمان شہید تھا جو عالم و فقیہ اور صاحب طریقت بزرگ تھے ان کے آبا و اجداد قدیم سے قصبہ ناگور علاقہ جودھپور میں آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے افراد بعد کو نقل مکانی کر کے جودھپور میں آ رہے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید عبد اللطیف میرے اساتذہ میں سے ہیں جن سے میں نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی تھی

قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد حافظ راحتؔ نے عربی میں درس نظامی کی تکمیل استاد الاساتذہ مولانا شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلمیذ رشید مولانا محمد اسمٰعیل بلند شہری سے کی۔ فقہ، تفسیر، حدیث اور طب کا اچھا علم رکھتے تھے عقیدۃً مولانا احمد رضا خان بریلوی رح کے پیرو تھے۔

شعر و سخن کا مذاق طبیعت میں فطری تھا۔ قاضی ظہور احمد نشترؔ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابتداً قاضی صدیق اللہ صدیقی سے بھی شاعری میں استفادہ کیا ہے مگر "سحاب سخن" میں ان کو نشترؔ کا شاگرد لکھا ہے۔

۸ شوال ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء) کو حافظ صاحب نے داعی اجل کو لبیک کہا عمر ۷۵ کے لگ بھگ تھی۔ وفات کچھ عجب انداز سے ہوئی ان کے نواسے سید ریاض الحسن نیر بیان کرتے ہیں کہ "میں مرض نکسیر میں مبتلا ہوا۔ تین روز تک متواتر نکسیر جاری

رہی۔ زرگئے کا نام نہ لیتی تھی اس پر مستزاد تین تے خون کی آئیں۔ نقاہت بڑھ گئی اطباء اور ڈاکٹروں نے مایوس العلاج قرار دیدیا۔ نانا صاحب قبلہ کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ سر بالیں آئے اور فرمایا۔ ریاض تو نے میرے گھٹنے توڑ دیئے اور کہنے لگے۔ الٰہی اگر اسکی موت ہی آگئی ہے تو اسکی موت مجھے دیدے۔ اسی وقت ان پر فالج کا دورہ پڑا۔ ان کا مرض بڑھتا گیا اور میرا گھٹتا گیا۔ یہاں تک کہ میں بالکل تندرست ہوگیا اور نانا صاحب جان بحق تسلیم ہوئے۔"

حافظ صاحب کی اولاد ذکور میں صرف ایک صاحبزادے سید اصغر علی اصغر تھے اولاد اناث میں چار صاحبزادیاں چھوڑیں جن میں سے ایک اجمیر کے مشہور شاعر منش اجمیری سے بیاہی گئیں تھی جن کے لڑکے سید محمد مرغوب اختر ہیں اور دوسری اپنے ہی عزیز سید عنایت علی کے نکاح میں آئیں۔ جن سے سید ریاض الحسن نیر ہیں

حافظ صاحب جودھپور کے درجہ اول کے حفاظ میں شمار ہوتے اور بہت سے حضرات نے ان سے حفظ قرآن اور علم طب میں استفادہ کیا ہے۔ صاحب طریقت بزرگ تھے۔ اور سلسلہ قادریہ میں بیعت کرتے تھے۔

شعر وسخن میں ان کا ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے جو ان کے نواسے نیّر نے "مجاز و حقیقت" کے نام سے ترتیب دیا ہے جس میں نعتیں اور غزلیں ہیں کلام بہت صاف اور شستہ ہے۔ عمدہ تشبیہات اور بلیغ استعارات سے پُر ہے اور اپنے ہمعصروں میں کسی سے کم نہیں ہے۔ بعض نئی زمینیں نکالی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا بہت سا کلام ہندوستان میں ضائع ہوگیا۔

ذیل کے اشعار سلاست زبان و صفائی بیان کے عمدہ نمونے ہیں۔

---

[1] "مجاز و حقیقت" مرتبہ نیّر (غیر مطبوعہ)

ہوتے ہیں رخصت لیس اے شام فراق — لے ہماری میہمانی ہو چکی
ہم کو اور طعنے زبان غیر سے — آپ کی بس قدر دانی ہو چکی
طبیعت مکدّر کہیں ہو نہ جائے — کہوں ماجرائے غم اندوز کیا کیا
حسینان جہاں یوں تو بہت سفاک ہوتے ہیں — مگر تم تو غضب نکلے ستم نکلے بلا نکلے
مجھ پہ کیوں تہمت بدنامئ وصل دشمن — یہ تو ہر جا کیا مذکور ترے غصے نے
بدلے اشکوں کے اب آنکھوں سے لہو ہے جاری — دل میں ڈالے مرے ناسور ترے غصے نے
ہیں اور ترک بادہ پرستی! — ایسے جرم سے میری توبہ
نہیں دنیا و ما فیہا سے مطلب — تری اک آرزو ہے اور میں ہوں

اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو ؎

نعت

واللیل ظلِ کاکلِ پیچانِ مصطفےٰ — والفجر عکس تابش دندانِ مصطفےٰ
بانو دینا یا حق نے اگرچہ چار یار کو — حسنین و فاطمہ کو کہا جانِ مصطفےٰ
موسیٰ کو یوں خطاب کلیمی عطا ہوا — وہ بھی تو اک ہوئے ہیں ثنا خوانِ مصطفےٰ
ہر امتی کے جرم چھپائے بہ روز حشر — اللہ رے پردہ پوشئ دامانِ مصطفےٰ
کرتا ہے زندہ مردہ دلوں کو سنا کے نعت — عیسیٰ کا ہمزبان ہے ثنا خوانِ مصطفےٰ

راحت تکے گا منہ مرا محشر میں روز حشر
لکھتا ہوں وصف چہرۂ تابانِ مصطفےٰ

جہاں پر سایہ افگن ہے اجی دامن محمدؐ کا — کشادہ تر ہے اس سے بھی ابھی دامن محمدؐ کا
جو دیکھا آپ کی امت کا رتبہ کہہ اٹھے موسیٰ — نہ یا رب ہاتھ آئے مجھ کو بھی دامن محمدؐ کا
بھلا کس طرح بحر قہر حق سے پار ہو جاتے — نہیں گر تھامتے نوح نجی دامن محمدؐ کا
گنہگاروں کو کیا ڈر آفتاب روز محشر کا — کہ ہٹتا ہی نہیں سر سے کبھی دامن محمدؐ کا

عجب ہی لطف ہوگا دیکھنا تم کل قیامت میں — کہ تھامے ہونگے جب سب ملکے نبی دامن محمد کا
نہ ہوتے ہیں نہ ہونگے جرم ظاہر روسیاہوں کے — یہ رکھتا ہے کچھ اسرار خفی دامن محمد کا

مرے قبضے میں ہو جائے نہ کیوں کونین کی نعمت
کہ ہاتھ آیا ہے اے راحتؔ علی دامن محمد کا

غزلیات

جفائیں مجھ پہ کی ہیں گرچہ کیا کیا — پر اب بھی یوں ہی کہتے ہیں کیا کیا
فلک بھی آجکل کچھ مہربان ہے — کسی نے وصل کا وعدہ کیا کیا
وفا کے نام سے نفرت ہو جس کو — بھلا پھر اس سے امید وفا کیا
تڑپنا دن کو گننا شب کو تارے — قلم نے میری قسمت میں لکھا کیا
بھلا کیوں مجھ سے بے وجہ خفا ہو — کہو اے مایۂ خوبی ہوا کیا
نہیں پاتا ہوں اب وہ بیقراری — کوئی سینے سے دل کو لے گیا کیا

نہ جب آرام جاں ہو پاس راحتؔ
تو کہئے ایسے جینے میں مزا کیا

ہوئے ہیں وہ پامال امروز کیا کیا — گھروں پر تھے کل جشن نوروز کیا کیا
پگھل کر سر بزم حسرات مجھکو — جلاتی ہے شمع شب افروز کیا کیا
طبیعت مکدر کہیں ہو نہ جائے — کہوں ماجرائے غم اندوز کیا کیا
نڈر کر دیا تیری رحمت نے یارب — گنہ مجھ سے ہوتے ہیں ہر روز کیا کیا
وہ نکلے مگر ساتھ ہی دم بھی نکلا — تھے پیکان اس کے جگر دوز کیا کیا

پڑے ٹھوکریں کھاتے ہیں دیکھو راحتؔ
زمانے کے ہاتھوں سے فیروز کیا کیا

اے ہمصفیرو کوئے دلدار تک نہ پہنچا
بلبل تو ہوں ہیں لیکن گلزار تک نہ پہنچا

جی چھوڑ کر نہ بھاگیں بے شرم و بے حمیت
اس قتل کی خبر تو اغیار تک نہ پہنچا

افسوس دل میں حسرت رہتی نہ کوئی باقی
حلقوم میرا اسکی تلوار تک نہ پہنچا

جاں لیکے جو سلامت یہ الٹے پاؤں آیا
قاصد دریغ اپنا اس یار تک نہ پہنچا

دریائے عشق کیا کچھ بے انتہا ہے راحت
ہر چند ہاتھ مارے اس پار تک نہ پہنچا

وہ ستم شعار مجھ سے کبھی ہمکنار رہتا
تو میں ناتواں ہرگز نہ فلک کو خار ہوتا

مجھے سخت جاں تھا کرنا تو گہر بنایا ہوتا
کسی شوخ و سنگدل کے جو گلے کا ہار ہوتا

ترے ساتھ ساتھ رہتا تو نکلتی دل کی حسرت
تری رہگذر کا پیارے میں اگر غبار ہوتا

یہ مری سیاہ بختی نے پھرائی آنکھ تیری
یہ سپہر بھی دگر نہ مرا دوستدار ہوتا

یہ فروتنی نے راحت تجھے عرش پر چڑھایا
تری خاک قدر ہوتی جو نہ خاکسار ہوتا!

پہلو میں جب نہیں ہے آرام جاں ہمارا
مشکل ہے پھر تو جینا اے مہرباں ہمارا

چھوڑے گا خاک کر کے سوز نہاں ہمارا
اس طرح سے مٹے گا نام و نشاں ہمارا

دل کر چکے تصدق جاں کر چکے ہیں قرباں
اب کیا رکھا ہے جس پر ہو امتحاں ہمارا

فنا کرکے کہہ رہے ہو ہم بیوفا نہیں ہیں
سچی ہے بات تمہاری جھوٹا گماں ہمارا

صبر و قرار سکیں کیوں دل سے لیگئے تم
بگڑا نہ کچھ تمہارا اجڑا مکاں ہمارا

راحت کی جان لینا راحت کا جان دینا
یہ کھیل ہے تمہارا راحت رساں ہمارا

چمکتا ہے نگاہوں میں کبھی برق نہاں ہو کر
کبھی بیدار کرتا ہے ستمگر آسماں ہو کر

یہ تیرا بار احساں اے فلک ہے میری گردن پر
کہ مجھ پر مہرباں وہ ہوگئے نامہرباں ہو کر

تمہارے ساتھ ہی جانِ حزیں بھی ہو گئی رخصت — گئے جس شب کو تم اے جانِ جاں مرے یہاں ہو کر
خدا جانے کہ وقت ذبح کیا قاتل کے تھی دل میں — جو میرے حلق پر رک رک گیا خنجر رواں ہو کر
اگر تقدیر میں تھیں ٹھوکریں کھانا زمانے کی — پڑا رہتا در جاناں پہ سنگ آستاں ہو کر
مزار کشتگانِ ناز پر اپنے اگر آؤ! — تو جانا میری تربت پر بھی اے جانِ جہاں ہو کر

وہ خود دوڑے چلے آتے جو ضبط جذب دل ہوتا
اثر کھو بیٹھے راحتؔ تم ہی سرگرم فغاں ہو کر

چرخ نے وہ ان دنوں ڈالا ہے چکر پاؤں میں
سوچتا رہتا ہوں اپنے سر کو رکھ کر پاؤں میں
خونِ ناحق کا کہیں دھبا نہ لگ جائے انھیں
آتے ہیں مقتل میں وہ مہندی لگا کر پاؤں میں
دل مرا گلدستہ بوئے محبت ہے ترا
یوں نہ کر پامال اسے بیدرد مل کر پاؤں میں

ہم نے کل دیکھا تھا راحتؔ جس پہ تاج خسروی
ٹھوکریں اف کھا رہا ہے آج وہ سر پاؤں میں

دل ہے مرا دل بستر تجھ پہ بھلا نہ آئے کیوں — بام پہ آکے صبح دم رُخ سے نقاب اٹھائے کیوں
اسکی گلی میں جا کے یوں شور کوئی مچائے کیوں — چھڑکے گا وہ یونہی نمک زخم جگر دکھائے کیوں
غیر کو ساتھ لیکے جب ٹہلے تو لالہ زار میں — عاشق خستہ جاں ترا دل پہ نہ داغ کھائے کیوں
آنکھ دکھا کے خلق کو کرتا ہے بت پرست وہ — جسکو عزیز دین ہو اس سے نظر ملائے کیوں

جب کسی خفتہ بخت کو رکھے وہ بزم سے جدا
اس پہ جفا شعار چرخ کیسے ستم نہ ڈھائے کیوں

حضرت شیخ اب کیسی توبہ — میں نے توڑی کب کی توبہ

صبح رہے مسجد میں، شب کو دیر میں پہنچے توڑی توبہ
یا اب توبہ کھلا ہے واعظ ہم نے ابھی سے کب کی توبہ
شیخ نے چاہا توڑے خم کو خم تو نہ ٹوٹا توڑی توبہ
میں اور ترک بادہ پرستی ایسے جرم سے میری توبہ
بھر گئی دل میں بادۂ الفت رہ گئی لب پر خالی توبہ
دن کو چھوڑی رات کو پی لی
ایسی ہے راحتؔ اپنی توبہ

کر دیا ہے مجھے رنجور ترے غصے نے مار ہی ڈالا ہے اے حور ترے غصے نے
ہٹ کے جب مجھ سے خفا رخ سے ہٹائے گیسو کیا ظلمت کو وہیں نور ترے غصے نے
مجھ پہ کیوں تہمت بدنامی وصل دشمن یہ تو ہر جا کیا مذکور ترے غصے نے
صبح دم سوئے فلک جب کہ نظر کی تو نے شب کو فوراً کیا کافور ترے غصے نے
بدلے اشکوں کے اب آنکھوں سے لہو جاری ہے دل میں ڈالے مرے ناسور ترے غصے نے
آسمان پھٹ گیا بھونچال زمیں پر آیا کہیں پھونکوا نہ دیا صور ترے غصے نے
آگئے راحتؔ کے کیا غیر کا سر تن سے جدا
کیا سکھایا ہے یہ دستور ترے غصے نے

آپ کی گر مہربانی ہو چکی تو ہماری زندگانی ہو چکی
چھوڑ دوں کیونکر حسینوں کا خیال آخر اس میں زندگانی ہو چکی
ہوتے ہیں رخصت بس اے شامِ فراق لے ہماری مہمانی ہو چکی
نام سے ہے وصل کے نفرت انہیں
انتہائے بدگمانی ہو چکی!

کسی کے سامنے گر رازِ دل اپنا بیاں کیجے اسی کو پھر تصور خصم جانِ ناتواں کیجے

یہ آنکھیں کس لئے حق نے عطا کیں حضرتِ زاہد ذرا چل کر میاں نظارۂ روئے بتاں کیجے
یہی تو سامنے حق کے کریگی سرخرو مجھکو نہ آپ اے مہرباں درمان چشم خونچکاں کیجے
بھلا کس طرح نکلے پردہ ہائے شرم ہیں حائل تمنائے دلی کیا سامنے ان کے بیاں کیجے
لٹاتا ہے کوئی اے حضرت دل گھر کو ہاتھوں سے نہ ہرگز آشکارا اپنا یہ درد نہاں کیجے
ادھر ہے ضعف کا شکوہ اُدھر عذر نزاکت ہے بھلا پھر وصل کی تدبیر کیا اے مہرباں کیجے

کسی کی گردش چشم سیہ نے اسکو چکرایا!
بھلا اے راحت عبث آرام زیر آسماں کیجے

کبھی سیر گلستاں کو جو وہ کافر ادا نکلے بجا کر چٹکیاں گل بھی خوشی سے پھولتا نکلے
حسینانِ جہاں یوں تو سبھی [illegible] ہوتے مگر تم تو غضب نکلے ستم نکلے بلا نکلے
گریباں چاک سر پہ خاک دل میں حسرتیں لاکھوں تمہارے کوچہ سے اسطرح ہم اے دلربا نکلے
مدد یاں اے ہجوم اشک وہ عہد شکن اپنا چلا ہے غیر کی جانب ادھر گھبرا کے آ نکلے
چڑھاتے ہیں پیالے پر پیالے حضرتِ واعظ سمجھتے تھے جنھیں ہم رند وہ تو پارسا نکلے
بہت ڈھونڈا زمانے میں کوئی خالص نہیں پایا: مگر رندان میخانہ فقط اک پارسا نکلے

ہوئے حیران کس آئینہ رو کی یاد میں راحت
تمہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اہلِ صفا نکلے

ان سے ہر بار جو کرتا ہے شکایت میری غیر کے دل میں بھی ہے کچھ تو مروت میری
نیم بسمل ہی مجھے رہنے دے تو اے جلاد ہوگا خوش دیکھ کے وہ شوخ اذیت میری
دامنِ دل کی بھی خبر اب نہیں آتی ہے نظر ہاتھ کچھ ایسے بڑھانے لگی وحشت میری
مان ظالم سر بازار نہ کر قتل مجھے دیکھ رسوائی تری ہوگی شہادت میری
مدد اے جذبۂ دل کھینچ کے لا اسکو شتاب مرض ہجر سے اب غیر ہے حالت میری
نذرِ احباب ہوں اب گوہرِ معنی راحت موجزن ہے صفتِ بحر طبیعت میری

دل کا چھٹنا نہیں آسان بڑی مشکل ہے
سخت مشکل ہے مری جان بڑی مشکل ہے

باتوں ہی باتوں میں دل لے لیا اس نے جس سے
تھی کبھی جان نہ پہچان بڑی مشکل ہے

وہی جانباز تو ہوں جس پہ کرم تھا کل تک
آج یوں ہو گئے انجان بڑی مشکل ہے

مدعا خاک بیاں اپنا کروں ان کے حضور
ٹھیک رہتے نہیں اوسان بڑی مشکل ہے

آج آنیکو ہے وہ میری عیادت کیلئے
اور ادھر جانے کو ہے جان بڑی مشکل ہے

خط مرا پڑھ کے سناتا ہے انہیں ہائے رقیب
مجھ پہ اور غیر کا احسان بڑی مشکل ہے۔

غیر کی دل سے سنا کرتے ہیں راحت وہ مگر
میری باتوں پہ نہیں کان بڑی مشکل ہے

ہے برق بیقرار میرے اضطراب سے
نالاں سحاب ہے مری چشم پر آب سے

نالوں نے میرے شور قیامت بپا کیا
لیکن تمہاری آنکھ نہیں کھلتی خواب سے

بیخود تمہارے ساغر الفت نے کر دیا
کیسے نہ میرے دل کو ہو نفرت شراب سے

وہ مہر کی نگاہ ہیں نہیں اب تو آپ کی
بے قدر آنکھوں میں ہوں زیادہ حباب سے

آتے نہیں ہو تم تو نہ آؤ اجل تو کے
پیچھا چھٹے فراق کے رنج و عذاب سے

لب آشنائے حرف شکایت نہ ہوتے پر
تنگ آ گیا ہوں اس دل خانہ خراب سے

راحت ہے توبہ توبہ ہر اک دم زبان پر
کیا جرم ہو گیا ہے تقدس مآب سے

متفرق اشعار

نہیں دنیا و ما فیہا سے مطلب
تری اک آرزو ہے اور میں ہوں

رفیق وحشت غم ہو دوسرا کون
بس اے دل ایک تو ہے اور میں ہوں

مجھے وہ محو حیرت دیکھ کر دشمن سے کہتے ہیں
یہ کیا رکھے ہوتے ہو بزم میں تصویر پتھر کی

شب فرقت الٰہی کس قدر مشکل سے کٹتی ہے
مگر رکھتی ہے یہ کمبخت بھی تاثیر سحر کی!

پژمردہ کیوں نہ ہو ترے ہاتھوں میں نازنیں
ہے تیرے عکس رخ سے بہت شرمسار گل

ساجد ہوں میں در صنم گلعذار کا!
وارے ہے سر پہ میرے صبا بیشمار گل

حکیم محمد مرزا شاکر

محمد مرزا نام شاکر تخلص۔ والد کا نام احمد مرزا تھا۔ آباواجداد دہلی سے ترک وطن کر کے جودھپور میں آ گئے تھے اور طبابت کرتے تھے۔ محمد مرزا شاکر فارغ التحصیل طبیب اور عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ جودھپور کے بہت سے اطبا نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

شاعری میں شرقی و مداح کے ہمعصر تھے۔ اور "نغمہ یار" و "سحاب سخن" کی طرحوں پر غزلیں کہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شیخ الرئیس کے قانونچہ کی شرح نظم میں لکھی تھی لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزری۔

میرے عہد طفولیت ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی صرف دو غزلیں بہت کچھ تلاش و جستجو کے بعد دستیاب ہو سکیں ہیں جو پیش قارئین ہیں۔

کلام صاف اور سیدھا سادہ ہے۔

غزل

کیا عجب ہم پہ جو وہ جور و جفا کرتے ہیں
غیر داں نالہ و فریاد و بکا کرتے ہیں

شرکتِ بزمِ رقیباں ہے تو سرگرم ہیں آپ
ہم کہیں کچھ بھی تو انکار کیا کرتے ہیں

دردِ ہجراں کا گلہ عرض حقیقت شبِ وصل
میں جو کہتا ہوں تو چپ بیٹھے سنا کرتے ہیں

اپنے بیمارِ محبت کو نہ دی تم نے دعا
ہم تو غیروں کیلئے روز دعا کرتے ہیں

فرقتِ یار میں لے دل جو نہ کرنا تھا کیا
آہ پھر بھی کفِ افسوس ملا کرتے ہیں

وہ کریں جور و جفا شکر خدا کر تو دلا
آفتیں عشق کی عشاق سہا کرتے ہیں

قبر پر میری وہ انداز و ادا سے آ کر
اک نئی طرز سے اظہارِ وفا کرتے ہیں

دیگر

رُخِ روشن سے جب مہر د نقاب اپنا اٹھاتے ہیں
کوئی مسکوت ہوتا ہے کسی کے ہوش جاتے ہیں

ہوا کیا کر دیا بسمل اگر ترچھی نگاہوں سے
سنا ہے اپنی ٹھوکر سے وہ مردے کو جِلاتے ہیں

جو ہیں قیدی کمندِ زلفِ عنبر بوئے جاناں کے
ہزاروں مکر و فن کر لیں رہائی کب وہ پاتے ہیں

فراقِ یار سے کیا اضطرابِ قلب ہے مجھ کو
کہ ہر اک جا بجا چرچا مری الفت کا لاتے ہیں

مچا ہے شور و غل کیسا الٰہی کیا قیامت ہے
قتیلِ فتنۂ جاناں یہ فتنے کیوں اٹھاتے ہیں

قمرحسین قمرؔ بڑودوی

قمرحسین نام قمرؔ تخلص ۔عوام میں چاند میاں کے نام سے مشہور تھے۔ آبائی پیشہ چابک سواری تھا۔ ان کے والد گھاسی میاں ریاست بڑودہ میں داروغہ اصطبل تھے باپ کے بعد یہ عہدہ انہیں تفویض ہوا۔ ایک مرتبہ کسی تقریب میں مہاراجہ جسونت سنگھ والیٔ ریاست جودھپور بڑودہ گئے تو ان کو فن چابک سواری میں ماہر پاکر مہاراجہ بڑودہ سے طلب کیا اور اپنے ساتھ جودھپور لے آئے اور ان کے خاندان نے یہیں کی مستقل سکونت اختیار کرلی ۔

قمر اوائل عمر ہی میں شعر وسخن کے دلدادہ تھے ۔ ان دنوں "پیامِ یار" لکھنؤ سے نکلتا تھا ۔ اسکے مصرعہ ہائے مطرحہ پر غزلیں لکھکر حافظ ریاض احمد تیر متوطن بڑودہ کو دکھلاکر اشاعت کے لئے بھیجدیتے ۔ جودھپور میں آنے کے بعد قاضی ظہور احمد نشتر، مولوی مظفر علی شاہ اثر، منشی شہاب الدین نالاں اور مولٰنا عبدالحئی ہیجود بدایونی کی صحبت نے ان کے شوق شاعری کو اور جلا دیدی ۔ یہاں کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور خراج تحسین حاصل کرتے ۔ اخیر عمر میں غزل گوئی ترک کردی تھی اور صرف نعت نبوی کے ذریعہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے تھے ۔

ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا اور جودھپور کے قبرستان میں مدفون ہوئے صاحب دیوان اور صاحب تصنیف ہیں ۔ فن چابکسواری اور گھوڑوں کے اقسام وغیرہ پر تین کتابیں لکھی ہیں ۔ دیوان ہنوز نہیں چھپا ہے ۔ البتہ اسکا انتخاب اپنے

استاد ریاض احمد نیر کے دیوان کے ساتھ شائع کروا چکے ہیں، کلام صاف، شستہ اور سلیس ہے۔ بعض جگہ زبان کی غلطیاں ہیں۔

نعت اور مجاز دونوں میں خوب کہا ہے۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے :-

نعت

ہوئی ہے شان وحدت جلوہ فرما رنگ کثرت میں
ہوا میں، آب میں، آتش میں، گل میں نور و ظلمت میں

وہی شافی وہی کافی وہی رازق وہی راحم
مرض میں مفلسی میں، بھوک میں، دکھ میں مصیبت میں

کیا ممتاز حق نے یا محمد مصطفےٰ تم کو !
بزرگی میں حسب میں جاہ میں رتبہ میں شوکت میں

کہاں اس کوچۂ محبوب باری کی سی رونق ہے
حدیقہ میں ارم میں خلد میں گلشن میں جنت میں

لب معجز نمائے مصطفےٰ کی چاشنی ہے یہ
عسل میں نیشکر میں قند میں مصری میں شربت میں

قمر بہر شفاعت بس ہمیں وہ نام کافی ہے
لحد میں نشر میں برزخ میں میزان میں قیامت میں

مجاز

خانۂ دل میں اگر تو مرے مہماں ہو جائے
جو ہے کعبہ میں وہی اس میں بھی ساماں ہو جائے

نگہ شوق بڑھے گرمی آنکھوں سے اِدھر
رعب حسن اس کا در دیدہ پہ درباں ہو جائے

دم لبوں پر ہے کسی کا نگہ قہر سے آہ
نظر لطف و کرم اب تو مری جاں ہو جائے

الفت غنچہ دہن اتنی تو رنگ آمیزی کر
کہ ترے داغوں سے دل مثل گلستاں ہو جائے

یاد ساقی میں بہا اشک وہ اے دیدۂ تر
کہ بپا کشتئ مے کیلئے طوفاں ہو جائے

رخ انور کی ضیا تم جو ذرا دکھلا دو
پھر تو بت توڑ کے آذر بھی مسلماں ہو جائے

عاشق اک غنچہ دہن کے ہو قمرؔ تو پھر تم
دل وہ لاؤ کہ جو داغوں سے گلستاں ہو جائے

لے گیا بام پہ وہ حور شمائل مجھکو
آج معراج کا رتبہ ہوا حاصل مجھکو

کرکے تیغ نگہ ناز سے بسمل مجھکو
دیر تک غور سے دیکھا کیا قاتل مجھکو

اپنے پہلو میں جگہ دی سر محفل مجھکو
دلہی یار نے کی دیکھ کے بیدل مجھکو

وہ اب نام خدا اعجاز عیسیٰ کو بھلاتے ہیں
کسی کو قم باذنی کہہ کے جب ٹھوکر لگاتے ہیں

ابھی آتا ہے غش مانند موسیٰ ایک عالم کو
ذرا دم لو ذرا ٹھہرو کہ وہ جلوہ دکھاتے ہیں

چلیں گے تب خدا جانے وہ کیا آفت اٹھائینگے
کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے اک نہ اک فتنہ اٹھاتے ہیں

مریض عشق کا بچنا نہیں ممکن کسی صورت
الہٰی کیا مسیحا بھی یہاں پر دم چراتے ہیں

خدا جانے کہ دل جانے کسی کو کیا خبر ہو سکتی
بتوں کے جور پنہاں جسطرح ہمکو ستاتے ہیں

ملانا خاک میں مد نظر ہے دیکھئے کس کا
سنا ہے آج پھر آنکھوں میں وہ سرمہ لگاتے ہیں

قمرؔ دھوکا نہ کھانا بھولی باتوں پر حسینوں کی
بڑے عیار ہیں دم دیتے ہیں دلکو پھنساتے ہیں

مسیحا جلاتے ہیں مردوں کو لیکن
مریض محبت بھی اچھا کریں گے

کاں کنوار احقرؔ

کاں کنوار نام، احقرؔ تخلص۔ قوم سے کائستھ تھے۔ سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔ ریاست جودھپور میں محکمہ ملٹری میں سررشتہ دار تھے۔ مہاراج کشور رجو محکمہ ملٹری کے افسر اعلیٰ تھے ان پر بہت مہربان تھے اور اکثر اپنی مصاحبت میں رکھتے تھے۔ مہاراج کشور سنگھ کی زندگی ہی میں کرنل چھجّو خاں کے قتل سے دو سال قبل جودھپور میں ان کا انتقال ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ ان کو امیر مینائیؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ لیکن ان کا معیار شاعری پست ہے لہٰذا اس روایت کی صداقت مشتبہ ہے۔

ان کا کلام سحاب سخن میں چھپتا تھا۔ جس قدر دستیاب ہوا ہے درج ذیل ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مطبوعہ دیوان دیکھنے میں نہیں آیا۔

گردش چرخ سے کب ہم بھی ستیزاں ہونگے
جان دیدیں گے مگر ہم نہ گریزاں ہونگے

چرخ تک آہ شرربار سے میری جل جائے
بخدا جن دلیشر خوف سے بیجاں ہونگے

خال اس ابروئے خمدار کے نیچے نہ سمجھ
داغ عشاق تہ تیغ اب اے جاں ہونگے

دل دھڑکتا ہے کہیں چل جو گئی تیغ نگہ
نیم بسمل کئی ہونگے کئی بیجاں ہوں گے

جب گھڑی چاہ سے وہ یوسف کنعاں نکلا
دیکھنا شمس و قمر دیکھ کے حیراں ہوں گے

خوب ہی اس رُخ روشن پہ ہے سبزے کی بہار
سبز بختی پہ نہال اسکی ہم اے جاں ہوں گے

ادا و ناز اور غمزہ وہ ہر ساعت بتاتے ہیں ۔ مثال برق ہلچل سارے عالم میں مچاتے ہیں
جو فتنہ سو گیا تھا اب وہ پھر بیدار ہوتا ہے ۔ چمن میں فتنہ گر فتنہ کی پھر آمد بتاتے ہیں
سمندر ہو گیا کھاری مرا وہ شور و غوغا ہے ۔ فلک تک میری جانب تاک جھک جھک کر لگاتے ہیں
کھلی رہتی ہیں آنکھیں واہ کیا سونا قیامت ہے ۔ غضب ہے خواب میں بھی فتنہ گر فتنے دگاتے ہیں
تپنے ہم سر سے پا تک شعلہ رویوں کی محبت میں ۔ تعجب ہے کہ جس پر ہم جیلوں کو وہ جلاتے ہیں
کبھی تیغ نگہ سے قتل کرتے ہیں، کبھی اختر ۔ دم رفتار اعجاز مسیحائی دکھاتے ہیں

اللہ رے بیخودی کہ دم گفتگو یہ حال ۔ کچھ کہتے کہتے بھول گئے نامہ بر سے ہم
کچھ آبرو ہے ابر نہیں میرے سامنے ۔ دریا کا کام لیتے ہیں اس چشم تر سے ہم
ہے یاس اب تو جان سے امید وصل ہیں ۔ باز آئے ایسے وعدۂ شام و سحر سے ہم
رکھتا ہے مرغ آہ نہ گو بال و پر مگر ۔ کار پرند لیتے ہیں بے بال و پر سے ہم
وہ راز ہیں کہ چرخ نے ڈھونڈا بہت مگر ۔ آئے نظر نہ مشعل شمس و قمر سے ہم

دکھاتے ہیں اعجاز عیسیٰ وہ چل کر ۔ جتاتے ہیں شور قیامت مچل کر
مرا جی دھڑکتا ہے دہشت سے ہے ہے ۔ قیامت کرے گا یہ فتنہ مچل کر
یہاں تک ہے شورش یہ طوفان اشک اب ۔ کہ آنکھوں سے آیا ہے دریا اُبل کر
وہ رم مثل آہو جو کرتا ہے مجھ سے ۔ یہ آتی ہے دل میں پکڑ لوں اُچھل کر
نہ الجھا عبث زلف بل کھا کے مجھ کو ۔ تو کیا لے گی ہم سے بلا ایسی مچل کر
یہ دریائے چشم اب سمندر بنا ہے ۔ لک اعجاز موسیٰ تو فرعون کو شل کر
بہانے لگے مردم اب اشک پُر خوں ۔ یہ موتی ہوئے آج مرجاں بدل کر
خبر لخت دل کی سناتے ہیں ہر دم ۔ رہیں گے مسافر وہ ساحل پہ چل کر

مجھے ڈر ہے اختر کہیں سر گزرے
نہ بہہ دیدۂ تر سے نالہ نکل کر

دورِ چہارم

رام سروپ مائلؔ

رام سروپ نام ، مائل تخلص ۔ اجمیر کے رہا شندے تھے ۔ ریاست جودھپور کے محکمہ گیرانی میں انسپکٹر تھے اور حضرت شرقی سے اصلاح لیتے تھے ۔ کلام صاف اور سلیس ہے ۔ غالباً صاحب دیوان نہیں ہیں ۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

بنے ہیں عاشقوں کے واسطے وہ جال سنتے ہیں
چھٹے رہتے ہیں ہر دم دوش پر جو بال سنتے ہیں

جو گائے معرفت کے شعر تو نے بزم میں جاکر
ترے عاشق کو آیا مثل صوفی حال سنتے ہیں

دل پژمردہ میرا کیوں نہ مثل غنچہ کھل جائے
شروع کل سے انہیں ہے بارھواں ہم سال سنتے ہیں

مئے گلرنگ سے لو داڑھی رنگیں گے آج اے واعظ
بہت مدت سے تیرے رند قیل و قال سنتے ہیں
غنیمت ہے جو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں وہ مائل
مرے رنج و محن کا جب کسی سے حال سنتے ہیں

غضب یہ ہے عدو کو آجکل وہ منہ لگاتے ہیں   ہمارے سینے کو اس آتش غم سے جلاتے ہیں
کبھی پوچھا نہ اپنے غمزدوں کا حال اے ظالم   کہ مدت سے تری فرقت کے رنج و غم اٹھاتے ہیں
کبھی جادو بھری آنکھیں جو تم اپنی دکھاتے ہو   تو اپنے دلکو پہلو میں نہیں اے جان پاتے ہیں
نہیں معلوم کیا اندھیر ہو پیدا زمانے میں   سنا ہے آج پھر آنکھوں میں وہ سرمہ لگاتے ہیں

بلا میں مبتلا کر کے حقیقت پوچھتے کیا ہو   تمہاری زلف دشمن ہے مرے دلکی گردلکی
مئے دیدار سے تو آج بھر دے جام آنکھوں کا   نہیں اسکے سوا کچھ اور خواہش تیرے سائل کی
نہ نکلا نام کو بھی قطرۂ خوں تن سے اے قاتل   بتا پھر قتل کر لے سے مرے کیا بات حاصل کی
لگا کر دل بتوں سے ایک آفت میں پڑا مائل
بڑے بے درد ہیں کچھ بات بھی سنتے نہیں دل کی

جو کل کی طرح آج جاؤ گے ٹل کر   تو جاں اپنی دونگا اسی دم مچل کر
بتا اب تو باقی نہیں کوئی ارماں   لگے کہنے یوں میری حسرت مسل کر
تماشا دکھاؤ تو شرب خوں کا ہمکو   جما کر کے لاکھا مسّی لب پہ مل کر
شب و روز رہتا ہے کاکل کا سودا
خدا دور مائل سے اس کا خلل کر

اغیار کو کب جام پلایا نہیں جاتا   اک شعلۂ دل میرا بجھایا نہیں جاتا
اس آتش فرقت کا وہ شعلہ ہے بھڑکتا   اشکوں سے کسی طور بجھایا نہیں جاتا
مدت ہوئی غم کھاتے مجھے ہجر میں مائل   اب غم دلِ رنجور سے کھایا نہیں جاتا

لالہ لچھمی نرائن آذر

لچھمی نرائن نام آذر تخلص. قوم کائستھ سکسینہ . لالہ ہر سکھ رائے کے لڑکے تھے. آبا و اجداد کا وطن لٹو تک ہے. وہاں سے ترک سکونت کرکے جودھپور رہیں بود و باش اختیار کرلی تھی. آذر اولاً قصبہ میڑتا سٹی میں اینگلو ورناکیولر اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد رائٹنگ ایجنسی اینڈ بھگوت گیتا و راٹھور نامہ بک ڈپو جودھپور کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے. مولوی سید احمد اسعد ٹونکی کے شاگرد اور دیبی پرشاد بشاش جودھپوری کے سالے تھے کبھی کبھی اپنا کلام بشاش کو بھی دکھا دیتے تھے.

مثنوی گلزار نصیحت، بھگوت گیتا منظوم. گلدستہ بھجن اور ایک دیوان انکی تصنیفات سے ہیں اور غالباً زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں. میری نظر سے صرف مثنوی گلزار نصیحت گزری ہے. جو مثنوی گلزار نسیم کی بحر میں ہے جو ۱۸۹۳ء میں طبع ہوئی تھی.

نمونہ کلام حسب ذیل ہے جو زیادہ تر تذکرہ "آثار شعرائے ہنود" سے ماخوذ ہے.

شور و غوغا بھی شب عشرت و شمن میں نہیں ہائے طاقت دل پر نالہ و شیون میں نہیں
چارہ گر کر مرے زخموں کو رفو خنجر سے جو مجھے چاہئے لذت سر سوزن میں نہیں

زلف پیچاں کا ہوا ہے مجھے سودا جب سے
ایک بھی تار گریباں مری گردن میں نہیں

ستم مجھ پر کئے ظالم نے کیا کیا
نہ یہ پوچھا کبھی ہے مدعا کیا

نہ تھا غیروں کا شکوہ حال دل تھا
سنا کیا آپ نے میں نے کہا کیا

ہے بسمل ہر بشر تیر نگہ سے
ستمگر ہے تری قاتل ادا کیا

جفا کی طرز ہے اک یہ بھی ورنہ
وہ کیا جانے ہے وعدہ کیا وفا کیا

خدا ہے ناخدا کشتی کا اپنی
نہیں ہے خوف طوفان بلا کیا

کبھی گلگشت کو وہ ہمنشیں گلشن میں آتے ہیں
تو گل جامے میں اپنے پھر نہیں پھولے سماتے ہیں

بھری محفل میں میرے سامنے فتنے اٹھاتے ہیں
وہ ملنے کے بہانے سب کو چھاتی سے لگاتے ہیں

الٰہی مدنظر کیا ہے جہاں کی خیر ہو یارب
سنا ہے آج پھر آنکھوں میں وہ سرمہ لگاتے ہیں

نہیں اب اعتبار آزر بتوں کے قول کا بالکل
یہ وہ کافر ہیں قسمیں کھا کے پھر دونا ستاتے ہیں

تری تیغ ابرو کے ایما سے ظالم
ہوئے نیم جاں نوجواں کیسے کیسے

کمراں کی نظر نہیں آتی
کچھ عدم کی خبر نہیں آتی

ہے محبت میں عبث ہندو مسلماں کا خیال
عشق میں رہتا نہیں ہے دیں کا ایماں کا خیال

نامہ شوق ایک دفتر ہے
ہوش اڑ جائے گا کبوتر کا

کیا کروں تصویر کھنچوا کر تری اے غنچہ دہن
میں تو ہوں مشتاق تیرے خندہ و گفتار کا

کہیں بیٹھ جائے نہ بنیاد گردوں !
کہ اشکوں سے طوفان اٹھا چاہتا ہے

انتخاب از مثنوی گلزار نصیحت

حکایت شیر و روباہ

اک شیر شکار کو سحر گہ
نکلا دو گرگ لے کے ہمراہ

تھی لومڑی ایک چپت و چالاک
تھا دوسرا بھیڑیا غضبناک

دونوں تھے بڑے رفیق اسکے
جو کہتا وہ شیر دونوں کرتے !

خوش رکھتے تھے شیر کو ہمیشہ
رہتے تھے وہ دونوں اسکے ہمراہ

فرمایا یہ شیر نے کہ تینوں !
راہی ایک ایک سمت کو ہوں

جو کچھ ہو شکار ایک جا پر
لاکر کریں جمع خوش ہوں کھا کر

ہر اک ایک ایک سمت جا کر
لوٹا خوش خوش شکار پا کر

وہ شیر تو گورخر کو لایا
آہو لئے بھیڑیا بھی آیا !

خرگوش ایک لومڑی نے پکڑا
پھر شیر یہ بھیڑیئے سے بولا

پایا ہے شکار آج کیا خوب
تقسیم ہے اسکی ہمکو مطلوب

کی عرض اس نے جناب عالی
تقسیم تو ہو گئی خود اسکی !

یعنی اس گورخر کو لیں آپ
اور میرا ہرن مجھی کو دیں آپ

خرگوش وہ لومڑی کو دیجئے
تقسیم انھیں اسطرح سے کیجئے

سنکر یہ حساب شیر بگڑا
تھپڑ وہیں بھیڑیئے کے مارا

تن سے ہوا بھیڑیئے کا سر دور
تھا بر سر ظلم شیر مغرور

بعد اس کے وہ لومڑی سے بولا
کر تو تقسیم ان کو اچھا

اس نے کہا ہے درست قسمت
کھائیں ابھی گورخر کو حضرت

آہو شب کے لئے رکھیں آپ
خرگوش کا ناشتہ کریں آپ

خوش شیر ہوا یہ سن کے تقسیم بولا تجھے کس نے دی یہ تعلیم
کی عرض کہ رہنما ہوا ہے
یہ گرگ جو سامنے پڑا ہے

لالہ شام سندر لعل سرخوش

شام سندر لعل نام سرخوش تخلص، لالہ متھرا پرشاد کے لڑکے تھے قوم سے کائستھ سکسینہ تھے۔ وطن قدیم قصبہ پلکھنہ ضلع علی گڑھ ہے۔ مگر وہاں سے ترک سکونت کر کے جودھپور میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ریاست کے محکمہ اجلاس خاص میں اہلمد تھے شاعری میں حضرت شرقی سے اصلاح لیتے تھے۔ مولانا شرقی کی زیر ادارت جو ماہانہ گلدستہ "سحاب سخن" نکلتا تھا۔ سرخوش اس کے مہتمم یا نائب مدیر تھے

پنڈت دیبی پرشاد بشاش نے اپنے تذکرہ "آثار شعرائے ہنود" میں جو ۱۸۸۵ء میں چھپا تھا۔ ان کا تخلص ہجر لکھا ہے اور نمونہ کلام میں صرف ایک شعر پیش کیا ہے ؎

جب شب فرقت میں گھبراتے ہیں ہم
زلف کی مانند بل کھاتے ہیں ہم

مگر "سحاب سخن" میں جو ۱۸۸۹ء میں شائع ہوتا تھا۔ ان کی غزلیں سرخوش کے تخلص سے پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے پہلے ہجر تخلص کرتے ہوں اور بعد میں

بدلکر سرخوش تخلص کرلیا ہو۔

ان کا کوئی مطبوعہ دیوان دیکھنے میں نہیں آیا۔ صرف "سحاب سخن" میں ان کی غزلیات پائی جاتی ہیں۔ جس قدر بھی کلام دستیاب ہوسکا درج ذیل ہے کلام میں صفائی اور سلاست ہے۔ کہیں کہیں تعقیدات اور حشو و زوائد بھی ہیں ؎

برق و باراں کے مہیا ابھی ساماں ہونگے ۔ میرے رونے پہ ذرا آپ جو خنداں ہونگے
حضرتِ دل نہ بتوں سے رکھو امیدِ وفا ۔ کس کے یہ یار بھلا دشمنِ ایماں ہونگے
آپ تشریف نہ لائیں گے تو یہ رنج و محن ۔ آکے پھر خانۂ دل میں مرے مہماں ہونگے
بخدا زلف کے اس لام سے ہے کام ہمیں ۔ لاکھ گر کوئی کہے ہم نہ مسلماں ہونگے

دادِ اشعار کی تیرے وہی دینگے سرخوش
جو زمانے میں سخن سنج و سخنداں ہونگے

جبیں پر چمکے افشاں جو نقاب اپنا اٹھاتے ہیں
ستارے عرش کے چرخِ بریں پر تلملاتے ہیں
یہ کیسی کج ادائی اے خدا دی ہے حسینوں کو!
کبھی آنکھیں دکھاتے ہیں کبھی ابرو چڑھاتے ہیں
کریں گے خون وہ اپنے عاشقِ شیدا کا دم بھر میں
سنا ہے آج پھر ہاتھوں میں وہ مہندی لگاتے ہیں
قسم مجھکو میں دیوانہ ہوں تیری زلفِ پرخم کا!
یہ سچ ہے جو ترے کاکل کا سودائی بتاتے ہیں
تلاشِ بت میں اے واعظ عجب حالت ہے ان روزوں
کبھی کعبہ کو جاتے ہیں کبھی بتخانہ جاتے ہیں

بہار گل ہیں جب تجھکو نہیں پاتے گلستاں میں
جنوں انگیز فریادیں ترے عاشق مچاتے ہیں

چوٹ وہ کھائی ہجر میں غم کی — خبر آتی نہیں نظر دم کی
خود چلے آئے وہ مرے گھر پر — دیکھی تاثیر چشم پر نم کی
اشک ٹپکے ہیں ہجر میں ایسے — بوندیں پڑتی ہیں جیسے شبنم کی
اے قمر حسن پر نہ نازاں ہو — چاندنی ہے فقط کوئی دم کی
حالتِ زار دیکھکر میری — خون روتی ہے آنکھ عالم کی
زخم ابرو کا رہنے دے دل پر — چارہ گر فکر کر نہ مرہم کی
لطف انگیز ہوتی ہے صاحب — وصل میں چھیڑ چھاڑ باہم کی

گر ہے سرخوش تجھے جناں کی ہوس
بندگی کر حضرت ائے عالم کی

وصالِ یار میں اے دل بہت اشکال سنتے ہیں
نہ بدلے گی کبھی اس آسماں کی چال سنتے ہیں
نقاب اسکی ہٹے اے یارو کہیں آتش نہ لگجائے
رخِ روشن کو انگاروں سے زیادہ لال سنتے ہیں
اثر کیا خاک دشمن کی نظر کا ہو انھیں اےدل
سپندِ چشم بد کو ان کے رخ پر خال سنتے ہیں
انہیں معلوم کیا جادو بھرا ہے انکی آنکھوں میں
نظر ملتے ہی دل لیتے ہیں ایسا حال سنتے ہیں
شہادت کے لئے دل دھوم سینے میں مچاتا ہے
تمہارے ابروئے خمدار کا جب حال سنتے ہیں

دل واعظ کو سودا کیا ہوا زلفوں کا پیری میں
ہوئے ہیں کاسۂ چینی میں پیدا بال سنتے ہیں

زکوٰۃ حسن لیں گے ہم بھی اے سرخوش اسی بنت سے
جسے ہم حسن کی دولت سے مالا مال سنتے ہیں

ارمان شہادت کا نکل جائے تو اچھا
گر حلق پہ خنجر ترا چل جائے تو اچھا

محفل سے عدو اس کے جو ٹل جائے تو اچھا
کچھ دیر ہی دل میرا بہل جائے تو اچھا

ہو گردش قسمت مرے دشمن کو الٰہی
قسمت کا لکھا یونہی بدل جائے تو اچھا

اے مرغ سحر شور مچا یوں نہ شب وصل
ارمان مرے دل کا نکل جائے تو اچھا

جس آنکھ میں چاہت ہو تری دیدۂ دلبر
وہ آنکھ ترے تلووں سے مل جائے تو اچھا

دشمن کو بٹھا لیتے ہیں پہلو میں خوشی سے
اور مجھ سے یہ کہتے ہیں انہیں ٹل جائے تو اچھا

ہے اسکو یہ تکرار کہ جاتا ہوں ابھی میں
سرخوش کی تمنا ہے نکل جائے تو اچھا

پہلو کو خالی دیکھا جو اس گلعذار سے
شدت جنوں کی ہو گئی پیدا بہار سے

الفت ہوئی ہے دل کو جو گیسوئے یار سے
کیونکر دھواں اٹھے نہ مرے قلب زار سے

دیگا ڈبا یہ کشتی مہ کو بس اے فلک
دریا ہوا رواں جو مری چشم زار سے

فرقت میں دلربا کی یہ حالت ہوئی مری
قطرے ٹپکتے خون کے ہیں چشم زار سے

ساقی خدا کے واسطے اب جلد دے شراب
لے دیکھ وہ اٹھی ہے گھٹا کوہسار سے

نہ کیجئے نگہ ترچھی تیور بدل کر!
جو ہو قتل کرنا تو کیجے سنبھل کر

ہیں شوریدہ سر ہوں جنوں جوش پر ہے
بیاباں میں کیونکر نہ جاؤں نکل کر

نہ ہو کارگر تیغ وہ سخت جاں ہوں
لگانا ذرا ہاتھ قاتل سنبھل کر

خدایا یہ کیا کج ادائی ہے ان کی
شبِ وصل بھی بیٹھے چتون بدل کر

شبِ ہجر غم کی ہوئی ایسی شدت
مری چشم سے آیا دریا اُبل کر!

چلے دورِ مے اس قدر آج مستو
گرے دور واعظ کی پگڑی اچھل کر

شبِ ہجر میں بیقراری نے مجھ کو
نہ لینے دیا چین کروٹ بدل کر

رکھا کیا ہے واعظ کی باتوں میں سرخوشؔ
کرو دخترِ رز سے باتیں تو چل کر

ہاں فصل میں وحشت کو گھٹایا نہیں جاتا
اور چاک گریباں کو سلایا نہیں جاتا

پہلو میں مجھے اپنے بٹھایا نہیں جاتا
ہاں دردِ دلِ غیر اٹھایا نہیں جاتا

دیکھو تو چلی آتی ہے کیا فصلِ بہاری
دیوانو! ذرا شور مچایا نہیں جاتا

انداز تری چال کا وہ رشکِ قمر ہے
جو کبک دری سے بھی اڑایا نہیں جاتا

اس کافر سفاک نے در پردہ دل میں!
زخم ایسا کیا ہے کہ دکھایا نہیں جاتا

اس درجہ مجھے شوقِ شہادت ہے شب روز
سر قدموں سے قاتل کے اٹھایا نہیں جاتا

خوں ہو کے بہے گا مرے اب دیدۂ تر سے
غم دل میں جو پنہاں ہے چھپایا نہیں جاتا

اس رنج و الم حسرت و ارمان کا قصہ کا
دل میں ہے مگر مجھ سے بتایا نہیں جاتا

بیچین وہ اغیار کے پہلو میں ہو کیونکر
نالوں میں اثر اب مجھے پایا نہیں جاتا

یوں کہنے کو سرخوشؔ تو ہزاروں میں سخنور
پر شہرتِ ساعت عالم میں تو پایا نہیں جاتا

نقاب اپنا الٹ کر گرد کھا دو رُخِ تاباں کو
فلک پر روشنی ہو جائے میلی ماہِ کامل کی

مرا یوسف لقا جب سے ہوا نظروں سے پوشیدہ
ہوئی ہے روتے روتے روشنی کم آنکھ کے تل کی

کبھی جب زخم دل جوشِ جنوں میں سبز ہوتے ہیں
تو آتی ہے دہانِ زخم سے آواز قاتل کی

خدا کے واسطے اے جان چل آہستہ آہستہ
نہ کشتے جی اٹھیں سنکر تری آواز پائل کی

رضا حسنین بیدل

رضا حسنین نام بیدل تخلص. مولوی عبدالحئی بیخود کے بڑے صاحبزادے تھے. نسباً صدیقی. مذہباً حنفی اور مشرباً قادری تھے. بدایوں میں پیدا ہوئے اور ایام طفولیت ہی میں اپنے والد اور دیگر اعزا و اقارب کے ہمراہ بعہد ہز ہائینس مہاراجہ سردار سنگھ بہادر ۱۸۹۱ء (مطابق ۱۳۰۹ھ) میں جودھپور میں آئے. اور یہاں کی بود و باش اختیار کر لی.

ان کی تعلیم و تربیت جودھپور میں ہوئی. اردو اور فارسی کے علاوہ عربی میں بھی دستگاہ تھی. انگریزی میں اگرچہ کوئی ڈگری حاصل نہیں تھی مگر اچھی قابلیت رکھتے تھے. ان کے والد بیخود بدایونی کی حسن خدمات کے اعتراف میں بیدل کو ریاست کے محکمہ عالیہ خاص میں محرری کی جگہ مل گئی جس منصب پر یہ ۱۹۲۸ء تک فائز رہے. بچپن میں ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا جسکی وجہ سے ان کے بدن کا حصہ زیریں بتدریج مفلوج ہوتا چلا گیا

تا آنکہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے۔ ایک ٹھیلے میں بیٹھ کر نقل و حرکت کرتے تھے جس کو ان کا ملازم چلاتا تھا ۱۹۲۶ء میں ملازمت سے سبکدوش کرنے کے بعد سرکار جودھپور نے تیس روپے ماہانہ پنشن کر دی تھی جو زندگی بھر ملتی رہی

ذوق سخن ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ سب سے پہلے مرزا غالب کے تلمیذ رشید نواب سید محمد ذکریا خاں ذکی سے اصلاح سخن لی۔ ان کے انتقال کے بعد اپنے والد سے اصلاح لینے لگے۔ بعد ازاں جناب احسن مارہروی تلمیذ داغ کے آگے زانوئے ادب طے کیا۔ مگر احسن مارہروی کی شاگردی برائے نام ہی تھی صرف چند غزلیں دکھلائیں، پھر طبیعت خود مصلح ہو گئی اور اصلاح و تلمذ سے مستغنی ہو گئے احسن مارہروی کی شاگردی اختیار کرتے وقت داغ زندہ تھے۔ یہ چاہتے تو داغ کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو سکتے تھے۔ مگر چونکہ داغ سے ان کے والد کو تلمذ حاصل تھا اسلئے ان کا زمرۂ تلامذہ میں داخل ہونا سوئے ادب سمجھ کر رسماً داغ کے شاگرد کی شاگردی اختیار کی۔

مولانا بیدل باوجود جسمانی معذوری کے ہر قسم کی علمی و ادبی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے دم سے جودھپور میں شعر و سخن کی گرم بازاری تھی۔ وہ نہ صرف مشاعروں کی شرکت میں دلچسپی لیتے تھے بلکہ ایک مدت تک ان کے والہ و شیدائی تھے۔ انہوں نے ایک انجمن قائم کر کے ماہانہ مشاعروں کا آغاز کیا تھا جن میں طرحی و غیر طرحی کلام سے ارباب ذوق کی ضیافت طبع کا سامان مہیا کیا جاتا تھا۔ ان مشاعروں میں مقامی شعراء کے علاوہ اجمیر ناگور، پالی وغیرہ کے شعرا بھی شریک ہوتے تھے۔ مولانا کی فاضلانہ علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انجمن اسلامیہ جودھپور نے ان کو صدر الشعرا کے خطاب سے نوازا تھا۔

ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا چند ممتاز تلامذہ کے اسمائے گرامی ذیل کو نا ہوں ۔

۱۔ پیرزادہ تنیر محمد خاں اختر پہلے شرقی کے شاگرد تھے ۔ پھر بیدل سے اصلاح لینے لگے ۱۹۳۴ء میں استاد کے عہد حیات ہی میں انتقال کر گئے ۔

۲۔ منشی عبد الباری تنہا ۔ تلامذہ بیدل میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے نیز استاد کے خلیفہ و جانشین بھی ۱۵ جنوری ۱۹۵۵ء کو کراچی میں انتقال کیا۔

۳۔ قاضی عبد الحمید تاباں ۔ ۱۹۵۶ء میں بمقام جودھپور فوت ہوئے

۴۔ شیخ محمد ابراہیم ابرار ۵۔ ولی محمد انور غوری ۶۔ محمد زماں خاں اختر ۷۔ سید ریاض الحسن نیر ۸۔ سید محمد مرغوب اختر ۹۔ سید اکبر علی اکبر ۱۰۔ موہن لال کوبی ۱۱۔ حکیم عبد اللطیف اختر ۱۲۔ کفایت اللہ کفایت ۱۳۔ عبد الغفار قمر ۱۴۔ حکیم عزیز الرحمن عزیز ۱۵۔ قمر الاسلام قمر ۱۶۔ منشی مقبول حسین مقبل ۱۷۔ طالب حسین طالب

مولف کتاب ہذا کو بھی حضرت بیدل کے تلمیذ ہونے کا شرف حاصل ہے

بیدل مشاعروں کی شرکت کے اسقدر دلدادہ تھے کہ کوئی مشاعرہ ایسا نہیں ہوتا تھا جو ان کی موجودگی سے خالی ہو ۔ لیکن اگست ۱۹۴۲ء میں ان کے دل میں یکایک کچھ ایسا خیال پیدا ہوا کہ اپنے پسندیدہ مشغلہ (مشاعرہ) کو ہمیشہ کے لئے ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وطن قدیم بدایوں جانے کا عزم فرمایا ۔ یہ مولانا کے بدایوں جانے کا پہلا اتفاق نہ تھا ۔ بلکہ ہر دو تین سال کے وقفہ کے بعد بدایوں کا ایک چکر لگا لیتے اور ماہ دو ماہ قیام کر کے واپس آجاتے مگر کچھ قدرتی بات تھی کہ اس مرتبہ مولانا کا جانا ہر شخص کی طبیعت پر شاق گزر رہا تھا اور ہر ارادتمند قلب درد فراق کی کسک محسوس کر رہا تھا چنانچہ ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو تمام شعرائے جودھپور اور محبانِ بیدل نے ایک

الوداعی جلسہ منعقد کرکے اپنی عقیدت وارادت کا اظہار کیا۔ اس موقعہ پر مولف تذکرہ ہٰذا نے بھی دو نظموں میں اپنے جذبات کی ترجمانی کی تھی۔ جن میں سے ایک نظم جس میں بیدلؔ کے مقام شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے درج کرتا ہوں

بیدلؔ بدایونی

قائم ترے وجود سے بزمِ سخن کی رونقیں
بزمِ سخن کی رونقیں اس انجمن کی رونقیں

تیرے بغیر زینت و رونق انجمن کہاں
شاعرِ بے بدل ہے تو تجھ سا کمالِ فن کہاں

شہرہ ہے جابجا تری نثر کا اور نظم کا
صدر ہیں تجھکو مانتے علم وادب کی بزم کا

تیرا کلام جانفزا دلکش و دلپسند ہے
پایۂ شاعری ترا نہایت بلند ہے

داغؔ کا حسنِ شعریت تیرا حسیں بیان ہے
میرؔ کے غم کا فلسفہ تیرے سخن کی جان ہے

حکمت رسی کلام میں غالبؔ نکتہ داں کی ہے
پاکیزگی بیان میں ذوقؔ سے خوش بیاں کی ہے

شاعرِ بے نظیر ہے اور ادیب لاجواب
خود تو جو ہے سو ہے ہی ہے غیر ہیں تجھ سے فیضیاب

جس پہ ذرا نظر جو کی کاملِ فن بنا دیا
ناآشنائے شعر کو اہلِ سخن بنا دیا

وسعتیں تو نے دیں یہاں علم وادب کے نور کو
ناز ترے وجود پر خطۂ جودھپور کو!

کسے خبر تھی کہ ۹ راگست کا یہ جلسہ حقیقتاً جلسۂ الوداعی ہوگا اور اس کے بعد ہمیں اس قابل قدر ہستی کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔ مولانا ارادتمندوں کی ایک بڑی جماعت کو چھوڑ کر بدایوں روانہ ہوئے۔ صحت پہلے بھی کچھ ٹھیک نہ تھی وہاں اور زیادہ گر گئی۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۴۲ء کے آخر میں مراجعت کا قصد کیا اور بدایوں سے روانہ ہو گئے۔ مگر قدرت کو اور ہی منظور تھا اثنائے سفر جودھپور ہی میں راہی سفر آخرت ہو گئے۔ یہ حادثہ ۳۰ راکتوبر ۱۹۴۲ء کو پیش آیا۔ جسدِ خاکی بدایوں لیجایا گیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ اس حادثہ فاجعہ

پر خلیل الرحمٰن ثروت عباسی بدایونی نے متعدد قطعات تاریخ کہہ کر اپنے دلی جذبات رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ ان قطعات کا مجموعہ کتابی صورت میں "اشکِ غم" کے تاریخی نام سے چھپ چکا ہے۔ راقم السطور نے بھی ایک قطعہ تاریخ کہا ہے جو ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے ؎

ادیب نواز یگانہ سخنور یکتا
فریدِ عصر سخن مردِ زیرک و دانا

وہ جانِ نظم ادب نشانِ بزمِ ادب
وہ نورِ چشم ادب علم شعر کا دریا

وہ خوش نہاد و خوشخو وہ مردِ نیک منش
وہ کانِ خلق مروت وہ شانِ صدق و صفا

وہ یعنی حضرتِ بیدلؔ ادیب لاثانی
کہ جن کے علم و ادب کا تھا چار سو شہرا

گئے تھے چھوڑ کے ہم کو بدرد مجبوری
یہ کہہ گئے تھے "بہت جلد واپس آؤں گا"

گزر گیا جو بدایوں میں عرصۂ دو ماہ
تو حسب وعدہ ارادہ مراجعت کا کیا

مگر تھا امرِ الٰہی کو اور ہی منظور!
لکھا تھا دفترِ قسمت میں داغ فرقت کا

وہ آرہے تھے بدایوں سے واپس اس جانب
کہ راستے میں ہوئے راہی جہانِ بقا

ہوئی جو قلب فسردہ کو فکر سالِ وفات
سرِ سکوت اٹھا کر "غمِ فراق" کہا

۱۴۲۱-۶۰ = ۱۳۶۱

بیدلؔ کے حالات زندگی نامکمل رہیں گے اگر ان کے اخلاق کا بیان نہ کیا جائے۔ یہی ایک ایسی چیز تھی جس میں مرحوم کی زندگی کا سب سے زیادہ روشن پہلو نظر آتا ہے۔ یہ مجسمۂ اخلاق تھے بلکہ دوسرے لفظوں میں اگر چند انسانی کمزوریوں کو جن سے کوئی فرد و بشر خالی نہیں نظر انداز کر دیا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بیدلؔ خلق نبوی کا نمونہ تھے۔ متواضع لوگوں سے ملنے میں نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے ملکر خوش ہوتا تھا

ان کی طبیعت کو جب کسی سے کسی معاملہ میں رنج پہونچتا تو فوراً بلا تامل ٹٹیلے میں
میں سوار ہو کر اس شخص کے پاس جاکر اس کا اظہار کر دیتے۔ صفائی ہو جانے پر طبیعت
بہت جلد صاف ہو جاتی۔ بیدل کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ دار تھا۔ جو بات
دل میں ہوتی وہ چہرے پر عیاں ہو کر زبان پر آجاتی تھی یہ نہ تھا کہ ؎

عداوت نہاں دوستی آشکارا　　　غرض کی تواضع غرض کی مدارا

حکام ریاست میں ان کو کافی رسوخ حاصل تھے اکثر ضرورت مند اصحاب ان
کو حکام کے پاس لیجاتے اور یہ بخوشی سفارش کے لیئے تیار ہو جاتے کبھی معذوری
کا عذر نہ کرتے۔

شاگردوں کے ساتھ ان کا تعلق استاد و شاگرد کا سا نہ تھا۔ بلکہ دوستانہ
تھا۔ ہر شخص کے ساتھ بڑی محبت اور خلوص سے پیش آتے۔ سید جمیل احمد طاؔہر
جو اطہر ہاپوڑی کے شاگرد تھے اپنے قیام جودھپور میں ہمیشہ بیدؔل سے اصلاح
لیتے رہے مگر انہوں نے کبھی ان کو اپنے زمرۂ تلامذہ میں شامل نہیں کیا اور اپنی
اصلاح کو دوستانہ مشورہ ہی کہتے رہے۔

بیدؔل بلا کے ذہین۔ قادر الکلام اور پُر گو شاعر تھے۔ ایک ہی نشست
میں سینکڑوں شعر کہہ ڈالتے۔ ان کی پُر گوئی پر قاضی کبیر احمد کبیؔر نے ایک
شعر میں بڑا لطیف طنز کیا ہے ؎

خیر الامور اوسطہا پر نظر کبیؔر　　　حضار کہہ نہ دیں کہ غزل کیا عذاب ہے

اگرچہ ان کا تعلق داغ اسکول سے ہے جس کے وہ عمر بھر معترف و مداح
رہے مگر شعوری یا غیر شعوری طور پر انہوں نے مومؔن و غاؔلب کو مشعل راہ بنایا
ہے اور زیادہ تر ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے رنگ سخن کو سمجھنے کے لئے
یہاں ایک واقعہ کا اظہار ضروری ہے۔ ایک روز غاؔلب کے رنگ سخن کی بات

چلی ۔ میں نے عرض کیا کہ غالبؔ کے دو رنگ تھے ۔ ابتدا میں ان کے کلام میں دقت پسندی اور فارسی کی ثقیل اور نامانوس ترکیبوں کا استعمال کثرت سے ہے اور بعد کے کلام میں نسبتاً سلاست ہے ۔ فرمایا نہیں غالبؔ کا ایک ہی رنگ ہے وہ مضامین کے بادشاہ تھے "آتے تھے غیب سے جو مضامین خیال میں" ان کو سلیس زبان میں ادا کرنے کے لئے کئے اگر موزوں الفاظ نہیں ملتے تھے تو وہ فارسی کا سہارا لیتے تھے ۔ وہ محض زبان کے رکھ رکھاؤ کے پیش نظر مضمون کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔ اسی نظریہ کا تتبع بیدلؔ نے بھی کیا ہے ان کے ہاں بھی فارسی ترکیبوں کی بھرمار ہے مگر بڑی شگفتگی کے ساتھ مثلاً ؎

متحیر ترے جلووں سے عقول عشرہ — شش جہات نہ مکاں آئینہ خانہ تیرا

ارمانِ عشق مطلعِ نظمِ حیات تھا — حرمانِ عشق مقطعِ دیوانِ زندگی

خونِ صد آرزو یک سرخیِ افسانۂ دل — شغلِ جاں باختگی بازیِ طفلانۂ دل

دیکھو پائے جو کہیں رفعتِ کاشانۂ دل — کعبہ لبیک زباں ہو بدرِ خانۂ دل

جب سلاست زبان پر آتے ہیں تو سہل ممتنع کے بڑے بڑے عمدہ جواہر پارے پیش کرتے ہیں مثلاً ؎

محبت بادباں ہے دل سفینہ — سلامت ہے یہ کشتی بادباں تک

گلے مل جاؤ قصہ مختصر ہو — بڑھیں گے ہم کھچو گے تم جہاں تک

چمن میں اب نہ بجلی ہے نہ آندھی
بلائیں سب گئیں میرے آشیاں تک

ایک ہے مجھکو دل رہا نہ رہا — ایک ہوں دل کو میں ہوا نہ ہوا

بے وفا تجھ سے کیا وفا کی امید — کبھی وعدہ ترا وفا نہ ہوا

کلام میں مضامین کا تنوع ہے ۔ ہر رنگ کے اشعار ان کے کلام میں ملتے ہیں یا تو

قنوطیت میں فانی کے ہمنوا نظر آتے ہیں مثلاً ؎

اس ڈوبنے والے کی حسرت کو کوئی دیکھے ــــ جس ڈوبنے والے کو ساحل نظر آتا ہے

اے دل کسے ہے اب یہاں ارمان زندگی ــــ دیکھا پڑا ہے خواب پریشان زندگی

حسرت انجام کار دیکھئے کب تک رہے ــــ بھر گیا دل دیکھ لی صورت آغاز کار

زندگی مستعار دیکھئے کب تک رہے ــــ ہے یہ سزا عارضی عارضی اسکا وجود

اے اجل ایسے میں آجا تیرا احساں ہوگا ــــ دل بیکس نہ حریف شب ہجراں ہوگا

تصوف اور حقائق و معارف پر بھی بہت سے اشعار ملتے ہیں !

مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

ساقی کی چشم مست کے قرباں جائیے ــــ ملے اک نظر میں قصۂ زہد دراز تھا

وہی اک جلوہ ہے جسکا نام پردہ کر دیا ــــ نور وحدت کی تجلی سے ہے کثرت جلوہ بار

معاملات حسن و عشق کو اس طرح ادا کرتے ؎

لینے کو ہے پھر کروٹ دنیا مرے ارماں کی

پھر موج تبسم کی ان ہونٹوں پہ لہرآئی

شیرازہ بہسام کا آخر تو بکھرنا ہے

اے حسن خمار آگیں لے چک کہیں انگڑائی

اے نگاہ شرم جاناں تو نے یہ کیا کر دیا ــــ آشکارا سب مرا راز نہفتہ کر دیا

باتوں باتوں میں اس نے ٹالی بات ــــ آنکھوں آنکھوں میں ہو گئے اقرار

ان کی ہر بات میں نرالی بات ــــ ان کے ہر ناز میں نیا انداز

ان کا مجموعۂ کلام جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے بڑا ضخیم ہے۔ غزلیات، رباعیات، قطعات وغیرہ کے علاوہ نظموں کا بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ غزلیں زیادہ تر قدیم روائتی رنگ میں ہیں

مگر نظموں کا معیار بلند ہے ۔ قومی ۔ مذہبی ۔ عاشقانہ غرض کہ ہر موضوع پر کافی نظمیں کہی ہیں ۔ میرے پاس ان کا مکمل کلیات جو غیر مطبوعہ ہے موجود نہیں ہے ۔ لہٰذا نمونہ کے طور پر ان کی طویل نظم "نخل ماتم" کے چند بند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اس نظم کا پس منظر ایک اطالوی رومان ہے جو کچھ اس طرح پر ہے کہ دو بھائیوں نے اپنی بہن ازابیلا کو بخوف تقاسمۂ املاک اسکے عاشق صادق سے شادی نہ کرنے دی اور حرماں نصیب عاشق کو تہ تیغ کر دیا ۔ ازابیلا اس واقعۂ جانگداز سے باخبر ہو کر اپنے عاشق کا سر لے آئی اور اسکو ایک گملے میں رکھکر بنفشہ کا پودا اس میں لگا دیا ۔ اور اسکو آنسوؤں سے سینچنے لگی ۔ بیکس و مظلوم ازابیلا کے جذبات کو مولانا نے اس نظم میں ظاہر کیا ہے ؎

اے نہال یاس و حرماں اے محبت کے ثمر　　اے نتاجِ نامرادی مثمرِ دردِ جگر
باغِ عالم میں رہے سرسبز تو شام و سحر　　ہو یونہی بے ساز و برگی میری تجھ سے بارور
کشت زارِ غم میں ہو بالیدگی حاصل تجھے
تجھ سے میری نامرادی پھولتی پھلتی رہے

تجھ کو میرے عاشقِ برگشتہ قسمت کی قسم　　تجھکو میرے بادیہ پیمائے غربت کی قسم
تجھکو میرے کشتۂ شمشیرِ حسرت کی قسم　　تجھکو میرے جذبۂ عشق و محبت کی قسم
تو سرورِ جاودانِ عیش و عشرت بن کے پھل
تو بہارِ بے خزانِ عیش و عشرت بن کے پھل

سر نہاں تیرا سر ہے عاشق جانباز کا　　تجھ سے قائم ہے نشاں پامالِ سرفراز کا
تجھ سے قامت میں نمونہ سروِ قدِ ناز کا　　یعنی تو نخلِ عزا ہے عاشق دمساز کا
اس قتیلِ جور کے ہیں بھی عزادار دل میں ہوں

تو اگر ہے نخلِ ماتم ہم ہوا داروں میں ہوں

تصانیف بیدل جو تمام تر غیر مطبوعہ ہی ہیں۔

۱۔ کلیاتِ بیدل۔ بیدل کی منظومات کا ضخیم مجموعہ۔ اس میں غزلیں۔ نظمیں قطعات۔ رباعیات اور تضمینیں جو غالب۔ اقبال۔ فانی۔ جگر اور دوسرے مشہور شعرا کے کلام پر کی گئی ہیں شامل ہیں۔

۲۔ میلاد شریف۔ بحرِ طویل میں ایک مسلسل نظم۔

۳۔ عالم آشوب۔ یہ ایک طویل اصلاحی مثنوی ہے جس میں قوم کے تنزل و پستی کے اسباب بیان کر کے درس بیداری دیا ہے یہ نظم ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مگر نامکمل ہے۔ تقریباً پانچسو سے زیادہ اشعار ہیں۔

۴۔ مجموعہ رقعاتِ بیدل۔

۵۔ مضامینِ بیدل

ایک نمونہ کلام ملاحظہ ہو ے

مدحِ ممدوحِ خدا

وصف کس سے ہو بیاں حسنِ خود آرا تیرا
نقش از رنگِ تحیر ہے سراپا تیرا

نورِ مطلق کا تو آئینہ ہے قدِ آدم
صنعِ کامل کا ہے کھینچا ہوا نقشا تیرا

متحیر ترے جلووں سے عقولِ عشرہ
شش جہات نہ مکاں آئینہ خانہ تیرا

نوق صد فوق حقائق وہ حقیقت تیری
حدِّ ادراک سے بالا وہ معما تیرا

گلشنِ کن کی بہاریں تری ممنونِ کرم
بزمِ امکاں میں بہر سو ہے اجالا تیرا

مو بمو ہے تو ہی تفسیرِ علیٰ صورتہٖ
من رانی ہے سراپردہ جلوا تیرا

قاب توسین سے ظاہر تری قربت کا علو
اُدنُ منی سے عیاں رتبۂ بالا تیرا

کون ہے جو ترا پروانہ نہیں شمعِ جمال
ہے نگیں خاتم ہر دل کا سویدا تیرا

حسنِ یوسف ترا اک رشحۂ اسطارِ جمال
کیف یک قطرۂ مے عشق زلیخا تیرا

ہے بشر ہونا ترے روئے حقیقت کی نقاب
تجھکو کیا دیکھ سکے دیکھنے والا تیرا

اللہ اللہ شان گر ترا نقش خوبی
ہوا نقاشِ ازلی گرم تماشا تیرا

شور تنہا نہ ترا عالم ایجاد میں ہے
کل خدائی کو سہارا ہے سہارا تیرا

تو وہ خورشید ہے ہر ذرہ ہے تیرا خورشید
تو وہ دریا ہے کہ ہر قطرہ ہے دریا تیرا

سنگ خارا میں امانت تری الفت کے شرر
کون سے قلب میں بھڑکا نہیں شعلا تیرا

تیرے پرتو ہوا خاک کا پتلا مسجود
آتشی راندہ ہوا قہر کا مارا تیرا

جس سے منکر ہوئے افلاک امانت ہے وہ تو
مشتری جس کا تھا آدم وہ ہے سودا تیرا

آگ پانی میں لگائے ترا ادنیٰ اعجاز
بحر گلخن کو کرے دم میں اشارا تیرا

شان اعجاز نمائی پہ اگر تو تل جائے
ابھی ہر نقش قدم ہو ید بیضا تیرا

پردگی طور تجلی کی بنے پردہ دری !
پردہ گر رخ سے اٹھا دے کہیں جلوا تیرا

ما عرفنا بحقیقت ہے حقیقت تیری
ما عبدنا کا مقر کیوں نہ ہو بندا تیرا

کل جو آنی ہے قیامت وہ بلا سے آج آئے
فاش اے حسن بس اب ہونا ہے پردا تیرا

تو محمد ہے سزاوار مقام محمود !
مشتق اسم احد نام ہے تیرا تیرا

احمد و حامد و محمود و محمد ہے تو ہی
تو وہ یکتا ہے کہ معدوم ہے سایا تیرا

حمد تجھکو ہے سزاوار محق نعت کا تو
منقبت جتنی تری کیجئے حصہ تیرا

حق یہ ہے تیری حقیقت کو خدا ہی جانے
شمۂ وصف بیاں ہو نہیں سکتا تیرا

تو شجر انبیا ڈالے عرفا ہیں شاخیں
ظل رحمت جسے کہئے وہ ہے سایا تیرا

شہدا گل ہیں ثمر غوث ہیں غنچے اقطاب
رنگ نیرنگ ہر اک سب سے نرالا تیرا

برگ ابدال ہیں اوتاد شگوفے ہمہ سر
ہے ہر اک غنچہ شگوفہ چمن آرا تیرا

رول کر لائی ہے دریائے مضامین تازہ
طبع لہرائی ہے ہاں لکھئے سراپا تیرا

زرقِ خوبی ہے ترا حاملِ سرِ لاہوت
کنزِ مخفی کا خزانہ ہے کہ سینا تیرا

جلوے پنہاں تری صورت میں ہیں وجہ اللہ کے
صبغت اللہ ہے رنگ اے گلِ رعنا تیرا

آبروئے صبحِ سعادت کی جبینِ پرنور
اوج طالع کا درخشاں ہے ستارا تیرا

غیرتِ صبحِ ازل ہے ترے عارض کی بہار
رشکِ شامِ ابد زلف کا لٹکا تیرا

قبلۂ طاعتِ عشاق ہے چشم بد دور
بے تکلف خمِ ابروئے دل آرا تیرا

چشمِ پیمانۂ مے وہ کہ دو عالم سرشار
کردہ تاراج بہ یک غمزہ خرابات را

دلِ یک خلقِ خدا تیرِ مژہ کا بسمل
لبِ اعجاز ہے اعجازِ مسیحا تیرا

ہاتھ سے تو جسے چھو لے یدِ بیضا ہو جائے
ید قدرت پہ محقق سلہ ہے صدقا تیرا

مدح انگشت میں تیری نہیں جائے انگشت
جاری ہر ایک سے رحمت کا ہے چشما تیرا

ہمگی ساعد و بازو بر و دوش و گلو
نور کے سانچے ہیں ہر عضو ہے ڈھالا تیرا

گومگو کا ہے عجب تیری کمر کا مضمون
بند ہے ہونے پہ نکل جاتا ہے پٹکا تیرا

آئینہ کا مہ زانو ہے تحیر کا مقام
مرأت سر حقیقت ہے یہ گویا تیرا

ساق پر نور کا عالم تری چشم بد دور
جس نے دیکھا وہ ہوا والہ و شیدا تیرا

پائے نازک ترا الیٰ فرق پہ خوبانِ جہاں
حوریں آنکھیں ملیں جس سے وہ ہے تلوا تیرا

وہ جگہ سجدہ گہ اہلِ نظر ہو جائے
نظر آ جائے جہاں نقشِ کفِ پا تیرا

شورشِ روزِ قیامت تری قامت میں ہے بلا
گرم ہنگامیٔ محشر قدِ بالا تیرا

ڈال دے جس پہ تو سایہ وہی نوری ہو جائے
یہ لطافت ہے کہ اس پر نہیں سایا تیرا

سر ترے آگے ملائک ہیں جھکانے والے
مرتفع اوجِ خلافت کا ہے پایا تیرا

بیڑا اغرقابیٔ طوفان سے بچانے والے
ہے لقب نوح نجی اصل میں زیبا تیرا

گل و گلزار کو آتش سے کھلانے والے
خلعتِ خلت دادہ ہے سراپا تیرا

طور کے پردہ میں دیدار دکھانے والے
سرِ مہ سطور سے ظاہر ہے تماشا تیرا

لبِ اعجاز ہے مردوں کو جلانے والے — لبِ جاں بخش کا عالم میں ہے شہرا تیرا
شبِ معراج کی عزت کو بڑھانے والے — قابَ قوسین او ادنیٰ ہے تماشا تیرا
دیں کو اکملت کا مصداق بنانے والے — بٹ رہا ہے ابھی انعام کا باڑا تیرا
مرحبا ممکن و واجب کو ملانے والے — زیب دیتا ہے لقب برزخ کبریٰ تیرا
اے کہ ہے کون و مکاں میں ترے اکرام کی دھوم — ناشناسائے کرم کیوں رہے بندا تیرا
آہ دامن در مقصود سے اسکا بھر دے — ہمت یک موج تو صد قبلہ حاجات را
سائلا نہ لب سائل یہ صدا دیتا ہے — جاری عالم میں رہے فیض کا دریا تیرا

جھولی پھیلائے بامید کرم آیا ہے
لاج رکھ لے کہ ہے بیدل ترا منگتا تیرا

غزلیات

ناوکِ ناز دلکش نہ ہوا — کام ناقص رہا روا نہ ہوا
دل اگر ہے تو دلربا کے لئے — کیا ہوا دل جو دلربا نہ ہوا
ایک ہے مجھکو دل رہا نہ رہا — ایک ہوں دل کو میں ہوا نہ ہوا
بیوفا تجھ سے کیا وفا کی امید — کبھی وعدہ ترا وفا نہ ہوا
عرض کیا ان سے حالِ دل کرتے — عرض کا دل کو حوصلہ نہ ہوا
تجھ سے کیا کام اے دل ناکام — تو اگر اپنے کام کا نہ ہوا
کونسی تجھ سے انہونی نہ ہوئی — کب مرا انہوا ہوا نہ ہوا

وہ صفا کیش رند ہوں بیدل
حد یہ ہے گھر میں بوریا نہ ہوا

سرشک سرخ سے لبریز جام کس کا تھا — غم فراق سے جینا حرام کس کا تھا
وہ کس کی آنکھ تھی ہمکو چھکا دیا جس نے — ہمیں خراب کیا جس نے جام کس کا تھا

سوا تمہارے یہ کس کی تھی حسرتِ دیدار — یہ انتظار مجھے صبح و شام کس کا تھا

ترے فراق میں ہر روز خونِ دل پینا — سوا ہمارے یہ شرب مدام کس کا تھا

جوابِ تلخ کی لذت پہ مر مٹا بیدلؔ

اسے پیام قضا کا پیام کس کا تھا

اسیری عشق کی پہونچی کہاں تک — گلو در طوق نکلیں قمریاں تک

گلے مل جاؤ قصہ مختصر ہو — بڑھیں گے ہم کھینچو گے تم جہاں تک

محبت بادباں ہے دل سفینہ — سلامت ہے یہ کشتی بادباں تک

چمن میں اب نہ بجلی ہے نہ آندھی — بلائیں سب تھیں میرے آشیاں تک

ستمگر کو نہ آیا رحم بیدلؔ

دہن میں رہ گئی تھک کر زباں تک

محوِ نیاز ہو کر سرگرمِ ناز ہو جا — تکمیل بندگی کر بندہ نواز ہو جا

اے طالبِ حقیقت آگاہِ راز ہو جا — منزل شناس رسم و راہِ مجاز ہو جا

دلسوز سوز بن جا دمساز ساز ہو جا — ہمدرد درد بنکر ہمراز راز ہو جا

ذرات بزمِ ہستی ہیں تیری جستجو میں — اے مہر مہر گستر ذرہ نواز ہو جا

ہے کائناتِ دل کا ہر ذرہ ذرہ مضطر — اے برقِ حسنِ جاناں خرمن نواز ہو جا

اک رات چاہتا ہوں طول قدم کی ہمسر — اے داستان گیسو عمرِ دراز ہو جا

اس فاصلے کا صدقہ کم تھا جو دو کماں سے — ستار عیب شان بندہ نواز ہو جا

ہے تیرے غم کا نوحہ عشرت کا شادیانہ

بس دل شکستہ بیدلؔ خاموش ساز ہو جا

جویائے حقیقت ہے گر چشم تماشائی — ہر ذرہ عالم ہے صد منظرِ یکتائی

پھر جوشِ جنوں ابھرا پھر فصلِ بہار آئی — پھر دشت نوردی ہے پھر بادیہ پیمائی

اکھڑی ہوئی سانسیں ہیں ڈوبی ہوئی نبضیں ہیں — وہ وقت ہے سر بالیں اب طاقتِ گویائی
لینے کو ہے پھر کروٹ دنیا مرے ارماں کی — پھر موجِ تبسم کی ان ہونٹوں پہ لہرائی
شیرازہ یہ عالم کا آخر تو بکھرنا ہے — اے حسنِ خمار آگیں لے چک کہیں انگڑائی

بیدلؔ مری دشواری آسان ہو مشکل ہے
یک مرحلۂ الفت صد حوصلہ فرسائی

سرِ عشق ہیں جب تک تہِ صمصام نہ ہوگا — مسرور کبھی یہ دلِ ناکام نہ ہوگا
ناکامیِ جاوید مقدر میں لکھی ہے — کرنے کو جو اٹھوں گا وہی کام نہ ہوگا
ہاں جانِ تغافل نہ چھٹے شانِ تغافل — بے اسکے مکمل ترا ابرام نہ ہوگا
نازک بہت اے شوخ مرا شیشۂ دل ہے — سن لے جو یہ ٹوٹا تو کبھی جام نہ ہوگا

دل آپ کا ہے عرشِ سخن حضرت بیدلؔ
کیا عرش سے اترا ہوا الہام نہ ہوگا

الفت میں مرگ و زیست کا کیا امتیاز تھا — یہ دردِ جانگداز تھا پھر جاں نواز تھا
جو دل کہ چشمِ یار کا پیکاں نواز تھا — حاصل اسی کو سوزِ محبت کا ساز تھا
یا دشت بخبیر جب درِ میخانہ باز تھا — رندوں پہ لطفِ ساقیِ میکش نواز تھا
ساقی کی چشمِ مست کے قربان جائیے — طے اک نظر میں قصۂ زہد دراز تھا
تذلیلِ عشق غایتِ تکمیلِ عشق ہے — جو سر تھا زیبِ دار وہی سرفراز تھا

جانِ حیا مری تری ترچھی نگاہ میں
پوشیدہ میرے عشقِ نہفتہ کا راز تھا

ہر یہ بے سروسامانی کو سامان رکھنا — تیز اے دشتِ جنوں خارِ مغیلاں رکھنا
عالمِ صبحِ وطن شامِ غریباں رکھنا — تم پریشان نہ ہو تجھکو پریشاں رکھنا
گر پڑے وار کے ہونے ہی سے پہلے تم تو — اپنے قاتل کو کسی نوع تو شاداں رکھنا

دل کو ملتے رہیا رہ رہ کے محبت کے مزے / تم یونہیں شور تبسم نمک افشاں رکھنا
محفلیں عیش کی جو درہم و برہم کر دے / تہہ مضراب وہی تار رگ جاں رکھنا

کافر عشق بت کافری پیشہ بیدل
تجھکو دشوار ہے اب خود کو مسلماں رکھنا

تاب شکن ہجر یار دیکھئے کبتک رہے / ان سے یہ دل شرمسار دیکھئے کبتک رہے
سینے میں دل بیقرار دیکھئے کبتک رہے / کشمکش انتظار دیکھئے کب تک رہے
بھر گیا دل دیکھ لی صورت آغاز کار / حسرت انجام کار دیکھئے کب تک رہے
ہے یہ سرا عارضی - عارضی اسکا وجود / زندگی مستعار دیکھئے کب تک رہے
مرگ کا امکان بھی ہو بے مزہ جینا بھی ہو / جبر لئے اختیار دیکھئے کب تک رہے
جرم وگنہ لاتعد مغفرتیں بے عدد / آمد روز شمار دیکھئے کبتک رہے

ہو سکے کب تک بھلا درد و الم کا حریف
بیدل غم مایہ دار دیکھئے کب تک رہے

اعجاز نما جذب کامل نظر آتا ہے / درد دل مجنوں میں محمل نظر آتا ہے
دل درد محبت کا حامل نظر آتا ہے / صد شکر کہ یہ جوہر قابل نظر آتا ہے
انجام محبت کا بیدل نظر آتا ہے / مرتے ہیں کہ مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے
اس ڈوبنے والے کی حسرت کو کوئی دیکھے / جس ڈوبنے والے کو ساحل نظر آتا ہے
جانباز محبت کو غوطۂ الفت میں / گرداب کا ہر حلقہ ساحل نظر آتا ہے
ناکام تمنا ہوں ڈوبوں تو کہاں ڈوبوں / دریا بھی مقدر سے ساحل نظر آتا ہے
اک غنچہ ہے مرجھایا اک پھول ہے کمھلایا / اک اجڑا ہوا گلشن یہ دل نظر آتا ہے
ویرانہ کو آبادی، آبادی ویرانہ / کاشانۂ دل طرفہ منزل نظر آتا ہے
ہونا نہ پڑا بیدل ممنون اجل ہمکو / صد شکر کہ عیسیٰ ہی قاتل نظر آتا ہے

ہے حسنِ ظنِ یاراں اس کہنے کا کیا کہنا
اب بزم میں بیدل ہی بیدل نظر آتا ہے

ہر گھر میں وہی شوخ یکتا نظر آتا ہے — بتخانہ بھی ہم کو تو کعبہ نظر آتا ہے
پھر رنگ چمن کچھ کچھ پھیکا نظر آتا ہے — اُترا ہوا ہر گل کا چہرہ نظر آتا ہے
آثار صمد اس میں انوار صنم اس میں — اک آئینۂ دل میں کیا کیا نظر آتا ہے
یہ حسن مجازی بھی پردہ ہے حقیقت کا — در پردہ حقیقت کا جلوا نظر آتا ہے
انجامِ محبت ہے آغازِ محبت ہے — ساحل بھی یہاں عینِ دریا نظر آتا ہے
ہر شے میں تو ہی تو ہے تو رنگ ہے تو بو ہے — پھر بھی ترا اک عالم جویا نظر آتا ہے
دیکھا ہو جسے دل نے اس جلوے کو دل جانے — آنکھوں کو تو پردہ ہی پردہ نظر آتا ہے

ہر حال ترا بیدل مملو ہے حقیقت سے
عرفاں میں ہمیں تو یہی ڈوبا نظر آتا ہے

ہم تلاشِ دل میں ظالم گو کہیں ہو جائیں گے
شانہ بنکر زلف کے گوشہ نشیں ہو جائیں گے

یہ بتِ کافر کبھی نورِ یقیں ہو جائیں گے
رہزنِ ایماں کسی دن عینِ دیں ہو جائیں گے

دو نتیجے ہوں گے پیدا اک سوالِ وصل سے
شوخ ہو جائیں گے ہم وہ شرمگیں ہو جائیں گے

جب رخِ روشن سے اپنے وہ اٹھا دینگے نقاب
دفع سارے امتیازِ کفر و دیں ہو جائیں گے

چارہ ساز و فصلِ گل ہے میری وحشت دیکھنا
چاک داماں بڑھکے چاکِ آستیں ہو جائیں گے

جس طرح بزم سخن میں آج کو شرقی نہیں
یوں ہی بیدل ہم کبھی زیر زمیں ہو جائیں گے!

پتلیاں پھر گئیں آنکھوں میں پری خانوں کی
واہ کیا بات ہے ساقی ترے پیمانوں کی
پوچھ مت زلف پریشاں کے پریشانوں کی
بستیاں کرتے ہیں آباد بیابانوں کی!
فصل گل بستۂ پیماں رہی پیمانوں کی!
ابر لینے کو بلائیں اٹھے میخانوں کی
دل میں رو کے رہو تم جوش تبسم اپنا
کہیں کروٹ نہ لے دنیا مرے ارمانوں کی
دل کی دنیا کو ہے پیغام تلاطم آہیں!
آندھیاں اٹھ کے خبر دیتی ہیں طوفانوں کی
قد آدم نہ کہیں حسن کا دریا چڑھ جائے
پیش خیمہ تری انگڑائی ہے طوفانوں کی!
دل کی دنیا مری برباد بھی کر دی تو نے
یہ تو آماجگہ ناز ہے پیکانوں کی!
آستینوں کی ذرا اپنی خبر لے واعظ
نبض پھر دیکھنا ہم چاک گریبانوں کی
میری سوئی ہوئی تقدیر ابھی جاگ اٹھے
آنکھ لگ جائے اگر آپ کے دربانوں کی
جانے دے شیخ حرم بس نہ زبانیں کھلوا

سنگِ اسود تراا بنیاد ہے بت خانوں کی
ایک ہچکی میں ہوا عمر کا جھگڑا فیصل
خاک اُڑاتی رہی دنیا مرے ارمانوں کی

یہ تو مرنا ہے نہیں جینے میں جینا بیدؔل
ہم تو زندہ رہیں اور لاش اٹھے پروانوں کی

اے دل کسے ہے اب یہاں ارمانِ زندگی
دیکھا پڑا ہے خواب پریشانِ زندگی
ساحل نجات کا بھی کہیں مل ہی جائیگا
ہاں ہاں بہائے چل یونہی طوفانِ زندگی
جسکی ضیا سے تمہارے کاشانہ کا فروغ
گل ہوگئی وہ شمع شبستانِ زندگی
لائی ہے رنگ کیا مری وحشت بہار میں
بیٹھا ہوا ہوں دست بدامانِ زندگی
اے مرگ چارہ سازِ عزیزاں کہاں ہے تو
بے تیرے مر رہا ہے پشیمانِ زندگی
موجِ صبا بہا کے جدھر چاہے لے چلے
مجبور محض ہے خس طوفانِ زندگی
کب تک رہے گا جامۂ تن میں خبر نہیں
الجھا ہوا یہ تارِ رگِ جانِ زندگی
یادِ بہاری آئے نہ آئے کسے غرض
جب ہم لٹا چکے ہیں گلستانِ زندگی
ارمانِ عشق مطلعِ نظمِ حیات تھا
حرمانِ عشق مقطعِ دیوانِ زندگی

بیدؔل عبث تلاش ہے درمانِ مرگ کی
مل جائے گر تو ڈھونڈھ لے درمانِ زندگی

شب زندہ دار یا لیں شبِ ہجرِ یار میں
راتیں کٹی ہیں دیدۂ اختر شمار میں
دل ہی اجڑ گیا جو متاعِ بہار تھا
اپنی بلا سے آگ لگے اب بہار میں
وہ نجام ناشناس تھا دھوکے میں آ گیا

اے عشق فتنہ گر ترے آغاز کار میں

لب بند سانس اکھڑی ہے نبضیں چھٹی ہوئی

آنکھیں فقط کھلی ہیں ترے انتظار میں

سازِ دل شکستۂ بیدل کچھ اور ہے

یہ دلکشی کہاں ہے رباب ہزار میں

لو اٹھی کعبے سے پھر کالی گھٹا
چھائی بیجا نے پہ متوالی گھٹا

جب پیا رندوں نے ساغر ہاتھ میں
بن کے رحمت چھا گئی کالی گھٹا

ہنس دیئے وہ دل پہ اک بجلی گری
زلف کھولی چھا گئی کالی گھٹا

زینت پہلو اگر دلبر نہ ہو
کیا دکھائے فارغ البالی گھٹا

جب کیا قسمت سے ہم نے قصد جام
پھر گئی جا کر وہیں کالی گھٹا

ابر کے دامن میں بجلی دیکھئے
کیا لگا کر لائی ہے کالی گھٹا

دل پر آئی غم کا خنجر پھیرنے

ہجر میں پھر بجلیوں والی گھٹا

میرے بعد

(تضمین بر اشعار مختلف شعرا)

بدلی یہ وادیٔ وحشت کی ہوا میرے بعد
اثر جوشِ جنوں وہ نہ رہا میرے بعد

پھر بھی کہنے کو نیا گل یہ کھلا میرے بعد
جا کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد

نہ رہی وحشت میں خالی کوئی جا میرے بعد (غافل)

کوئی جویائے محبت نہ رہا میرے بعد
جنس کا سد ہوا سودائے وفا میرے بعد

نہ رہی اب وہ حسینوں کی ادا میرے بعد
حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد

بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد (غالب)

سوختہ دل کوئی اب گرمیٔ محفل نہ رہا — کوئی پروانہ شمع طلب کا مائل نہ رہا
عرض رسوائے غم عشق کا حاصل نہ رہا — منصب شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد (غالب)

سوگواروں میں میرے کوئی نہ ہو تو کیا ہے — ہوں احبا نہ عزادار بہت اچھا ہے
گرم ہنگامیٔ ماتم کا اثر تازہ ہے — شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد (غالب)

ناخن غم کو نہیں کاہش سینہ کا دی — خوں بہا کی دل عشاق کو حسرت نہ رہی
نہ رہی عشق کو فدیہ کی ضرورت باقی — خون ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاج حنا میرے بعد (غالب)

کشتۂ خنجر ابرو نہ تھا جو بیکس نہ رہا — ہدف تیر مژہ تو رہ چکا دم کب کا
موت کے گھاٹ لگا تیغ نظر کا مارا — درخور عرض نہیں جوہر بیداد کو جا
نگہ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد (غالب)

ہے یہ ہر شے سے نمایاں اثر جوش وداع — ڈر ہے قالب سے نہ ہو روح سبکدوش وداع
رخصت تاب و تواں ہے لبِ کیا ہوش وداع — ہے جنوں اہل جنوں کیلئے آغوش وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد (غالب)

اے تو فرہاد کش و آفت جان مجنوں — اے کہ تجھ سے سر ہر خار مغیلاں گلگوں
چشم ہر آبلہ روتی ہے ترے ہاتھوں خوں — تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد (ہوس)

پھونک اے صاعقۂ حسن بچا اب خرمن عشق — یعنی جل بجھ کے پھلے پھولے پھر اب گلشن عشق
داغ دل شمع فروزاں ہو نہ دامن عشق — کون ہوتا ہے حریف مۓ مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد (غالب)

کوئی حسرت دلِ مضطر کی نہ نکلی ہرگز
اک تمنا بھی نہ تجھ سے ہوئی پوری ہرگز
بیوفا داد وفا کچھ بھی نہ پائی ہرگز
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی ہرگز
یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد (لاعلم)

ہوگا ماتم بیں مرے حال گلستاں ابتر
صاف آئیگا نظر ہر گل تر خار نظر
ہم صفیران چمن سر کو دھنیں گے اکثر
روئیں گے دامن گل منہ پہ عنادل رکھکر
پر روشن خاک اڑائے گی صبا میرے بعد (غافل)

مشتری جنس وفا کا نہیں دنیا میں کوئی
اس چمن کا چمن آرا نہیں دنیا میں کوئی
ہائے اس گوں نظر آتا نہیں دنیا میں کوئی
غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
جو کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد (غالب)

مغتنم عاشق بیدل کا تھا ہونا غالب
وحشت آباد کا آباد تھا کونا غالب
نہ ملا قبر میں بھی چین سے سونا غالب
آتا ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ فنا میرے بعد (غالب)

پی گیا

(تضمین بر غزل جگر مراد آبادی)

ساغر بکف کسی کو مصر پا کے پی گیا
مہلت نہ پائی غور کی گھبرا کے پی گیا
سو بار ترک کی قسم کھا کے پی گیا
میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
ساغر اچھال اچھال کے اٹھلا کے پی گیا

اعضا شکن خمار تھا تنگ آ کے پی گیا
خود ضبطیوں کی قید سے جھلا کے پی گیا
بے رنگیوں کے رنگ سے اکتا کے پی گیا
کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا!

ناصح کو آنسو خون کے رلوا کے پی گیا
رحمت کی گرمجوشی کو گرما کے پی گیا

بنت العنب کے جلوے سے غش کھا کے پی گیا　　ہمت بقدر ذوق طلب پا کے پی گیا
ساقی کی پھر دیکھ کے ہرا کے پی گیا !

تقوی کو پردہ دار ریا پا کے پی گیا　　بدلی فضا کے رنگ سے للچا کے پی گیا
تیور وہ دیکھ دیکھ کے تیورا کے پی گیا　　ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا لہرا کے پی گیا

میں ہوں وہ سائل در میخانہ دیکھنا　　ہے رشک جام جم مرا پیمانہ دیکھنا
کہتے ہیں اسکو ہمت مردانہ دیکھنا　　زاہد یہ میری شوخی رندانہ دیکھنا
رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

میخانۂ مجاز کی خوبی کو دیکھکر　　ابر سیاہ مست کی مستی کو دیکھکر
رندان مے پرست کی مرضی کو دیکھکر　　آزردگیٔ خاطر ساقی کو دیکھکر
مجھکو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

مسلک ہے مے پرستی مرا کچھ نہیں ہے لاف　　سچی جو بات ہے وہی کہتا ہوں صاف صاف
ہے ناامیدی مشرب عشاق کے خلاف　　لے رحمت تمام مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

زار و زبون و خوار ہوں بیدل یہ سچ مگر　　آخر ہوں میں بھی پیر مغاں کا گدائے در
میں سوز مو بمو ہوں میں ہو ساز سر بسر　　اس جان میکدے کی قسم بارہا جگر
کل عالم بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

☆

لالہ پتمبر پرشاد اختر

پتمبر پرشاد نام تھا اختر تخلص. منشی دیبی پرشاد بشاس کے اکلوتے فرزند تھے. ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے. کہا جاتا ہے بچپن میں بہت غبی واقع ہوئے تھے اور پڑھنے لکھنے سے جی چراتے تھے. عمر کے پندرہ سال گذارنے کے بعد طبیعت نے پلٹا کھایا. اور کچھ ہونہار دکھائی دینے لگے. تحصیل علم کی طرف توجہ کی اور بہت قلیل عرصہ میں اردو فارسی اور انگریزی میں دستگاہ بہم پہونچائی. گھر میں علم و ادب کا چرچا تھا. باپ دادا ماموں اچھے ادیب اور شاعر تھے چنانچہ ان کو بھی ادیب بننے کا شوق پیدا ہوا. اور شعر و سخن کی طرف رغبت ہوئی. کچھ دنوں تک اپنے دادا بہجت سے اصلاح لیتے رہے. پھر اپنا کلام اپنے ماموں آذر ہندی کو دکھلانے لگے. انہی دنوں مولانا عبد الحی بیخود بدایونی کی سخن پروری کا شہرہ بلند ہوا. بڑے بڑے مشاعرے ہونے لگے اور جودھپور کی فضا شعر و سخن سے گونج اٹھی۔

اختر بھی مشاعروں میں شریک ہونے لگے اسطرح وہ حضرت بیخود سے نزدیک ہونے لگے. بالآخر ایک روز ان کی خدمت میں پہنچکر ان کے علقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے. فاضل استاد کے فیض صحبت نے ہونہار شاگرد کو بہت جلد ایک بلند پایہ شاعر بنا دیا۔

حیف کہ یہ نوجوان شاعر بہ رہ دنیا پر زیادہ عرصہ نہ رہ سکا۔ اور عنفوان شباب ہی میں بعمر ۲۳ سال بوڑھے والدین کو داغ مفارقت دے گیا۔ اس جواں مرگی پر اختر کے ماموں آذر نے ایک درد انگیز نوحہ کہا ہے جو آذر صاحب کے حالات میں درج ہو چکا ہے

اختر صاحب دیوان ہیں اور متعدد کتب ان سے یادگار ہیں۔ میری نظر سے ان کی صرف تین کتابیں گزری ہیں۔ ایک دیوان اختر جو ان کی موت کے بعد ان کے والد بشاش نے چھپوایا۔ دوسری "تضمین بے بہا" اس میں مختلف اساتذہ کے کلام پر تضمین ہے۔ اور تیسری مثنوی "منظوم دل آرام" ہے۔

اختر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد کا پوری طرح تتبع کیا ہے۔ زبان صاف اور شستہ ہے۔ معانی آفرینی اور نازک خیالی سے کلام لبریز ہے۔ فطرتاً رنگین مزاج واقعہ ہوئے تھے اسلئے معاملاتِ حسن و عشق کو بہت خوش اسلوبی سے ادا کرتے ہیں۔ کلام میں کہیں کہیں تصوف کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔ اپنی تصانیف کی ابتدا اکثر حمد و نعت سے کرتے ہیں۔

کلام کا انتخاب درج ذیل ہے ؎

یہ سچ ہے کوئی آفت میں کسی کا ہو نہیں سکتا — کہ دل بھی ہجر میں ہمدرد میرا ہو نہیں سکتا
مسیحا کی مسیحائی کا دعویٰ کر دیا باطل — ترا بیمار اچھا ہے کہ اچھا ہو نہیں سکتا
عبث چشمِ نگاہِ لطف ہے اس چشمِ فتاں سے — کبھی جلا دینے کارِ مسیحا ہو نہیں سکتا
لگے دل پر خدنگِ جور لاکھوں اف نہ کی ہم نے — کسی کا اے ستمگر یہ کلیجا ہو نہیں سکتا
نہ پوچھ اے داورِ محشر جو کچھ گزری ہے مرے دل پر — کہ مجھسے دوست کا غیروں میں شکوا ہو نہیں سکتا
وہ کافر ہو نہ میرا بہت دشوار ہے ہمدم — یہاں اسکو چھوڑ بیٹھوں مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا
کسی کا بھر کے آہ سرد کہنا میری تربت پر — اب ایسا باوفا دنیا میں پیدا ہو نہیں سکتا

امید مہر ناحق ہے بہت نا مہر سے اختر
تم اس کے ہو رہے ہو وہ تمہارا ہو نہیں سکتا

مرے دشوار ہے اس زلف کا سودا جانا
دل سے مشکل ہے خیال رخ زیبا جانا

دیکھ لی طاقتِ دیدار تمہاری موسیٰ
ایک ہی جلوہ میں اس طرح سے غش آجانا

باتوں باتوں میں وہ کہنا مرا ارمان وصال
آنکھوں آنکھوں میں وہ اس شوخ کا شرما جانا

میں بھلا بھی ہوں تو اچھا نہیں اس کے نزدیک
وہ بڑے اچھے ہیں اس نے جنہیں اچھا جانا

دلربا غمزۂ غماز ہے کس کا تیرا
جانستاں عشوۂ و انداز ہے کس کا تیرا

حیرت انگیز نظر شان ہے کس کی تیری
عقل سے دور ہر اک راز ہے کس کا تیرا

آنکھ کو حسرتِ دیدار ہے کس کی تیری
دل مرا شیفتۂ ناز ہے کس کا تیرا

خلق سب حضرت موسیٰ کی طرح ہے غش ہیں
اور یہ حسن یہ انداز ہے کس کا تیرا

مخبر وصل عدو ہے نگہ شرم و حیا
تیری آنکھوں سے عیاں راز ہے کس کا تیرا

بہر تعظیم جو اٹھتے ہیں ہزاروں فتنے
حشر کے روز یہ اعزاز ہے کس کا تیرا

دل بھی زخمی ہوا پہلو میں جگر بھی گھائل
ناوک انداز یہ انداز ہے کس کا تیرا

آرزوئے وصل اک آزار ہو کر رہ گئی
دل کے ہاتھوں زندگی دشوار ہو کر رہ گئی

مہرباں مجھ پر نگاہِ یار ہو کر رہ گئی
میری قسمت آج پھر بیدار ہو کر رہ گئی

اے قیامت پر نہ رکھئے آپ اقرار وصال
وہ تو محو شوخیِ رفتار ہو کر رہ گئی

ساقیا دم بھر ادھر بھی دور پیمانہ رہے
خیر تیرے غم کی ہو آباد میخانہ رہے

جلوہ افگن ہیں صنم ہر دم دل مشتاق میں
کیا خدا کی شان ہے کعبہ میں بتخانہ رہے

بزمِ عشرت میں اگر دورِ غم کا نہ ہو جائے کہیں
آج ساقی دور میں تا صبح پیمانہ رہے

آنکھ ہے وہ آنکھ جو محوِ بہارِ حسن ہو
دل ہے وہ دل جو کسی کے غم میں دیوانہ رہے

کیا رکھیں امید ایسے سے وفا دہر کی
جو ہمارے دل میں رہ کر ہم سے بیگانہ رہے

سیکھ لی دل نے مگر تم سے ادائے بے رخی
ورنہ یوں پہلو میں رہ کر ہم سے بیگانہ رہے

پارسائی کے لئے دل کی صفائی چاہیے
کیا برائی ہے جو اختر وضعِ رندانہ رہے

دل کو پھر ترسا گئی تڑپا گئی !
وہ ادا مجھ پر ستم پھر ڈھا گئی

طالبِ دیدار تھا کیا کوئی اور
حشر میں وہ آنکھ کیوں شرما گئی

آفریں اے یادِ جاناں آفریں
تو شبِ فرقت میں دل بہلا گئی

اس نزاکت پر کرو گے قتل کیا
تیغ اٹھتے ہی کمر بل کھا گئی

جا پھنسا پھر کاکلِ خمدار میں
پھر دلِ ناداں کی شامت آ گئی

حسرت اچھی قلق اچھا ہے ملال اچھا ہے
جو ترے غم میں گزرتا ہے وہ حال اچھا ہے

ہائے وہ ہنس کے شبِ وصل کسی کا کہنا
ہجر اچھا ہے ہمارا کہ وصال اچھا ہے

نام سے عشق و محبت کے حذر ہی بہتر
ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

تمنا آرزو ارمان حسرت
جہاں سے لے چلے ہم دل میں کیا کیا

ملاتے ہیں وہ مجھ کو خاک میں کیوں
کسی دشمن کا ہوں میں نقشِ پا کیا

شبِ وصل آرزو ہے تم ہو میں ہوں
مری جاں شرم پھر کس کی حیا کیا

ہے عمر اک دم کے آنے جانے کا نام
کرے انسان اس فرصت میں کیا کیا

نکالو مدعائے دل تو جانیں
نکالا دل جو پہلو سے ہوا کیا

گلہ رشک عدو کا بھی ہے دلکش
تری دلچسپیوں کا پوچھنا کیا

لاش کے بدلے ہزاروں حسرتوں کا بار تھا — تیرے کشتہ کا بھرم قاتل کفن میں رہ گیا

جلوہ افگن دیر میں بھی ہے حرم میں بھی ہے تو
کیا بکھیڑا پھر یہ شیخ و برہمن میں رہ گیا

پیر ہدایت شاہ ہدایتؔ

ہدایت شاہ نام ہدایتؔ تخلص رامپوری پٹھان تھے۔ والد ماجد محمد شاہ خان تھے۔ اہل طریقت بزرگ تھے ۱۹۰۴ء یا ۱۹۰۵ء میں حسب الارشاد اپنے پیر طریقت مولانا احمد شاہ صاحب رامپوری، رامپور سے ترک وطن کر کے وارد جودھپور ہوئے اور یہاں سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔ شعر و سخن میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا حکیم بہاؤالدین خاں بہاؔ کے تلامذہ میں ہیں اور صاحبِ دیوان ہیں۔ ان کا دیوان "دیوان باغِ ہدایت" کے نام سے ۱۹۲۳ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

شاہ صاحب نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء کو بدھ کے روز بعمر ۷۶ سال وفات پائی اور اپنے مکان واقع محلہ نیل خانہ جودھپور کے ایک حجرے میں سپرد خاک کئے گئے۔

ان کا کلام اسرار و معارف کا گنجینہ اور واردات قلبی کا مرقع ہے۔ زبان

صاف اور شستہ استعمال کرتے ہیں ۔ حکیم بہاء الدین خاں تنہاؔ اور نواب عبداللہ خاں مطلبؔ تلامذہ داغ نے ان کی غزلیات پر تضمینیں کی ہیں ۔

نمونۂ کلام یہ ہے

ذرے ذرے میں ترا جلوہ عیاں دیکھا کئے	اک تماشا ہم سر بزم جہاں دیکھا کئے
دیکھنے والوں نے دیکھی سیر گلزار شہود	ہم تری صنعت کے گل اے باغباں دیکھا کئے
صورت شادی کبھی دیکھی کبھی شکل الم	کیسے کیسے انقلاب آسماں دیکھا کئے
آگیا جی میں تصور خستگان خاک کا	دیر تک ہم صورت ریگ رواں دیکھا کئے
محتسب نے شیشۂ مے توڑ ڈالے اور ہم	چپ ہی بیٹھے صورت پیر مغاں دیکھا کئے

یار پہلو میں نہاں تھا اے ہدایت کیا کہیں
ہم کہاں ڈھونڈا کئے اسکو کہاں دیکھا کئے

تیری فرقت نہیں اک لحظہ گوارا مجھکو	اپنا دیدار دکھا جلد خدارا مجھکو
دل نے پائی ہے تہ تیغ کچھ ایسی لذت	کہ ہوئی آرزوئے قتل دوبارا مجھکو
حیف صد حیف بر آئی نہ تمنا دل کی	نام لیکر نہ کبھی اس نے پکارا مجھکو
اب یہ حالت ہے کہ ہو جاتا ہوں ڈر کر بیہوش	کہہ کے دیوانہ کسی نے جو پکارا مجھکو

خوف خورشید قیامت سے ہدایت کیا ہو
بس ہے اک دامن احمد کا سہارا مجھکو

غنچے تمام ہنستے ہیں کیا جی میں سوچکر — چلتا ہے جبکہ باغ میں جھونکا نسیم کا

شب وصال جو وہ شوخ بے نقاب آیا	گماں ہوا ہمیں واللہ آفتاب آیا
جفا و جور کی کچھ انتہا بھی ہے کہ نہیں	ستم بھی آپ کو آیا تو بے حساب آیا
ابھی تو صبر کریں چند روز اور بھی آپ	لکھا جو یار کو خط اس کا یہ جواب آیا
غضب کی شرم ہے دیکھا جو اس نے آئینہ	تو اپنی شکل سے کیا کیا اسے حجاب آیا

ذرا سمجھکے کہو وعظ حضرتِ واعظ   شعور آپ کو اب تک نہ اے جناب آیا
وفا کرے جو اسی پر جفا ہو بندہ نواز   یہ شیوہ آپکو بے شبہ لاجواب آیا

سحر سے دیکھتے ہیں تم کو اے ہدایت خوش
ضرور کوئی تمہیں آج شب کو خواب آیا

وہ پری رو جو ہوا رات کو مہماں اپنا   گھر ہوا نام خدا رشک پرستاں اپنا
اپنے سایہ سے بھی اب اسکو حذر ہوتا ہے   ہوگیا خیر سے وہ آپ نگہباں اپنا
قیس کس طرح سے بن بن مری جاگیر ہی ہے   پاؤں اپنے ہیں اگر دشت و بیاباں اپنا
چھلنی چھلنی ہے اگر دل تو جگر زخمی ہے   کرگئی کام مگر جنبشِ مژگاں اپنا

اے ہدایت ہیں بہم عیش کے سامان تمام
دل مگر رہتا ہے ہر وقت پریشاں اپنا

بیوفا کہنے پہ دشمن کے ملال اچھا ہوا   تو ہنسو بولو تمہیں بھی یہ خیال اچھا ہوا

اسکی شان کبریائی دیکھنا   آرزوِ دل کی برآئی دیکھنا
بن بلائے میرے گھر وہ آگئے   جذبۂ دل کی رسائی دیکھنا
وصل کی شب آکے وہ اٹھتے ہی پھر گئے   یہ مقدر کی برائی دیکھنا
گدگداتا ہے ترا حسن و شباب   وہ ہنسی ہونٹوں پہ آئی دیکھنا

بیخودی ہو جائے گی حاصل تمہیں
بھید کی جس دن سنائی دیکھنا

مظفر علی شاہ اثرؔ

مظفر علی شاہ نام تھا اثرؔ تخلص۔ والد ماجد کا نام رمضان علی شاہ تھا آباؤ اجداد کا وطن ڈیڈوانہ (ریاست جودھپور) اور پیشہ کاشتکاری تھا ڈیڈوانہ ہی میں ان کی پیدائش ۶۵-۱۸۶۴ء کے لگ بھگ ہوئی۔ مگر تعلیم و تربیت جودھپور میں ہوئی اور پھر مستقلاً یہیں رہنے لگے۔

اردو فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابتداً دربار ہائی اسکول جودھپور میں مدرس رہے۔ بعد ازاں جسونت کالج جودھپور میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے اور اسی عہدے سے تقریباً ۱۹۳۰ء میں ریٹائر ہو کر پنشن حاصل کی۔ اس کے بعد ریاست کے محکمہ آثار قدیمہ سے منسلک ہو گئے۔ جہاں قدیم فارسی مخطوطات پڑھنے اور ترجمہ کرنے کی خدمات انجام دیتے رہے۔ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں ۱۹۴۴ء میں وفات پائی۔

اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ سے تلمذ حاصل تھا۔

ان کی صرف ایک غزل ملی ہے جو لمعۂ یار اگست ۱۸۸۹ء میں چھپی تھی وہ درج ذیل ہے :-

یہ تو ہم کیوں کر کہیں دل سے نظر ملتی نہیں — چاہیے جس طرح سے ملنا مگر ملتی نہیں

خاک تشخیصِ مرض ہو چارہ گر حیران ہیں! | نبض بیمارِ الم دو دو پہر ملتی نہیں
وصل کی شب تو بس ڈر ہی لگی رہتی ہے صبح | ہجر کی شب ڈھونڈیئے اسکو مگر ملتی نہیں
گفتگو جس میں ہے ہمکو جسکی دلکو جستجو | وہ دہن ملتا نہیں ہے وہ کمر ملتی نہیں
دل کی خاطر روز لاتی ہیں نگاہیں آ جناب | اب وہی ہم ہیں نظر سے بھی نظر ملتی نہیں
غور سے دیکھا ہے ہم نے خوب مہر و ماہ کو | انکی صورت تیری صورت سے مگر ملتی نہیں
ہائے اس موسم میں بھی زاہد ہے محرومِ شراب | قرض بھی کمبخت کو یہ شے مگر ملتی نہیں
محو حیرت ہو رہا ہوں کچھ نہ پوچھے ہمنشیں | کیا پتہ دل کا بتاؤں کچھ خبر ملتی نہیں

عالم امکاں بھی ہے واللہ حیرت کا مکاں
جو گیا یاں سے آخر اسکی خبر ملتی نہیں

حکیم قاسم علی قاسم

قاسم علی نام قاسم تخلص ۔ والد کا نام پیر علی ہے ۔ ان کے بزرگ ریاست علاقہ پٹیالہ سے آئے تھے ۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا ۔ حکیم بہاء الدین خاں بہا سے اصلاح لیتے تھے ۔ ان کا کلام " سحاب سخن " میں شائع ہوتا تھا ۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے ؎

کریگا ہمسری کیا اس بت زہرہ شمائل کی
ذرا صورت تو دیکھو تابِ ہے یہ ماہ کامل کی

بلائیں سی بلائیں ہونگی نازل جان مضطر پہ
دل آیا اک بت کافر پہ یارب خیر ہو دل کی

زکوٰۃ حسن پر بھی تجھکو یہ خست رہی ظالم
نہ بر آئی ترے در سے کوئی امید سائل کی

مزید اے دشت وحشت پرزے پرزے پھر گریباں ہو
بہار آئی مزا دیتی ہیں فریادیں عنادل کی

ذرا بھی جس طرف دیکھا ہزاروں ہو گئے بسمل
نگاہ نازنیں گویا ادا ہے تیغ قاتل کی

ہجوم خلق ہے مقتل میں اک ہنگامہ برپا ہے
تماشا ہے جہاں کو ہو گئی ہے عید بسمل کی

نہیں پرسان حال اہل ہنر کا کوئی اے قاسم
جہاں میں آجکل ہوتی ہے ہر جا قدر جاہل کی

عبد الحکیم ناداں

قاضی عبد الحکیم نام ناداں تخلص ۔ محلہ نائیکان جودھپور کے قاضیوں
میں سے تھے ۔ نواب عبد اللہ مطلب سے تلمذ حاصل تھا ۔ ذریعہ معاش تجارت

تھا۔ غالباً ۳۳-۱۹۳۲ء میں بعمر ۷۰-۷۵ سال وفات پائی۔
عنفوان شباب میں شعر وسخن کا ذوق رہا ہے۔ صرف دو شعر "سحاب سخن"
میں ملے ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

ایسے دل کا بھلا بھروسہ کیا جو ہمارا ابھی یار کا ابھی ہے

جان دیتے ہو حسن پہ تم نادان
وہ تمہارا کبھی ہوا بھی ہے

مسرور شاہ الوری

مسرور احمد نام تھا لیکن مسرور شاہ مشہور تھے۔ مسرور تخلص کرتے تھے وطن الور تھا۔ مولانا احترام الدین شاغل نے ان کو شعرائے جے پور کے زمرے میں شمار کیا ہے[1]۔ حالانکہ ان کا زیادہ تر قیام جودھپور میں رہتا تھا۔ پیر بدآیت شاہ ہدایت کے پیر بھائی تھے۔ اکثر ان سے ملنے آتے اور مہینوں قیام کرتے حضرت بیدل۔ نواب احمد خاں شیرازی۔ حاذق جودھپوری اور دیگر اہل ذوق حضرات کے یہاں مشاعرے اور ادبی نشستیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں شریک ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ دوران قیام جودھپور میں ان کو درد شکم کا عارضہ لاحق ہوا غالباً آنت کی تکلیف تھی۔ درد نے اتنی شدت اختیار کی کہ مشن ہسپتال جودھپور

---

[1] تذکرۂ شعرائے جے پور

میں داخل ہونا پڑا۔ جہاں آنت کا آپریشن ہوا۔ ہسپتال میں ایک "مسیحی بدن" نرس کے تیر نظر کا شکار ہو گئے۔ باوجود تندرست ہونے کے ہسپتال سے رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ تکلیف کا بہانہ کر کے داخلہ کی میعاد بڑھاتے رہے مولانا بیدل مزاج پرسی کیلئے گئے تو مسرور نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

بیمار ہو کے آتے ہیں دار الشفا سے ہم

مولانا نے فی البدیہہ گرہ لگا کر شعر کی تکمیل کر دی ؎

لایا ہے رنگ تازہ مسیحا دموں کا عشق
بیمار ہو کے آئے ہیں دار الشفا سے ہم

ان کے دوران علالت میں ہسپتال میں ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا جسمیں بحیثیت سامع میں بھی شریک تھا۔ یہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا۔ شعر و سخن کا ذوق تھا مگر باقاعدہ مشق سخن شروع نہیں کی تھی۔ ہسپتال سے رخصت ملنے کے بعد پھر مشاعروں کی بھرمار ہوئی اور ایک عرصہ تک اچھی خاصی ادبی سرگرمیاں رہیں۔ پھر یہ الور چلے گئے اسکے بعد بھی آمد و رفت جاری رہی۔

مصنف تذکرۂ شعرائے جے پور کا بیان ہے کہ ۱۹۴۷ء میں مسرور الور سے جے پور چلے گئے اور وہاں سے پاکستان کو ہجرت کی جہاں سے دار البقا کی طرف کوچ کیا۔

مسرور بہت پرگو شاعر تھے۔ افسوس کہ ان کا کوئی مطبوعہ دیوان نہیں ہے صرف دو شعر حافظے میں رہ گئے ہیں جو جودھپور کے مشاعروں کی طرحیہ غزلوں کے ہیں۔ وہ یہ ہیں ؎

کعبہ سے ہے وجود بتوں کا زمانے میں | نکلی ہے اے خدا یہ ترے گھر سے چھیڑ چھاڑ
مسرور میاں ڈھونڈتے پھرتے ہو جسے تم | وہ بیٹھا ہے در پردۂ انوار محمد

مولانا شاغل نے اپنے تذکرہ میں ان کی ایک مطبوعہ فارسی مثنوی "بوستان معرفت" کا ذکر کیا ہے اور اس کے تین شعر نقل کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں سے

بشنو اے طالب زمن بشنو سخن ۔ بحث عقل وعشق را درگوش کن
عقل گوید دین و دنیا اُس حصول ۔ عشق گوید درگزر اے بوالفضول

عقل گوید در جہاں منصب برآر
عشق گوید شو فنا در راہ یار

انور علی شاد ساںبھری

انور علی نام۔ شاد تخلص نسباً سید مذہباً حنفی سُنّی۔ والد بزرگوار کا نام سید روشن علی ہے ۱۹۰۶ء میں بمقام سانبھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے برادر معظم حافظ سید سید منور علی سے پائی۔ پھر جے پور میں مولانا ابو البرہان سلطان احمد مبین عثمانی سے تعلیم حاصل کی۔ ابھی تعلیم سے فارغ ہی نہ ہوئے تھے کہ چند ناگزیر حالات کی بنا پر سلسلہ ملازمت شروع کرنا پڑا۔ اور محکمہ پولیس جے پور بزمرہ اہلکاران ملازم ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے سب انسپکٹر پولیس ہوگئے اور پھر اسی عہدے سے پنشن لیکر سانبھر میں خانہ نشین ہوگئے۔ دفتری کام میں بہت اچھی مہارت رکھتے تھے اسلئے محکمہ کورٹ آف وارڈس جے پور میں ان کو سررشتہ داری پر لیا گیا جہاں کئی سال تک بڑی کامیابی اور عزت سے کام کرتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور ۱۲ دسمبر ۱۹۶۰ء (مطابق

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ) یوم دوشنبہ کو کراچی میں انتقال کیا۔

زمانہ طالب علمی ہی میں شاد سانبھری کی طبیعت میں شعروسخن سے لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ مرزا مائل کے فیض صحبت نے اس ذوق کو پروان چڑھنے میں مدد دی مگر طبیعت کا رجحان تاریخ گوئی کی طرف تھا۔ چنانچہ اس فن میں اچھی مہارت حاصل کی اور فن تاریخ گوئی کے مسلم الثبوت استاد بن گئے۔ تمام اصناف پر قدرت حاصل تھی مگر کوئی غزل، قصیدہ، قطعہ وغیرہ بلا تاریخی اشعار کے نہ کہا۔ نئے نئے انداز سے مختلف صنعتوں میں تاریخیں کہی ہیں۔ ربیع الاول اور محرم میں پابندی کے ساتھ نعتیں اور سلام کہے ہیں جو دو دو چار چار اشعار کے نہیں بلکہ ۱۳۱ یا اس سے بھی زیادہ اشعار پر مشتمل ہیں اور تمام مصرعوں سے تاریخیں نکلتی ہیں۔ یہ چیز بلا شبہ ان کے قادر الکلام اور استاد فن ہونے کی بین دلیل ہے مگر اس التزام سے کلام میں شعری لطافت مفقود ہوگئی ہے اور محض آورد ہی آورد رہ گئی ہے اور اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے کہیں کہیں صاف اور برجستہ شعر بھی ملتے ہیں مگر ایسے اشعار کی تعداد کم ہے۔ اگر یہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بجائے "ریاضی کی الجھنوں" کے "شعر گوئی" پر صرف کرلیتے تو آج ان کا شمار پاک و ہند کے عظیم شعرا میں ہوتا اور ان کی تخلیقات بجائے آثار قدیمہ بننے کے زندگی سے ہمکنار ہوتیں۔

بقول مولف تذکرۂ شعرائے جے پور شاد اسم بامسمیٰ تھے ہر وقت شاداں مسرور نظر آتے تھے۔ خوش اخلاق، خوش طبع، بذلہ سنج اور متواضع بزرگ تھے۔ البتہ پاکستان آنے کے بعد دیرینہ صحبتوں سے محروم ہوجانے کی وجہ سے خوش طبعی میں بڑی حد تک کمی آگئی تھی، حافظہ بلا کا تھا۔ اساتذۂ قدیم و جدید کے بے شمار اشعار یاد تھے اور مرزا مائل کے دیوان کے تو تقریباً حافظ تھے صوم وصلوٰۃ

کے پابند تھے۔ کلام اللہ کثرت تلاوت کی وجہ سے بہت اچھا یاد تھا۔ روزآنہ ایک منزل پڑھتے اور اس طرح ایک ہفتہ میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔

شاؔد نے اپنے پیچھے اپنی علمی و ادبی تخلیقات کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا ذکر ان کے فرزند ارجمند سید خورشید علی مہؔر تقوی نے "ذکرِ غم"[۱] میں اور مولانا شاؔغل نے تذکرہ شعرائے جے پور میں کیا ہے۔ ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں :-

۱۔ شاہدِ غم (سال تالیف و طبع ۱۳۵۰ھ) یہ مجموعہ ہے قطعات تاریخ کا جو مرزا مائل سانبھری کی وفات پر کہے گئے زیادہ تر قطعات جناب شاد کی جودت طبع کا نتیجہ ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۱۹۵ شعرا کے کہے ہوئے قطعات بھی ہیں

۲۔ مجموعہ کلام شاؔد۔ یہ ایک ضخیم غیر مطبوعہ بیاض تاریخی غزلیات۔ قطعات وسلام وغیرہ پر مشتمل ہے جن میں بعض مصرعوں میں ایک سے زیادہ مادہ ہائے تاریخ بھی ہیں۔

۳۔ فن تاریخ گوئی۔ یہ کتاب فن تاریخ گوئی کے متعلق نہایت شرح و بسط سے مرتب کی تھی جسمیں فن تاریخ گوئی کے متعلق اچھی معلومات فراہم کی گئی تھیں اور ڈیڑھ لاکھ سے زائد الفاظ مفرد و مرکب۔ ضرب الامثال و اقوال، اکثر کام آنے والے اشعار، مصرعے اور نئی نئی ترکیبوں کے خوبصورت نام سن وار جمع

---

[۱] ذکرِ غم جناب شاؔد سانبھری کی وفات پر مکتبہ اردو کراچی نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ان کے مختصر حالات زندگی، فن تاریخ گوئی کی مختصر تاریخ اور شاؔد کی تاریخ گوئی پر تبصرہ ہے۔ یہ مقالات صبؔا متھراوی۔ سید اشرف ہاشمی لکھنوی اور سید خورشید علی مہرؔ تقوی نے کہے ہیں۔ آخر میں ۳۲ شعرا کے وہ تاریخی قطعات درج ہیں جو شاؔد کی وفات پر کہے گئے

گئے تھے اور ہر عدد کے تحت سیکڑوں الفاظ ترتیب دیکر لکھے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علمی ذخیرہ ان کے پاکستان آتے وقت دوسری کتابوں کے ساتھ نذرِ انقلاب ہوگیا۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بزم ادب جے پور نے اپنا سالانہ طرحی مشاعرہ ۳۱ راگست ۱۹۳۹ء کو کیا تھا۔ اسکی غزل کے چھ شعر ملاحظہ ہو۔ ہر مصرع سے تاریخ ۱۹۳۹ء برآمد ہوتی ہے ؎

سمجھنے کو تو رازِ عشق کچھ بیدل سمجھتے ہیں
مگر مشکل یہ کیسی ہے کہ سب مشکل سمجھتے ہیں

کسی کے عشق سے ہے بیخودی افزوں مگر پھر بھی
اشارے لے قرینہ ہم سرِ محفل سمجھتے ہیں

خدا کے سامنے جنکو ہے اُنکا خوف رسوائی
کہیں رازِ نہاں کیونکر اسفیں قاتل سمجھتے ہیں

عجب کیا ہے اگر عرشِ صمد بھی تو ہلا ڈالے
تجھے لے آہ حسرت ہم اسی قابل سمجھتے ہیں

شبِ تاریک و بیم موج و گرداب چنیں حائل
سلامت اب ہیں اے آسمان مشکل سمجھتے ہیں

زمانہ بھر نہیں ہے قدر وہ تاریخ گوئی کی
اسے اے شاد ہم تعریف لاحاصل سمجھتے ہیں

۱۳۷۲ھ میں لکھے ہوئے سلام کے دوشعر ملاحظہ ہو۔ اس سلام کا عنوان "بے بہا تاریخی سلام" بھی ۱۳۷۲ھ اعداد کا حامل ہے ؎

السلام اے صابر و شاکر جمیلِ نامدار
السلام اے جوہر گنجِ شہادت السلام

السلام اے جانِ حیدر مہرِ گردونِ بتولؓ
السلام اے بابِ انوارِ شجاعت السلام

شیخ عبداللہ عبدؔ

شیخ عبداللہ نام عبدؔ تخلص وطن قدیم نصیرآباد ہے۔ مگر بسلسلہ ملازمت جودھپور میں اقامت گزیں تھے۔ ریاست کے محکمۂ انجینیری کے مستری تھے نعتیہ کلام اور اخلاقی نظمیں لکھتے تھے۔ مولوی عبدالغنی ثاقبؔ سے تلمذ حاصل تھا "مخزن برکات" ان کی تصنیف ہے جو ۱۳۱۶ھ میں لکھی گئی اور ۱۳۲۰ھ میں چھپکر مقبول خاص و عام ہوئی۔ یہ منشی عبداللطیف خاں فرخؔ کے دوستوں میں تھے۔ بعمر پیرانہ سالی اجمیر یا پالی میں انتقال کیا۔

"مخزن برکات" میں شیخ صاحب کی ایک مثنوی موسوم "مثنوی مستری"، چند نعتیں اور مولانا ثاقبؔ کے منظوم خطبے ہیں۔ مثنوی میں مصنف نے اپنے صاحبزادوں کو شرک سے بچنے اتباع شریعت اور اعمال صالحہ کی ترغیب دی ہے۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

نصیحت بنفس خود

عبدؔ اپنے حال پر کر تو نظر — آگیا نزدیک اب وقت سفر
فکر زاد راہ تونے کچھ نہ کی — سخت تر منزل ہے یہ میرے اخی
ہاتھ سے جاتا ہے نکلا وقت اب — تو کرے گا فکر زاد راہ کب!
موت ہے ہر وقت تیری تاک میں — جو ملائے گی بس اک دن خاک میں
تو بہت غفلت میں سویا اب تو جاگ — جلد تر اس کوچہ غفلت سے بھاگ

تو نے چھانی خاک دنیا میں تمام   پر کیا اب تک نہ کوئی نیک کام
گو ملکوں اور در بدر بھٹکا پھرا   آج دن تک ہائے تو بہکا پھرا
گر ہوا تو مستری تو کیا ہوا   کار معماراں میں کی چون وچرا
کام جو ناقص تجھے آیا نظر   اسکو گر وایا بنایا بے خطر
لیکن اتنک وائے اے میرے اخی   خانۂ دل کی نہ کچھ تعمیر کی
خانۂ دل تنگ اور تاریک ہے   کر کشادہ اسکو جلد اے نیک پے
نور وحدت تا رہے پر تو فگن   اس میں ہر دم اے محب جان من
کچھ نہ تو نے اپنے رب کی یاد کی   عمر ساری مفت میں برباد کی
دیدۂ دل جلد اپنے کھول کر   یاد خالق کے لئے باندھ اب کمر
یہ در و دیوار و وحش و طیر سب   دیکھ کیو نکر کر رہے ہیں یاد رب
عمر کو غفلت میں کیوں کھوتا ہے تو   تخم بد کس واسطے بوتا ہے تو
بیج جو بویا وہی پھل پائے گا   دیکھ آخر کو بہت پچھتائے گا
دیدۂ عبرت کو کھول اور غور کر   حال دنیا جب تجھے آئے نظر
کیسے کیسے ماہرو گلعذار   ہوتے ہیں پیوند گل لیل و نہار
خاک میں وہ مل گئے مل جائیں گے   ہم بھی انکی طرح اک دن جائینگے
اس جگہ آتا نہیں ہے کام زر   زور حکمت اور نہ کچھ علم و ہنر
آہ جالینوس و افلاطون حکیم   ہائے لقمان اور سقراط فہیم
اور فیثا غورث و بقراط بھی   وہ ارسطو اور شیخ بو علی
انبیا و اصفیا غوث و ولی   بو حنیفہ، مالک، احمد، شافعی
رستم و زال و نریمان اور سام   وائے سہراب و لاور نیک نام
بہمن و اسفندیار و کیقباد   اور کاؤس و ضحاک نامراد

انوری سعدی نظامی عنصری
اور فردوسی و صائب، عسجدی

فرخی و درد و جامی، ہاتفی
عرفی و طواط و بیدل، آصفی

ذائقہ سب نے چکھا ہے موت کا
اسجگہ کوئی نہیں کچھ کر سکا

ڈھانپ کر منہ کو کفن سے چلدیئے
شہر خاموشاں میں سب جا کر بسے

تیرا بھی ان کی طرح اے نامور
جانب گور غریباں ہو گزر

پھر وہاں سے لوٹ کر آنا کجا
وائے "نامحشر" ہے اس میں پڑا

نعت

مدینہ خدارا دکھا دو مجھے
شہا قید غم سے چھڑا دو مجھے

بحالِ زبوں ہند میں ہوں پڑا
خدارا وہ روضہ دکھا دو مجھے

بجھا دو مری پیاس ہوں تشنہ کام
شراب زیارت پلا دو سبھے

چلا جاؤں اے خضر ہیں شوق سے
جو راہ مدینہ بتا دو مجھے

جگہ تھوڑی سی رہنے کو للہ اب
مدینے میں یا مصطفےٰ دو مجھے

غم و رنج سب دل سے اک دم ہٹو دو
مے وصل جو تم پلا دو سبھے

یہ ہے عبید کی عرض اب آپ سے
کہ عشق اپنا حضرت سوا دو مجھے

☆

شیخ محمد اسمٰعیل عاصی

محمد اسمٰعیل نام، عاصی تخلص، شیخ عبدالرحمٰن قریشی کے فرزند تھے ۱۸۶۶ء میں ریاست کشن گڑھ میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے والد کے ہمراہ ترک سکونت کر کے جودھپور میں آ گئے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی اور پھر یہی ان کا مستقل وطن بن گیا۔ مختلف صنعت و حرفت کے ماہر تھے لیکن گھڑی سازی ان کا محبوب پیشہ اور ذریعہ معاش تھا۔

شاعری سے ان کو شروع ہی سے لگاؤ رہا۔ اپنے قیام کشن گڑھ میں حضرت اسرار امیری سے اصلاح لیتے تھے پھر طبیعت خود ہی مصلح ہو گئی۔ حضرت شرقی اور مولانا بیدل کے عہد حیات میں مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن لیتے تھے ۱۹۳۱ء میں مع اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ واپسی پر دنیوی بکھیڑوں سے کنارہ کش ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اور شعر و سخن کی طرف سے بھی رغبت کم ہو گئی صرف نعت و منقبت لکھتے تھے۔

۴ر اکتوبر ۱۹۴۲ء مطابق ۲۲ رمضان ۱۳۶۱ھ کو نماز عصر سے فارغ ہو کر بحالت صوم کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

حضرت عاصی حلیم الطبع خوش مزاج بااخلاق اور پابند صوم صلوٰۃ بزرگ تھے دل میں قومی درد تھا۔ اکثر سوشل، قومی اور ادبی تحریکات میں حصہ لیتے تھے۔ شاعری

میں قدیم رنگ کے پیرو ہیں۔ ہجر و وصال کے مضامین بڑے شوخ انداز میں ادا کرتے ہیں انہوں نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے چھوڑے۔ شیخ محمد ابراہیم ابرار اور شیخ محمد اسحاق صابر۔ اول الذکر نے شعر و سخن میں اور موخر الذکر نے صنعت و حرفت میں اپنے والد کی روایات کو برقرار رکھا۔

عاصی صاحب دیوان ہیں لیکن ان کا دیوان چھپ کر منظر عام پر نہیں آیا۔ ان کے مجموعہ کلام میں زیادہ تر غزلیات اور مخمسات ہیں جو بعض خود اپنی غزلیات پر اور بعض دیگر اساتذہ کی غزلوں پر کہے گئے ہیں۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے :-

شاد کب وصل سے یارب دل نالاں ہوگا ہائے کس روز یہ پورا مرا ارماں ہوگا

لذت وصل سے کوئی کہیں خنداں ہوگا ! حسرت دید میں کوئی کہیں گریاں ہوگا

یوں تو کرتے ہو سدا وعدۂ فردا لیکن کبھی پورا بھی کوئی آپ کا پیماں ہوگا

زلف مشکیں کو نہ سلجھاؤ یونہی رہنے دو کوئی سودائی کہیں مفت پریشاں ہوگا

آئے بھی گر شب وعدہ تو عدو ہے ہمراہ کہئے کس طرح سے پورا مرا ارماں ہوگا

بے خطا مجھکو ستاتے ہو مگر یاد رہے حشر میں ہاتھ مرا آپ کا داماں ہوگا

ہم وفاؤں سے نہ باز آئے نہ باز آئیں گے خود جفا کر کے وہی دل میں پشیماں ہوگا

وہ مرا درد بھی لے جائے لیا دل جس نے اس سے بہتر نہ دوا ہوگی نہ درماں ہوگا

غم تنہائی سے آزاد کرے گر مجھ کو ملک الموت یہ تجھ پر ترا احساں ہوگا

جب مسیحا بھی ہیں عاجز تو پھر اے چارہ گرو تم سے کیا خاک مرے درد کا درماں ہوگا

ایک بھی دل کی نہ امید بر آئی عاصی
مجھ سا دنیا میں بھی کوئی نہ پر ارماں ہوگا

کوچۂ جاناں میں کیوں لے دل گیا حسرت الم تجھکو وہاں کیا مل گیا

ہائے کچھ ہوتا نہیں ان کو اثر
عرش بھی نالوں سے میرے ہل گیا

دیکھئے شوقِ شہادت کو مرے
خود ہیں سوئے کوچہ قاتل ہو گیا

جب گیا وہ باغ میں رشکِ چمن
مرحبا کہنے کو ہر گل کھل گیا

کیوں کھنچا جاتا ہوں مقتل کی طرف
آج کیا اس جا مرا قاتل گیا

کہنے عاصیؔ ہم نہ کہتے تھے تمہیں
اب کہو غم کے سوا کیا مل گیا

ہم جانتے ہیں جان جہاں تم جہاں رہے
تم کو قسم رقیب کی کہئے کہاں رہے

پروانہ وار جن پہ فدا ہم یہاں رہے
افسوس ہے رقیبوں پہ وہ مہرباں رہے

نالوں نے چین ہی نہ دیا ہمکو ہجر میں
ندی کی طرح آنکھوں سے آنسو رواں رہے

شرمایئے نہ وصل میں عاصیؔ سے اے صنم
تا حسرتِ دلی نہ کوئی میری جاں رہے

جان ہم ان پہ فدا کرتے ہیں
ظلم جو ہم پہ کیا کرتے ہیں

جھوٹا عشاق گلا کرتے ہیں
کہیں معشوق جفا کرتے ہیں

یہ جبیں سجدہ ریائی کر کے
مفت دل چھین لیا کرتے ہیں

کیوں نہ سرشار رہیں آٹھ پہر
ہم مئے وصل پیا کرتے ہیں

ہے تو لاکھ چھپے پر تجھکو
دل میں ہم دیکھ لیا کرتے ہیں

سچ جو پوچھے تو یہ عاشق تیرے
دیکھ کر تجھکو جیا کرتے ہیں

وصل ہو جائے یا موت آ جائے
رات دن یہ ہی دعا کرتے ہیں

کہہ دو ان سے کہ سنبھل جائیں ذرا
نالے اب حشر بپا کرتے ہیں

شوخیاں کل تو سرِ بزم رہیں
آج خلوت میں حیا کرتے ہیں

مرتے مٹتے مگر اے رشکِ مسیح
تیرے وعدے پہ جیا کرتے ہیں

لا ساقیا وہ جام و صراحی شراب کی | آمد ہے آج یاں کسی مست شباب کی
واعظ سنا نہ ہم کو عذاب و ثواب کی | ہاں داستاں ہو کوئی شراب و کباب کی
فتنے کئی ہم اُٹھینگے جوانی میں دیکھنا | کم سن ہیں وہ ابھی تو ہے آمد شباب کی
کرتے تھے کل تو وعظ و نصیحت یہ شیخ جی | اور آج ہے بغل میں صراحی شراب کی
میری طرح سے تم بھی مری جھڑکیاں سنو | معلوم تمکو جب ہو حقیقت عتاب کی
رو رو کے دن کٹا تو کٹی شب تڑپ تڑپ | حالت عجیب ہے دلِ خانہ خراب کی
چھٹکی ہوئی ہے چاندنی رد و لعل بہت ہے | لا اب پلا دے ساقی پیالی شراب کی

عاصی فراق یار میں رو رو کے رات دن
عمرِ عزیز آپ نے ناحق خراب کی !

از پئے پوشاک اپنا جسم عریاں رہ گیا | پائے بوسی کیلئے خارِ مغیلاں رہ گیا
عشق میں مجنوں سے بھی کچھ زار حالت ہو گئی | دیکھ کر نقشہ مرا بہزاد حیراں رہ گیا
ہو گئیں پوری تمامی حسرتیں میری مگر | خار سا دل میں کھٹکتا ایک ارماں رہ گیا
آتے آتے رک گئے بہر عیادت ہائے وہ | ہوتے ہوتے درد کا افسوس درماں رہ گیا
چمکے افشاں بام پر آیا جو شبکو مہ جبیں | ابر میں فرطِ حیا سے ماہ پنہاں رہ گیا
اُس طرف مانع حیا اور اِس طرف خوف رہا | شرم ہو تیرا برا دونوں کا ارماں رہ گیا
کنج تنہائی میں اب کوئی نہیں ہے غمگسار | ایک ہمدم بس خیالِ روئے جاناں رہ گیا

جا پھنسا تھا میکشوں میں آج تو عاصی مگر
شکر ہے لیکن سلامت اسکا ایماں رہ گیا

دم لبوں پر آگیا ہے جان زار آنکھوں میں ہے | ہائے اس پر بھی وہی تصویر یار آنکھوں میں ہے
وہ ہی نقشہ وہ ہی صورت اور وہی حسن و جمال | وہ ہی مستانہ ادا لیل و نہار آنکھوں میں ہے
وہ امنگیں وہ شباب اور وہ جوانی کا نشہ | سب کے سب جاتے رہے لیکن خمار آنکھوں میں ہے

ایک تو دل ہے مرا جو قید تنہائی سے ہے   ایک صورت آپکی ہے جو ہزار آنکھوں میں ہے

پوچھئے کیا ہو مزا عاصی شراب عشق کا
نشہ گو جاتا رہا لیکن خمار آنکھوں میں ہے

دل ناداں کسی کی زلف کا دیوانہ بن بنکر   الجھکر ہی رہا کمبخت آخر شانہ بن بنکر
کوئی مغرور کیوں ہو چند روزہ مال و دولت پر   بگڑ جاتے ہیں یوں ہی گھر کئی شاہانہ بن بنکر
مرا دل جسطرح آباد ہو کر ہو گیا ویراں!   الٰہی یوں نہ بگڑے کوئی عشرت خانہ بن بنکر
نہ مے پی ہو گی جسنے آج تک وہ آج پی لیگا   جہیں بیٹھے ہوئے ہیں ساقی میخانہ بن بنکر
کیسکی ٹھوکروں میں عمر یہ میری بسر ہوتی   جو کام آتا اگر سنگ در جانانہ بن بنکر
اگر وہ بن سنور کر شمع رو محفل میں آجاتے   ہزاروں مر مٹیں گے دیکھنا پروانہ بن بنکر
ہوس دلکی ہماری، انکی پابوسی کی مٹ جاتی   جو کام آتا یہ دل سنگ در جانانہ بن بنکر

رہے کچھ پاس عزت بھی کہ وہ رسوا نہ ہو جائے
ارے عاصی نہ پھر لیول کو یکو دیوانہ بن بنکر

اثر ہوتا اگر کچھ نالہ و فریاد و شیون میں   تو وہ خود ہی چلے آتے مرے ویرانہ مسکن میں
طبیعت پڑ گئی ہے اِن دنوں کچھ ایسی الجھن میں   نہ دل لگتا ہے گھر میں اور نہ صحرا میں نہ گلشن میں
کسی کا طائر دل پھر قفس میں پھنسنے والا ہے   کوئی صیاد پھر بیٹھا ہوا ہے چھپ کے چلمن میں
سناں کے، تیر کے، شمشیر کے، خنجر کے پیکاں کے   بھرے ہیں کوٹ کر جوہر تمہاری ایک چتون میں
مجھے ڈر ہے کہ محشر میں نہ افشا راز ہو جائے   لگے ہیں خون کے چھینٹے مرے قاتل کے دامن میں
غم و رنج و الم یاس و تمنا حسرت و ارماں   پس مردن بھی جائینگے ہمارے ساتھ مدفن میں

مزا اس قتل ہونے کا تو جب آئے گا اے عاصی
کہ مدفن بھی بنے اپنا اسی قاتل کے آنگن میں

یارب مرے نالوں میں وہ پیدا ہوا اثر آج   گھر بھول کے وہ غیر کا آجائیں اِدھر آج

اے آہ رسا خوب دکھایا ہے اثر آج
وہ آتے ہیں تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر آج

کیوں شوخیاں کرتے ہو سر بزم مری جاں
دیکھو کہیں لگ جائے نہ غیروں کی نظر آج

سب کو ابھی خورشید قیامت کا گماں ہو
آئے جو اگر بام پہ وہ رشک قمر آج

ڈرتا ہوں کہیں نوح کا طوفاں نہ بپا ہو
بے طرح سے مچلے ہوئے ہیں دیدۂ تر آج

ڈر ہے کہیں افشا نہ کرے راز محبت
ہو جائے قیامت نہ کہیں زیر و زبر آج

منت سے شب وصل کسی شوخ کا کہنا
اب جانے دو دیکھو ہوئی جاتی ہے سحر آج

افشا ہو مرا راز محبت نہیں کچھ غم
رسوا انھیں کر دے نہ کہیں دیدۂ تر آج

وہ چھپ کے تو آئے ہیں مرے گھر مگر عاصی
ڈر ہے کہ نہ ہو جائے رقیبوں کو خبر آج

وہ کون بشر ہے جو تجھ پر فدا نہیں
وہ دل ہے کونسا جسے تیری ولا نہیں

یوں تو خدا نے دی ہیں سبھی خوبیاں مگر
کیا جانے کیوں حسینوں میں بو ئے وفا نہیں

کیوں تیوریاں چڑھائی ہیں سن سن کے حال دل
یہ میری داستاں ہے عدو کا گلا نہیں

عاشق بتوں کے ہم ہیں تو واعظ خدا حور ہے
واللہ عشق سے کوئی اب تک بچا نہیں

عاصی ہی ایک ہے کہ جو سنتا ہے جھڑکیاں
ورنہ عدو سے آپ نے کل کچھ کہا نہیں

نکہت زلف کسی کی جو صبا لائی ہے
سونگھتے ہی تن بے جان میں جان آئی ہے

دل ناداں مرا جس شوخ کا شیدائی ہے
سخت بے رحم ہے ظالم ہے وہ ہرجائی ہے

تجھکو رسوائے جہاں کر کے رہیگی یہ ضرور
یہ جوانی ترے جوبن پہ جو اترائی ہے

قیس و فرہاد و زلیخا نے تو پایا ہے نام
کون کہتا ہے کہ اس عشق میں رسوائی ہے

ہم کو کعبہ سے ہے مطلب نہ کلیسا سے غرض
سنگ در آپ کا ہے اور جبیں سائی ہے

پوچھتے کیا ہو بس عاصی کی حقیقت یارو
حسرتیں ہیں شب تاریک ہے تنہائی ہے

واہ اے حسن صنم کیا حسن آرائی ہوئی! خود تماشا بن گیا خلقت تماشائی ہوئی
وہ مسیحائے زماں بالیں پہ آیا ہے مرے کیوں نہ ٹل جائے اجل سر پر مرے آئی ہوئی
میری قسمت اور انکی زلف کا کیا جوڑ ہے یہ کبھی بل کھائی ہوئی اور وہ بھی بل کھائی ہوئی
ہم نہ کہتے تھے نہ جاؤ محفلِ اغیار میں دیکھ لی کیا گت ہوئی اور کیسی رسوائی ہوئی
آگیا تھا چاند سا چہرہ وہ ہالے میں ابھی کیا عجب پر لطف یہ ظالم کی انگڑائی ہوئی

آہ و نالہ کر کے عاصی راز افشاں کر دیا
کو بکو شہرت ہوئی اور مفت رسوائی ہوئی

نصیر احمد راز

نصیر احمد نام۔ راز تخلص قاضیان میڑتا (علاقہ جودھپور) کے ممتاز فرد اور قاضی ظہور احمد نشتر اور قاضی کبیر احمد کبیر کے عزیزوں میں تھے۔ والد کا نام قاضی عتیق اللہ ہے جو قاضی صدیق اللہ صدیق کے بھائی تھے۔ مولد و مسکن میڑتا ہے اور وہیں بایام پیرانہ سالی وفات پائی۔

میڑتا کی عالمگیری مسجد انھیں کی تولیت میں تھی اور محکمہ آثار قدیمہ جودھپور کی مقرر کردہ مسجد کی مجلس منتظمہ کے اہم رکن تھے۔

قاضی صاحب شعر و سخن میں اپنے قریبی عزیز جناب نشتر سے اصلاح لیتے تھے اور ان کا کلام اس دور کے رسائل "نغمۂ یار" اور سحاب سخن کے اوراق

کی زینت بنتا تھا۔ بروایت قاضی کبیر احمد کبیر انہوں نے بیخود دہلوی سے بھی اصلاح سخن لی ہے۔

صاحب دیوان نہیں ہیں اور نہ ان کا کلام ان کے جانشینوں نے محفوظ رکھا۔ نمونہ کلام جو دستیاب ہوا ہے درج ذیل ہے:۔

نگاہِ حسرت آلودہ اِدھر پڑتی ہے بسمل کی
حیا سے اسطرف گردن جھکی جاتی ہے قاتل کی

اُسے دھوکا کہ بیخود ہو نہ جائے دیکھکر جلوہ
مجھے دھڑکا نہ دل پر گولی لگ جائے کہیں تل کی

اشارہ ابروؤں کا صاف دیتا ہے خبر ہمکو
کہ تلواروں سے نکلیگی ہماری آرزو دل کی

اُدھر تو بادۂ احمر چلی ہے بزم دشمن میں
اِدھر گھونٹیں اترتی ہیں حلق میں زہر قاتل کی

کہو تو رازؔ کیوں بیزار سے تم آج بیٹھے ہو
لیا ذکر ستمگر پر طبیعت تم نے مائل کی!

حکیم عبدالرزاق حاذقؔ

مرزا عبدالرزاق نام۔ حاذقؔ تخلص مولوی مرزا عبدالغنی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کے بزرگ جے پور سے ترک سکونت کرکے جودھپور میں آباد ہو گئے تھے اور طبابت کرتے تھے۔ طبابت حاذق کا آبائی پیشہ تھا اسی مناسبت سے انہوں نے حاذقؔ تخلص اختیار کیا۔ عربی و فارسی میں اچھی دستگاہ تھی شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔ اکثر اپنے مکان پر مجالس مشاعرہ منعقد کرواتے

تھے۔ ایک مشاعرہ کی طرحیہ غزل میں جس میں مقامی شعرا کے علاوہ مسرور الوری اور منش اجمیری وغیرہ بھی شریک تھے حضرت بیدل نے حسب ذیل مطلع پڑھا

پیہم مشاعروں سے طبیعت خراب ہے
ہم کو تو پاس خاطر حکمت مآب ہے

اسی زمین میں قاضی کبیر احمد کبیر نے مقطع پڑھا ؎

خیر الامور اوسطہا پر نظر کبیر
حضار کہہ نہ دیں کہ غزل کیا عذاب ہے

یہ حضرت بیدل پر چوٹ تھی جنکی طویل نویسی مشہور تھی۔

حاذق کا انتقال ۱۹۳۰ء میں بعارضہ دق جودھپور میں ہوا۔ ان کی تخلیقات میں ان کی ایک قلمی بیاض ہے جو ان کے بھتیجے مرزا عزیز الرحمٰن عزیز کے پاس ہے جسمیں غزلیات۔ نعتیں اور منقبتیں ہیں جو ان کے دوران قیام احمد آباد میں حضرت شاہ عالم احمد آبادیؒ اور مولانا سید محمد حسین خلف پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی شان میں لکھی گئیں یہ ۱۳۳۳ھ کا زمانہ تھا جب یہ احمد آباد میں مطب کرتے تھے۔ اور وہاں کی انجمن تکمیل ادب کے سکریٹری تھے مولانا منت دہلوی سے اصلاح سخن لی ہے جیسا کہ ان کی بیاض کلام میں تحریر ہے یہ منت دہلوی کون تھے ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

کلام صاف اور شستہ ہے۔ مزاج میں رنگینی ہے۔ معاملات حسن و عشق کو خوب ادا کرتے ہیں بزرگان دین سے خاص عقیدت ہے جیسا کہ ان کی منقبتوں سے پایا جاتا ہے۔

انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

نعت سرور کائنات صلعم

جب پڑھا میں نے ملا لطف ملاقات مجھکو ۔۔۔ تام احمد سے کچھ ایسی ہے محبت مجھکو
قافلے والوں کے ہمراہ میں آؤں کہ نہیں ۔۔۔ یہ تو فرمائیے کیا حکم ہے حضرت مجھکو
کیا عجب وہ در مقصود سے دامن بھر دیں ۔۔۔ لے چل اے بخت رسا تا در دولت مجھکو
وہ ہیں جس بات میں خوش میں ہوں اسی پر راضی ۔۔۔ غم دوری کی نہیں ان سے شکایت مجھکو
وجہ دیوانگی عشق نبی کیا میں کہوں ! ۔۔۔ کہ اجازت نہیں دیتی مری وحشت مجھکو

ہے یہ حاذق کی دعا ہند سے کعبہ پہونچوں
اور ہو روضۂ حضرت کی زیارت مجھکو

دیگر

تیرا احسان ہے قرآن سنانے والے ! ۔۔۔ آدمی سے ہمیں انسان بنانے والے
تیرے ہی نور سے ارواح و قویٰ روشن ہیں ۔۔۔ قالب آدم و حوا میں سمانے والے
منزل عشق میں تو پیش رو عالم ہے ۔۔۔ تجھ سے پیچھے ہی رہے اگلے زمانے والے
آئیے حشر میں یا ساقی کوثر اب تو ۔۔۔ دیجئے جام ہمیں پیاس بجھانے والے

طبع موزوں ہے نسیم سحری اے حاذق
ہم بھی گلہائے مضامیں ہیں کھلانے والے

غزلیات

رہنے لگا خیال رخ حور عین یہ کیا ۔۔۔ گھبرا رہا ہے کیوں دل اندوہگیں یہ کیا
ہوتے نہیں ہو دل میں بتو شرمگیں کیا ۔۔۔ ہم سے حجاب غیر سے پردہ نہیں یہ کیا
مٹتی نہیں مٹائے سے صورت کسی طرح ۔۔۔ لوح جگر پہ کھینچ گیا نقش حسیں یہ کیا
رکھتے ہو گرم صحبتیں غیر دل سے تم مدام ۔۔۔ ہم کچھ کہیں جب آپ کہو نہیں یہ کیا
مشہور ہر کمال کو آخر زوال ہے ۔۔۔ کرتے ہو ناز حسن پر اے نازنیں یہ کیا
کچھ پی کے مے اڑاتے ہیں بے پر کی شیخ جی ۔۔۔ پریوں کا ناچ دیکھو لیا ہے کہیں یہ کیا

چل جائیگا کسی پہ ابھی خنجر رواں — بدلے ہوئے ہو کیوں نگہِ خشمگیں یہ کیا
محوِ تماشا ہو گئے اس بت کے عشق میں — آنکھوں سے تم نے دیکھا ہے شاید کہیں یہ کیا

حاذق زمین تنگ میں لکھی تو ہے غزل
سُن سُن کے داد دیں گے تمہیں سامعیں یہ کیا

ماہرو دونوں جگر آباد کیا کرتے ہیں — میری آنکھوں نہیں مرنے دلمیں رہا کرتے ہیں
سوچئے دلمیں ذرا آپ یہ کیا کرتے ہیں — کبھی مجھ سے کبھی دشمن سے ملا کرتے ہیں
اس بہانے تو مجھے یاد کیا کرتے ہیں — یہ بھی کیا کم ہے کہ وہ جور و جفا کرتے ہیں
خرمن جاں کیلئے برق تبسم ہے غضب — ہم تو اس آگ سے محفل میں جلا کرتے ہیں
آدمی اپنی نبیڑے تو بہت اچھا ہے — غیر کی فکر جو کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں
دیکھئے رہتے ہیں اقرار کے پورے کبتک — آج ہم سے وہ نیا عہد وفا کرتے ہیں
سینکڑوں کام بگڑتے بھی ہیں اس دنیا میں — سینکڑوں کام اسی طرح بنا کرتے ہیں
سچ ہے بیدرد کو کیا درد کی حالت معلوم — میرے رونے پہ وہ ہر وقت ہنسا کرتے ہیں
وہی انداز جفا تو نہیں حاذق کے لئے — آپ کس دل سے یہ اقرار وفا کرتے ہیں

وضع حاذق ہے وہی دوست ہو یا دشمن ہو
ایک سا سب سے زمانے میں ملا کرتے ہیں

بیچین دل ہو غم سے جو فرصت ذرا ملے — یہ حال ہو تو راحت و آرام کیا ملے
چوری چھپے سے کیوں نگہِ فتنہ زا ملے — دل چاہتا ہے ہم سے ذرا برملا ملے
راہِ طلب میں تیری چلیں پا کے سر سے ہم — آنکھوں سے ہم ملیں جو ترا نقش پا ملے
اے خضر کی ہے بادیہ پیمائی اس لئے — یہ آرزو ہے وہ در دولت سرا ملے
ہاں زاہدی سے اے دل عشرت پسند اب — وہ کام کیا کہ جس کا نتیجہ بُرا ملے
کیونکر نہ پیش آئے مدارات سے بھلا — زاہد سا دخت رز کو اگر یار سا ملے

ستم ہے وہ جو غیر کی ہم غیب سے ملیں
بہتر ہے مدعی سے اگر مدعا ملے

مستانہ چال نے مجھے حاذق لٹا دیا
اک حشر ہو جو وہ نگہ فتنہ زا ملے

سلوک تو نے یہ اچھا خیال یار کیا
کہ بزم غیر میں لیجا کے شرمسار کیا

قلق نے راز نہفتہ کو آشکار کیا
کہ بار بار کے صدموں نے بیقرار کیا

یہ کون بیدار فنا بیکسی میں کام آیا!
یہ کس نے شمع کو روشن سر مزار کیا

جنوں سوار ہے شاید قضا کے سر پر بھی
کہ میرے جامۂ ہستی کو تار تار کیا

خبر نہیں مجھے یہ کون آنے والا ہے
یہ کس کے وعدے نے یوں محو انتظار کیا

گذار دی شب غم صبح نا امیدی تک
وہ اس پہ کہتے ہیں کیا تو نے انتظار کیا

پتہ نہیں صف محشر میں ڈھونڈھ آیا میں
ستم شعار نے اچھا امیدوار کیا

بہا دیا دل حاذق کو بھی لہو کر کے
یہ تو نے کیا غضب اے چشم اشکبار کیا

بھولے سے کمی اس میں ہرگز نہ ذرا کرنا
ہم تم سے وفا چاہیں تم ہم سے جفا کرنا

انداز نرالا ہے ناوک فگنی کا بھی!
شوخی سے نہیں خالی تیر انکا خطا کرنا

اس گل کو مرے غم کا افسانہ سنا دینا
پیغام رساں بنکر یہ کام صبا کرنا

عاشق کہیں ڈرتے ہیں بربادی خرمن سے
جو کام ترا ہے وہ اے برق بلا کرنا

جاتا ہے دل مضطر یوں آنکھ بچا کر تو
اچھا نہیں پہلو میں رہ کر یہ دغا کرنا

نیرنگی الفت کا دیکھیں گے تماشا ہم
تم اس پہ جمے رہنا وعدہ نہ وفا کرنا

اب کھینچتے ہیں وہ حاذق یا وصل میں کہتے تھے
دشوار ہے اس دل کو پہلو سے جدا کرنا

آتش شوق کو بھڑکاتی ہے شہرت انکی
آگ سینے میں لگاتی ہے محبت ان کی

گو وہ بے پاؤں چلیں رنج کے سہنے والے
تو اب راحت سے خبردار ہے غفلت انکی

فتنۂ حشر کو دیکھیں گے لحد سے اٹھکر
ہم نے دیکھی ہے یہاں طرز قیامت انکی

خود نمائی انہیں بد نام کرے گی اک دن
بد تمنا داغ لگا دے گی یہ شہرت انکی

بوسہ دیتے نہیں دل پر ہے نظر آنکھ پھیر
وعدہ کرتے ہی بدل جاتی ہے نیت انکی

نامہ بر ہم سے چھپاتا ہے چھپا لے لیکن
ان کی باتوں سے ٹپکتی ہے محبت انکی

دل بیتاب سے ملتا ہے مزاج والا
کہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے طبیعت انکی

صلح منظور نہیں جنگ پہ وہ آمادہ
ایک سا بنا ہے مزاج ایک طبیعت انکی

پاؤں رکھتے ہیں زمیں پر تو بڑی مشکل سے
ان سے کہتی ہے کہ آہستہ! نزاکت انکی

ہم نہ کہتے تھے ذرا چال سے بچنا حاذق
دیکھ لی آپ نے دو دن میں محبت ان کی

جو تم نے رنج دیا شوق سے سہا میں نے
تمہارے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میں نے

کیا کمال دم عرض مدعا میں نے
کہ اپنے روٹھے ہوئے کو منا لیا میں نے

کہیں تو اب رسن زلف سے مجھے باندھو
قصوروار ہوں کی ہے بڑی خطا میں نے

بڑے مزے کا تقابل ہے برق و باراں میں
اگر ہنسی انہیں آئی تو رو دیا میں نے

چھپی رہے گی نہ تحریر خط شوق کبھی
کچھ ایسے حرفوں میں لکھا ہے مدعا میں نے

یہ بغض و کینہ عبث ہے فضول ہے رنجش
کوئی برائی بھی کی آپ سے بھلا میں نے

مچل مچل کے دہائی مچائی ہے حاذق
شب وصال جو چھیڑا انہیں ذرا میں نے

سید جمیل احمد طاہر

جمیل احمد نام ۔ طاہر تخلص حسب ولنسب حسنی الحسینی سید تھے ۔ مولانا حافظ سید برکات احمد ہاپوڑی کے فرزند تھے ۔ ولادت ماہ ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ میں اپنے ننہال قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا ۔ لعد ازاں اردو فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی گھر میں شعر وسخن کا چرچا تھا ۔ ماموں سید نذیر احمد طاہر اچھے ادیب وشاعر تھے اور مولانا سید ابوالحسن ناطق گلاؤٹھوی بھی رشتہ میں عزیز ہوتے تھے جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ بچپن ہی میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا ۔ اور متذکرہ بالا حضرات کی صحبت میں یہ شوق پروان چڑھتا رہا ۔ ۱۳۱۷ھ میں سید معشوق حسین اطہر ہاپوڑی سے باقاعدہ اصلاح لینی شروع کی ۔ کبھی کبھی اپنا کلام حضرت بیان یزدانی میرٹھی کو بھی دکھلاتے رہتے تھے دو سال کی مشق سخن سے غزلیات ونظمیات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا ۔ مگر ایک سفر میں دہلی کے اسٹیشن پر سامان غائب ہو گیا جس میں ان کی بیاض شاعری بھی جاتی رہی ۔

لعد ازاں دست برد زمانہ سے مجبور ہو کر تلاش معاش میں اپنے نانا میر احمد حسین کے پاس جودھپور چلے آئے ۔ جو یہاں مہتمم بند و لبست و سپرنٹنڈنٹ مردم شماری تھے ۔ جودھپور میں عدالت میں محرری کی ملازمت مل گئی چنانچہ یہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی ۔

جودھپور کی فضا بھی ان دنوں شعر وسخن کے نغموں سے گونج رہی تھی حضرت بیدل بدایونی ۔ سید ابوالحسن شرقی ' قاضی کبیر احمد کبیر تلمیذ داغ وغیرہم کے وجود سے علم وادب کی فضا میں اچھے خاصے ہنگامے رہتے تھے ان کے لئے یہاں کی فضا سازگار رہی اور مشق سخن کا سلسلہ چلتا رہا ۔ حضرت بیدل سے مراسم قائم ہوگئے ۔ جو کچھ لکھتے ان کو دکھلا لیتے مشاعروں میں شرکت کا شوق نہ تھا مگر علمی وادبی تحریکوں میں بڑے ذوق وشوق سے عملی حصہ لیتے تھے ۔

۱۹؍اکتوبر ۱۹۴۶ء مطابق ۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ بروز شنبہ جودھپور میں ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور یہیں کی سرزمین میں مدفون ہوئے ۔

شاعری کے ہر صنف فن پر طبع آزمائی کی ہے ۔ "اردوئے معلیٰ دہلی" اور "شاعر" آگرہ میں انکا کلام اکثر چھپتا رہا ہے ۔ بہت عرصہ ہوا ۔ ایک مثنوی کتابی صورت میں شائع کروائی تھی جس میں دکن کا رومان نظم کیا ہے ۔ اس کے علاوہ اور کوئی مطبوعہ کلام نہیں ہے ۔ تاریخ گوئی میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔

جسقدر کلام دستیاب ہوسکا درج ذیل ہے ؎

کلام طاہر

غزلیات

یوں کہہ رہی ہے بلبل گلشن میں ہر کلی سے ۔۔۔ فصل بہار آئی پھولو پھلو خوشی سے
دل بجھ گیا ہے اپنا گو رنج عاشقی سے ۔۔۔ دلبستگی ہے پھر بھی کچھ دلکو دل لگی سے
ہو ہو گئی ہے نادم آنکھوں سے انکی نرگس ۔۔۔ کھل کھل گئے ہیں غنچے بیساختہ ہنسی سے
میں نے کہا نہ کچھ بھی تم نے کہا نہ کچھ بھی ۔۔۔ آئے ہو تم ابھی تو جاتے ہو تم ابھی سے
کتنی کرم نما ہے طرز ستم بھی ان کی ! ۔۔۔ شکوے وہ کر رہے ہیں اغیار کے مجھی سے
وعدہ کی شب جو آئی فرصت ملی نہ ان کو ۔۔۔ بھری شکایتوں سے تعریف مدعی سے

تم میرے دل سے پوچھو انداز دلفریبی — کیوں دیکھو آئینہ کو کیا کام آرسی سے
مرگ رقیب کا غم دونوں کو ہے برابر — ہم خوش ہیں ناخوشی سے ناخوش ہیں وہ خوشی سے
یارب نہ ہوگا مجھ سا بیکس کوئی جہاں میں — روتی ہے بیکسی بھی مل مل کے بیکسی سے
گھر گھر کے ابر رحمت آیا ہے میکدے پر — زاہد شکست توبہ اب ہوگی میکشی سے
ہوتا ہے تجربہ جب کھلتی ہے جب محبت — پڑتا ہے آدمی کا جب کام آدمی سے
شان خدا کا مظہر انسان ہے سراپا — ظاہر ہے سب حقیقت اس پیکر گلی سے
ذوق سخن ہو باقی کہا خاک پیرے دل میں — بے لطف زندگی ہے اذکار دنیوی سے

وہ ولولے کہاں ہیں جی بجھ گیا ہے طاہر
آزاد ہو چکا ہوں اب قید شاعری سے

ہے حسینوں سے دل لگی میری — خوب کٹتی ہے زندگی میری
مجھ سے سب پوچھتے ہیں حال مرا — تم نے پوچھی نہ بات بھی میری
کیوں ہو منت کش رفیق و عزیز — ہے سلامت جو بیکسی میری
یادگار زمانہ ہیں دونوں — دشمنی تیری دوستی میری
میری رسوائیوں کی یہ حد ہے — اک فسانہ ہے عاشقی میری
بجز پہ آپ پر ہیں نثار — اک طبیعت ہے آپ کی میری
وصل میں وہ کسی کا کہہ اٹھنا — ہائے کمبخت نازکی میری
کیا سنیں گے وہ حرف شوق مرا — نہیں سنتے جو بات بھی میری

شکر اللہ کا ہے اے طاہر
بہت اچھی گذر گئی میری

جب شب ہجر مرا نالہ رسا ہوتا ہے — فرش سے عرش تک اک شور بپا ہوتا ہے
قتل کرتی ہیں زمانہ کو ادائیں تیری — پھر تعجب ہے یہ کیوں نام قضا ہوتا ہے

بے وضو بادۂ گلگوں نہیں پیتا ہوں نہیں سب سے رہتا ہے الگ شیشہ و ساغر میرا
بت پرستی بھی گنہ بادہ گساری بھی حرام اک مصیبت ہوئی واعظ مجھے ایماں نہ ہوا
خواہ کعبہ میں رہا خواہ صنم خانہ میں میں کسی حال میں اے شیخ پریشاں نہ ہوا
کسی ظالم کو پہلے دل دیا کیوں کسی کے جورِ پیہم کا گلا کیوں

تضمین بر پیغام سالک بحضور سرورِ کائنات صلعم

صبا بہ طیبہ ز مہجوریم فغاں برساں ز حالِ زارِ غنا دل بہ گلستاں برساں
گلہ ز کجروی بخت و آسماں برساں مسافرا بہ نبی از من ارمغاں برساں
سجودِ عشق بہ آں سنگِ آستاں برساں

دعائے صبح گہیم بہ مقبلاں برساں ہزار گونہ تحیت بصد زباں برساں
درود من بر سلطانِ مرسلاں برساں مسافرا بہ نبی از من ارمغاں برساں
سجودِ عشق بہ آں سنگِ آستاں برساں

تپیدنِ دل مرغانِ خستہ جاں برساں ز سوزِ سینۂ چشمانِ خونفشاں برساں
نیازمندیِ بیحدِ عاشقاں برساں مسافرا بہ نبی از من ارمغاں برساں
سجودِ عشق بہ آں سنگِ آستاں برساں

گزر ہو تیرا اگر سوئے ارضِ پاک حجاز اگر طلب کرے دربار میں وہ بندہ نواز
اگر ہو بخت سے تو محرمِ حریمِ ناز برو بہ شاہ شہان و ز من سلام نیاز
بہ ساکنانِ حریمش یگاں یگاں برساں

وہ ہے مجسمۂ حسن خالقِ سرمد اسی کی جلوہ گری ہے ازل سے تا بہ ابد
وہی خدا کا ہے مقصودِ خلق کا مقصد نوائے عشق کہ از قلب دو جہاں خیزد
بہ بارگاہِ شہنشاہِ دو جہاں برساں
کئے ہیں جرم دگنہ وہ کہ حد و بیحد جہاں میں بد ہیں ہمیں نیک لا و زنیک ہیں بد

نہیں ہے اس کے سوا اور رہ مغاں کی سند سرشک شرم کہ از چشم عاصیاں ریزد

بہ آں کریم خطا پوشِ عاصیاں برساں

تجھے وہ روضۂ انور اگر دکھائے خدا اگر تجھے ہو میسر شرف حضوری کا

ہمارا حال زبون ان سے مو بمو کہنا زغم کشان غلامی بخواجۂ دوسرا

شکایتے زعتاب خدایگاں برساں

یہ عرض کرنا کہ لیجئے خبر غریبوں کی یہ عرض کرنا کہ ڈوبی دھری ہے اپ کشتی

یہ عرض کرنا کہ سر سے گزر چکا پانی . بگو کہ سست شدہ آہنگ بربطِ ہندی

بہ بند نغمۂ چنگ حجازیاں برساں

یہ عرض کرنا کہ کٹتے ہیں رنج ہی بادقات یہ عرض کرنا کہ نازل بلائیں ہیں دن رات

یہ عرض کرنا کہ پیش نظر ہے شکل ممات بگو کہ محمل ما شد گراں براہ حیات

دگر خروشِ درا را بکارواں برساں

یہ عرض کرنا کہ مفلس ہیں تو دہ آفات یہ عرض کرنا کہ منعم ہیں خوگرِ سیئات

یہ عرض کرنا کہ عالم ڈبو چکے ہیں بات بگو کہ پیر طریقت متاع دیں در باخت

بہ شاہ قصۂ طامات صوفیاں برساں

یہ عرض کرنا کہ رندوں سے تا بکے پرہیز یہ عرض کرنا کہ اب ہے خمار رستاخیز

یہ عرض کرنا کہ ردا ق عطا ہو موج انگیز بگو کہ میکدہ خالی است ساقیا برخیز

دگر شراب کہن را بہ میکشاں برساں

یہ عرض کرنا کہ برباد ہو چکے ہیں ہم یہ عرض کرنا کہ رہتے ہیں وقف سوز و الم

یہ عرض کرنا کہ ظاہر کمال ہے پر غم بگو ریاض عرب سوخت از ہوائے عجم

دگر نسیم بہاراں بہ گلستاں برساں

شیخ محمد حسین مرہم

محمد حسین نام مرہم تخلص - جودھپور کی مختلف مساجد میں پیش امام رہے اور بچوں کو درس بھی دیتے تھے ۔ فن سخن میں لخت گوئی شغف تھا ۔ کلام عامیانہ ہے ۔ زبان پرانی استعمال کرتے ہیں - کلام متروکات وحشو و زوائد سے بھی پاک نہیں ہے بعض بعض اشعار اچھے بھی ملتے ہیں ۔ ۱۳۲۹ھ میں ان کے کلام کا ایک مجموعہ "بستان مرہم" کے نام سے چھپ چکا ہے جس کا معیار بہت پست ہے ۔ مگر آخیر عمر کا کلام جو غیر مطبوعہ ہے نسبتاً اچھا ہے ۔

مرہم ایک نیک نفس بزرگ تھے ۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہو چکے تھے ۔ ۲۹ جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲ جون ۱۹۴۳ء کو تقریباً ۷۵-۷۶ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

واقف سر نہاں تو ہی تو ہے | عاشق رب جہاں تو ہی تو ہے
خود پناہ بیکساں تو ہی تو ہے | کا ہے کو ڈھونڈھیں وسیلہ دوسرا
خاتم پیغمبراں تو ہی تو ہے | کس پیمبر نے یہ رتبہ پالیا !

شان ذات کبریا ہے تیری شان

واصل حق بیگماں تو ہی تو ہے

مکان خدا ہے مقام محمد | کلام خدا ہے کلام محمد

شفاعت ہو امت کی محشر میں اول — رہے گا یہی انتظام محمد
ملاتے ہیں اللہ سے ایک پل میں — یہ معروف ہے فیض عام محمد

عبث زخم دوری پہ رکھتے ہو مرہم
سنا دو طبیبو پیام محمد

اخیر عمر کا غیر مطبوعہ کلام ہے

کل خدائی کے ہیں مختار مدینے والے — اور رسولوں کے ہیں سردار مدینے والے
اے مسیحائے زماں جلد مسیحائی کر — مر رہا ہے ترا بیمار مدینے والے
بہر حق پھر مجھے طیبہ میں بلانا جلدی — دل ہے اس ہند سے بیزار مدینے والے
پرسش نامۂ اعمال سے ڈرنا کیسا — جب کہ تو ہے مرا غمخوار مدینے والے
کاش ہو میری تہ خاک زمین طیبہ — ہے تمنائے دل زار مدینے والے
آگیا ہوں در دولت پہ سوالی بنکر — بھر دے جھولی مرے داتار مدینے والے

مرہم خستہ جگر کا ابھی ہو جائے علاج
دیکھ لے گر ترا دیدار مدینے والے

عبدالکریم کمتر

عبدالکریم نام کمتر تخلص۔ اکبرآباد (آگرہ) کے رہنے والے تھے جو دھپور میں بسلسلۂ ملازمت توطن اختیار کر لیا تھا۔ ریلوے ورک شاپ میں ملازم تھے اور جودھپور رہی میں انقلاب ۱۹۴۷ء سے چند سال

پیشتر انتقال کیا۔ زیادہ تر نعت و منقبت لکھتے تھے۔ ان کا دیوان "نذر پیمبر" کے نام سے تین حصوں میں چھپ چکا ہے کلام عامیانہ اور سطحی ہے کہیں کہیں جذبات قلبی کی ترجمانی اچھی کی ہے۔

انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

ہے لاکھ لاکھ شکر خدائے غفور کا
مداح جس نے مجھکو بنایا حضور کا

موسیٰ کو ایک جلوے میں بیہوش کر دیا
کس سے بیان معاملہ ہو کوہ طور کا

ہے آرزو یہی کہ ہو دیدار مصطفےٰ
خواہش بہشت کی ہے نہ طالب ہوں حور کا

تیرے کرم سے نعت نبی لکھ رہا ہوں میں
ورنہ کہاں یہ حوصلہ مجھ بے شعور کا

کمتر کی یہ دعا ہے کہ محشر میں اے خدا
سایہ ہو میرے سر پہ محمدؐ کے نور کا

لکھوں کیسے بھلا شان محمدؐ
خدا خود ہے ثنا خوان محمدؐ

جو چاہو اپنی بخشش روز محشر
پکڑ لو آکے دامان محمدؐ

سبھی ہیں سیر اسکی نعمتوں سے
بچھا ہے ہر طرف خوان محمدؐ

خدا سے وعدۂ بخشش لیا ہے
بڑا ہم پر ہے احسان محمدؐ

خدا کا شکر کمتر کہ جس نے
کیا تجھکو ثنا خوان محمدؐ

ملنے کی تیرے خاک کوئی آرزو کرے
کھونا ہو جسکو خود وہ تری جستجو کرے

دامن ہے چاک چاک تمہارے فراق میں
کب تک سیا کرے کوئی کب تک رفو کرے

دل میں ہو یاد یار مگر لب ہیں خموش
صادق ہو عشق جب کا وہ کیوں ہاؤ ہو کرے

اپنا کہا کرے نہ سنے دوسرے کی تو!
پھر تجھ سے ناصحا کوئی کیا گفتگو کرے

کمتر کسی نے خوب کہا ہے یہ سوچکر
جب مہرباں خدا ہو تو پھر کیا عدو کرے

سید اصغر علی اصغرؔ

سید اصغر علی نام - اصغرؔ تخلص - حافظ سید راحت علی راحتؔ کے اکلوتے لڑکے تھے - ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور عربی مولانا محمد اسمٰعیل بلند شہری سے پڑھی - طب میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور یہی ذریعہ معاش تھا کٹّر سنی العقیدہ حنفی المذہب تھے - کبھی کبھی یہ کٹّرپن تعصب کی صورت اختیار کر لیتا تھا - بڑے ذہین اور طباع تھے - شاعری میں ایک روایت کے مطابق سائلؔ دہلوی سے اور دوسری روایت کے مطابق مولانا احسن مارہروی سے تلمذ حاصل تھا - استاذ مکرم بیخودؔ بدایونی سے مراسم خاص تھے اور اکثر ان سے بھی مشورہ لیتے تھے تقسیم برصغیر کے بعد غالباً ۱۹۴۷ء ہی میں پاکستان آکر حیدرآباد میں سکونت اختیار کر لی تھی - پاکستان میں میری آخری ملاقات موصوف سے ۱۹۵۰ء میں ہوئی تھی - اس کے دو تین سال بعد ۲۵ محرم کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے -

اصغرؔ صاحب دیوان تھے میں نے ان کا دیوان جودھپور میں دیکھا تھا کہا جاتا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں دستبرد زمانہ کی نذر ہو گیا جو کچھ کلام ان کے بھانجے سید ریاض الحسن نیرؔ کی وساطت سے دستیاب ہوا ہے اس کا انتخاب ہدیۂ قارئین ہے - کلام میں پختگی ہے اور داغؔ اسکول کا رنگ نمایاں ہے،

نعت

مسکنِ شاہ رسالت ہے مرا خانۂ دل ‏ ‏ طور کیا عرش سے بڑھ کر ہے یہ کاشانۂ دل

آرزو دل کی ہے تجھ سے یہی جانانۂ دل !
تابشِ حسن پہ قربان ہو یہ پروانۂ دل

لے کہ آبادیٔ کونین کا تو وجہ وجیہ
تجھ سے آباد ہے یہ مرا ویرانۂ دل

دلربا دلبر و دلدار و دل آرا ہے تو ہی
اور پھر کون سنے گا مرا افسانۂ دل

شمعِ رخسارِ محمدؐ پہ ہوا ہے قربان
اے زہے ہمتِ مردانۂ پروانۂ دل

آبیاری کیلئے آبِ وِلا ہے درکار
اگ نہیں سکتا بغیر اسکے کبھی دانۂ دل

رُخِ زیبائے محمدؐ پہ ہے عالم مفتوں
سب کا جانانۂ دل ہے مرا جانانۂ دل

اے زلیخا ترے یوسف سے ہیں ہم بھی واقف
ان کا پروانۂ محفل ترا جانانۂ دل

مست و سرشار ہے تیرا دل دیوانہ مرا
اس ادا پہ ہوں نہ کس طرح ہیں پروانۂ دل

سنبلستاں کبھی اس طرح کا دیکھا ہے کہیں
ہاں قسم زلفِ محمدؐ کی تجھے شانۂ دل

ان کی صہبائے وِلا سے نہ رہے گا خالی
لاکھ ٹوٹا سہی اصغر مرا پیمانۂ دل

غزلیات

رنگ انکی گفتگو میں اعجازِ عیسوی کے
افسوں نظر میں پنہاں سب سحرِ سامری کے

سیکھے ہیں کس سے تم نے انداز یہ پری کے
دل لے گئے اڑا کر قربان دلبری کے

کی مرغِ نامہ بر نے کیوں دیر یا الٰہی
ڈر ہے نہ پھنس گیا ہو وہ دام میں کسی کے

مشتاق ہے یہ دل بھی چشمِ کرم ادھر بھی
او محوِ خود نمائی دلدادہ آرسی کے

اس ابر اس گھٹا میں اک جام مے خدارا
اے شیخ تو بھی پی لے دن ہیں یہ میکشی کے

کیا دہر میں کبھی تھی ظالم سنانِ مژگاں
دل میں کھٹک رہے ہیں ٹکڑے کسی انی کے

آنکھیں ملا کے دل کو پہلو سے چھین لینا
قائل ہیں فتنہ گر ہم اس سحرِ سامری کے

قسمت کی طرح تجھ سے پھرتے تھے تو پھرے کیا
لیکن سنا ہے دن بھی پھرتے ہیں آدمی کے

ہے آدمی کے حق میں گویا قضائے مبرم
پالے خدا نہ ڈالے انساں کو عاشقی کے

پہلو میں آ کے بیٹھو دل کی سنو سناؤ!
کچھ دن ہیں اور باقی اصغر کی زندگی کے

ہم وفاؤں پہ وفا کرتے ہیں
وہ جفاؤں پہ جفا کرتے ہیں

جل ہی مرتا ہے رقیب بدکیش
بوسے جب مجھ کو عطا کرتے ہیں

دیکھ کر مجھکو وہ غمگین و حزیں
اپنے دامن سے ہوا کرتے ہیں

ان کی آنکھوں کے ہیں جتنے بیمار
سورۂ ص پڑھا کرتے ہیں

دل تو دیتے حسینوں کو مگر
آپ اصغر یہ برا کرتے ہیں

کچھ تو کہہ ہاں کہنے کو تھے یا نہیں کہنے کو تھے
نامہ بر کیا تجھ کو آثار جبیں کہنے کو تھے

گنگ تھے تلخ سن کر کہدیا ہے تند خو!
ہم لب نمکین کو ورنہ انگبیں کہنے کو تھے

من موہن لال بسمل

من موہن لال نام بسمل تخلص. رائے صاحب چھتر مل المتخلص بہ بشیم کے صاحبزادے اور میجر دیبی داس کے پوتے ہیں نسباً استھانہ سکسینہ ہیں. قدیم وطن اٹاوہ (یو پی) ہے.

۱۱ فروری ۱۸۹۶ء کو غازی آباد میں پیدا ہوئے. ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور پھر میٹرک کا امتحان بھرت پور ہائی اسکول سے پاس کیا. ۱۹۱۳ء سے

سلسلۂ ملازمت شروع ہوا۔ اول ریاست بھرت پور میں ملازمت کی لبعد ازاں گورنمنٹ ہند کی سروس اختیار کی۔ اور متعدد مقامات میں ہوتے ہوئے وارد جودھپور ہوئے۔ ریزیڈنسی میں کلرک تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسرور انوری جودھپور میں متوطن تھے۔ ان کی معیت میں بسمل نے یہاں کے اکثر مشاعروں میں شرکت کی ہے اس زمانہ میں ایک فی البدیہہ مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں راقم السطور بھی (بایام طالب علمی) بحیثیت سامع کے شریک تھا۔ بیکل بدایونی۔ مسرور انوری۔ احقر تلمیذ بیدل۔ بسمل اور متعدد شعرا شریک مشاعرہ تھے۔ بسمل نے بھی فی البدیہہ غزل کہی تھی جسکا مطلع آج تک یاد ہے۔

آنکھ چہرے کی طرف دل زلف جاناں کی طرف ایک ہندو کی طرف ہے ایک مسلماں کی طرف

جودھپور سے ان کا تبادلہ جے پور ہو گیا۔ تقسیم ہند کے بعد کونسلر راجستھان کے آفس سپرنٹنڈنٹ ہو گئے تھے جہاں سے ۱۹۵۲ء میں پنشن لی۔

مولانا احترام الدین شاغل نے تذکرہ شعرائے جے پور میں ان کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۵۵ء تک یہ بقید حیات تھے اور ریاست بھرت پور (راجستھان) میں مقیم تھے۔ کلام کے متعلق مولانا شاغل نے ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے "شگفتگی، روانی، پختگی و صفائی۔ ندرت آفرینی اور زبان کا چٹخارہ کلام کا طرۂ امتیاز ہے"

بسمل نے باقاعدہ کسی سے تلمذ حاصل نہیں کیا۔ مولوی امداد حسین بھرمری کا فیض عدلت تھا کہ بچپن ہی سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل ہو گئی۔ گھر میں والد بھرت پور کے مشہور شعرا میں سے تھے۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں بھرت پور شعر و سخن کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسی ماحول نے ان کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ پہلی غزل ۱۴ سال کی عمر میں مشاعرے میں پڑھی۔ پھر برابر مشاعروں میں شریک ہوتے رہے

نمونۂ کلام :-

دل دیا ایسے کو جو دل دیکے دشمن ہو گیا — کیسی نادانی ہوئی کیسا لڑکپن ہو گیا

اب تو چھپ آیا نہ رکھی دید کی صورت کوئی — در پہ درباں رکھدیا روزن میں پتھر رکھدیا

جاتے جاتے دے گئے مٹی وہ اپنے ہاتھ سے — چلتے چلتے اور یہ چھاتی پہ پتھر رکھدیا

سدھرتی عاقبت جنت کے بدلے — بنا لیتا اگر شداد دنیا

غلط ہے خواب آزادی غلط ہے — نہ پہلے تھی نہ اب آزاد دنیا

گل و گلچین و صبا شبنم و صیاد و نسیم — چمن سے کوئی نہ دو روز گلستاں میں رہا

شفق بنکر ابھی تو آسمانوں پر یہ چھائیگا — ابھی تو دیکھنا خون شہیداں رنگ لائیگا

معلوم ہیں حقیقتیں مجنوں کے عشق کی — اٹھا نہ بار عشق تو دیوانہ بن گیا

آنکھیں نہیں ہیں گیسوئے رخسار کے قریں — دو جام لا رکھے ہیں شب ماہتاب میں

صورت کسیکی دلمیں ہے ایسی چھپی ہوئی — کیف شراب جیسے چھپا ہے شراب میں

لڑتے ہیں دیر و کعبہ پہ کیوں شیخ و برہمن — وہ بتکدہ نہیں تھا کہ یہ بتکدہ نہیں

غدار کہے شہیدان وفا کو — یہ سب بے موت مارے جا رہے ہیں

جاتے ہوئے شباب یہ پیری سے کہہ گیا — میں نے سرور دیکھا ہے تو اب خمار دیکھ

دیر میں تو ہم نے کچھ دیکھا ہے شیخ — بس حرم میں تو خدا کا نام ہے

وہ بت حیا سے بن گئے ہیں رعب حسن سے — پتھر کو لا کے رکھ دیا پتھر کے سامنے

دورِ پنجم

حفیظ اللہ بیکس

قاضی حفیظ اللہ نام بیکسؔ تخلص، ولادت یکم جولائی ۱۹۰۰ء مطابق ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ کو بمقام قصبہ ڈیڈوانہ ہوئی۔ ڈیڈوانہ کے مشہور قاضیوں کے خاندان سے ہیں۔ سلسلۂ نسب حضرت کمال اللہ یمنی کے واسطے سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ تک پہنچتا ہے۔

ابتدائی تعلیم کے دوران ہی میں والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے تھے اور باقاعدہ اکتساب علم نہ کرسکے۔ مگر طبیعت بچپن ہی سے تحصیل علم کی طرف راغب رہی اور لمحات فرصت کتب بینی کی نذر کر دیئے اسی کا فیضان ہے کہ منطق، فلسفہ، تفسیر، فقہ، بیان و ادب۔ طب و حکمت میں اچھی خاصی استعداد پیدا کرلی۔ طبابت میں عمدۃ الاطباء کی سند حیدرآباد دکن سے ملی

اور شاعری میں سیماب اکبر آبادی سے اصلاح لی۔ اس کے بعد عطا کیا۔ چونکہ طبیعت خود ہی مصلح رہی اسلئے پھر کسی کی طرف رجوع نہیں کیا۔
آجکل جودھپور ہی میں اقامت پذیر ہیں اور وکالت و طبابت کے ذریعہ کسب معاش کرتے ہیں۔

بیکس حضرت بیک بدایونی کے بھانجے ہیں اور انہیں کی طرح بہت پُر گو ہیں۔ تمام اصناف سخن میں دستگاہ ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی اچھا ملکہ ہے۔ کلام کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے۔ اگر مرتب و مدوّن کیا جائے تو ایک ضخیم کلیات کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ مگر طبیعت میں انتہا درجہ کا لا ابالی پن ہے اس لئے کل سرمایہ اوراق پریشاں کی صورت میں منتشر ہے۔ شاعری کو کبھی نام و نمود کا ذریعہ نہ سمجھا اور ہمیشہ گوشۂ گمنامی ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے :-

شانِ استغنا کو رہینِ التجا کرتے نہیں
اپنی حاجت کو طلب غیر از خدا کرتے نہیں

ممکنات زندگی کیا حلقۂ دام خیال
اے بسا غفلت کہ ترک ماسوا کرتے نہیں

عیش و غم دو کروٹیں ہیں انقلاب دہر کی
اسلئے رنج و عناد کر غنا کرتے نہیں

انقلاب دہر ہم سے شانِ جانبازی نہ پوچھ
پھیرتے ہیں موت کا منہ ہم چھرا کرتے نہیں

میں وہ ہوں سیل حوادث سے جو کھیلا برسوں
سختیاں جھیل ہیں بڑھتے ہوئے طوفانوں کی

کفر ہشیار اُدھر ایمان ہے بیدار ادھر
کس نے زنجیر ہلا دی ہے صنم خانوں کی

دیکھ لے دورِ خزاں دیدۂ عبرت وا کر
اور رنگین بہاریں ہیں گلستانوں کی

اثر انداز ہے یہ جوہر حسن کا اپنا
جذب باہم جو نظر آتا ہے میاں دونیں

روکا سیلاب فنا موت کا تختہ الٹا　　پر ورش اپنی ہوئی موت کی جھنکار نہیں

باغباں پھینک نہ یوں حدِ چمن سے باہر
رازِ گلشن تو ہے پوشیدہ انھیں نثار نہیں

خدا اور ناخدا دونوں کہاں ہیں　　ہم بحرِ غم میں ڈوبا جا رہا ہوں

حکیم نثار احمد نثار

نثار احمد نام، نثار تخلص۔ والد کا نام غیور احمد ہے۔ ان کے دادا مخدوم بخش اسٹیٹ کونسل جودھپور کے ممبر اور عمائدین جودھپور میں شمار ہوتے تھے ۱۳۰۸ھ (غالباً ۱۸۹۰ء) میں حکیم نثار احمد پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی مگر بعض وجوہ کی بنا پر پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکی اور ترک تعلیم کر کے ملازمت کا متلاشی ہونا پڑا۔ جودھپور پولیس میں سب انسپکٹری کی جگہ مل گئی۔ کچھ عرصہ تک ملازمت کی پھر مستعفی ہو کر زمینداری شروع کر دی جو آجتک جاری ہے۔ فن طبابت میں بھی اچھی مہارت ہے۔ زمینداری کے ساتھ ساتھ مطب بھی کرتے ہیں۔ سیاسیات اور قومی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں تقسیم برصغیر سے قبل مارواڑ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری اور اسٹیٹ مسلم لیگ جودھپور کے صدر رہ چکے ہیں۔ متعدد مرتبہ میونسپلٹی اور صلاح کار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور اب بھی جمعیۃ العلماء راجستھان کے رکن اور نمائندہ راجستھان

اسمبلی کے ممبر بھی ہیں۔

عنفوان شباب میں شعر و سخن کا ذوق رہا۔ ریاض خیرآبادی کی آنکھیں دیکھی ہیں اور انہوں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ کلام بہت صاف اور سیدھا سادہ ہے گو مضامین کا تنوع نہیں ہے تاہم بعض اشعار سہل ممتنع کے اچھے نمونے ہیں۔ سلاست، روانی اور برجستگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ غزلیں اور نظمیں دونوں کہی ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں جودھپور میں ہندو مسلم فساد ہوا تھا اسکی بنا پر حکیم صاحب کو دیس نکالا دیا گیا تھا۔ قید جلا وطنی ختم ہونے پر جب واپس جودھپور آئے تو اس دور کی مستبد وزارت کے خلاف ایک معرکۃ الآرا نظم لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی۔

حکیم صاحب، صاحب دیوان نہیں ہیں۔ غزلیات کے چند اشعار جو دستیاب ہوئے ہیں پیشکش قارئین ہیں:-

اصرار سے نہ پوچھئے الفت کی بات ہے — یہ بات کوئی خاص عداوت کی بات ہے
آنے سے ضد بلانے سے ضد نامہ بر سے ضد — پروردگار کیسی مصیبت کی بات ہے
قرآں پہ ہاتھ رکھدیا مسجد میں بیٹھکر — اسپر بھی بدگمان ہو حیرت کی بات ہے
کل انکے پاس بیٹھے تھے اسوقت بزم میں — آج ان سے دور بیٹھے ہیں قسمت کی بات ہے

دشمن کی چار سن کے جو چپ ہو رہا ہوں آج
اسمیں ضرور کچھ نہ کچھ حکمت کی بات ہے

اگر یہ سچ ہے کہ ظلم اس نے اختیار کیا — تجھے سپرد خدا ہم نے قلب زار کیا
اگرچہ دلکو فدا تجھ پہ بار بار کیا — کرم نہ تو نے کبھی اے ستم شعار کیا
بنایا اک کو گدا اک کو شہریار کیا — عجب کرشمہ یہ اے شان کردگار کیا
مرے گناہوں نے مجھکو ذلیل و خوار کیا — خدا کے سامنے محشر میں شرمسار کیا

کھلی رہی پسِ مردن بھی آنکھ عاشق کی — عدم کی راہ میں بھی تیرا انتظار کیا
امیدِ حشر پہ مرنا پڑا ہمیں آخر — کسی کے وعدے کا اس درجہ اعتبار کیا
نہ آتے تم تو مری لاش کیا پڑی رہتی — جو دفن کر کے مجھے تم نے زیرِ بار کیا
جو وعدہ کر کے وفا کرنے کی نہ عادت ہے — تو پہلے ہی سے مجھے کیوں امیدوار کیا
کریم یوں تو تجھے اختیار ہے لیکن — امیدِ عفو نے مجھکو گناہگار کیا
وہ آ کے میرے جنازے پہ ناز سے بولے — ہمارا آپ نے کچھ بھی نہ انتظار کیا

نثار عشق وہ شے ہے ازل کے دن جس نے
زبانِ خامۂ قدرت کو بیقرار کیا

مرا ذمہ جو دھبّا آئے قاتل تیرے دامن پر — تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر
الٰہی چار تنکوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا آہ میں — پھری پھر کیوں نگاہِ برق میرے ہی نشیمن پر
انھیں سرگوشیاں غیروں سے فرصت ہی نہیں دیتیں — تو پھر کیونکر رکھیں وہ کان اپنے میرے شیون پر
ہمیشہ ایک سی حالت کسی کی رہ نہیں سکتی — کوئی دن اور کر تو ناز اپنے رنگ و روغن پر
میرے نزدیک یہ اک اچھی خاصی چاندماری ہے — نظر پڑتی ہے دنیا کی تمہارے زردِ دامن پر
نشانِ قبر ہی باقی نہ رکھا اس ستمگر نے — کوئی کیا فاتحہ پڑھنے کو آئے میرے مدفن پر
سبکدوشی اگر مدِ نظر ہے خونِ ناحق سے — ذرا سی خاک تم بھی ڈال دینا میرے مدفن پر
تمہاری سیر ہو جائے مری حسرت نکل جائے — ٹہلتے ہی چلے آؤ کسی دن میرے مدفن پر

سمجھ کر مجھکو دشمن غیر کے وہ دوست بنتے ہیں
نثار آئے نہ کیوں مجھکو ہنسی ان کے لڑکپن پر

بجھی مقتل میں پیاس اب تو تمہاری تیغِ براں کی
سبیلیں لگ رہی ہیں جا بجا خونِ شہیداں کی!
توکل ان کا تکیہ ہے زمیں بستر فلک چادر

فقیروں کو ضرورت ہی نہیں ہے ساز و ساماں کی
مجھے روئیں گے میرے بعد میرے جلنے والے
پسِ مردن ہوا کرتی ہے اکثر قدر انساں کی
الٰہی کون سے بیتاب نے گھبرا کے دم توڑا
زمیں تک ہل رہی ہے تختۂ گورِ غریباں کی
خمار آلودہ آنکھیں کہہ رہی ہیں شب کی کیفیت
ذرا آئینہ دیکھو کیوں قسم کھاتے ہو قرآں کی

سیّد خورشید علی مہر تقوی

محمد خورشید علی تاریخی نام ہے۔ مہر تخلص اپنے نام کے آگے تقوی اپنے استاد میرزا محمد تقی بیگ مائل کی نسبت سے لکھتے ہیں۔ نسباً سید زیدیاسنی حنفی انور علی شاد سانبھری کے صاحبزادے ہیں۔

بزرگوں کا وطن سانبھر ہے مگر مہر تقوی اپنے والد کے دورانِ قیام تجے پور میں ۴ر اگست سنہ ۱۹۰۴ء مطابق ۲۱ر جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ یوم پنجشنبہ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے نانا سید رحمت علی سے حاصل کی۔ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد فارسی کی درسی کتب گلستان۔ بوستان اور انوار سہیلی پڑھیں پھر سانبھر کے مقامی اسکول میں تحصیل انگریزی کے لئے داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء

میں جے پور چلے گئے۔ وہاں میٹرک پاس کیا۔ مولوی اساس الدین احمد تسنیم سے عربی پڑھی اور طب میں طبیب فاضل اور عمدۃ الحکماء کی سندیں حاصل کیں۔

سلسلۂ ملازمت ۱۹۲۰ء میں شروع کیا۔ جنرل سپرنٹنڈنٹ پولیس جے پور کے دفتر میں متفرقات کے اہلمد مقرر ہوئے پھر ترقی کرتے کرتے ہیڈ کلرک ہو گئے ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں حالات سے مجبور ہو کر وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا اور پاکستان چلے آئے۔ آجکل ایڈوکیٹ جنرل کراچی کے آفس میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ مہر نقوی کی شاعری کا آغاز ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں ہوا۔ حضرت مائل ساغری سے باقاعدہ تلمذ حاصل کیا اور ان کی وفات ۱۹۳۰ء تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔ اپنے والد کی طرح فن تاریخ گوئی کی طرف زیادہ رجحان ہے اور اس میں اچھی مہارت پیدا کی ہے۔

کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحب تذکرہ شعرائے جے پور رقمطراز ہیں

"قواعد زبان و عروض کی پابندی طبع ثانیہ بن گئی ہے۔ محاسن سے پہلے شعر کے معائب پر نظر پڑتی ہے۔ کلام میں زور ہے۔ روانی ہے۔ چست بندشوں اور خوبصورت ترکیبوں پر زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ ندرت تخیل بھی ہے اور مضمون آفرینی و بلند پردازی بھی۔ زبان صاف و شستہ استعمال کرتے ہیں"

مہر نقوی متعدد کتابوں کے مصنف و مولف ہیں جن کی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

(۱) رسالہ واحد و جمع۔ دو ہزار سے زائد الفاظ واحد کے مقابلے میں معانی اور انکی جمع کے صیغے درج ہیں (غیر مطبوعہ)

(۲) تجنیس مضارع۔ صنعت تجنیس مضارع کے ماتحت ایسے الفاظ کے جوڑے بالمقابل لکھے ہیں جن کے حروف و معانی مختلف ہیں مگر آواز تقریباً

یکساں ہے ۔مثلاً بازاور بعض ۔آم اور عام ۔ (غیر مطبوعہ)

(۳) انیس تاریخ گوئی ، یہ کتاب مصنف کے فن تاریخ گوئی کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے فن جمل اور تاریخ گوئی کی تاریخ ہے جس میں اس بات کی تحقیق کی گئی ہے جمل کے الفاظ کب اور کس طرح قائم ہوئے ۔ان کے مقابل اعداد کب مقرر ہوئے ۔اس فن کے ماتحت تاریخ گوئی اور اظہار واقعہ کا خیال سب سے پہلے دنیا میں کس کو ہوا ۔تاریخ گوئی کے ارتقائی منازل ، مختلف صنعتیں ۔قطعات تاریخ کے نمونے وغیرہ وغیرہ (غیر مطبوعہ)

(۴) مجموعہ تواریخ ۔ اس کتاب میں ان کے والد شاد سانجھری کا تاریخی کلام درج ہے (غیر مطبوعہ)

(۵) تاریخہائے دل پسند یہ مہر نقوی کے تاریخی قطعات کا مجموعہ ہے (غیر مطبوعہ)

(۶) بیاض کلام ۔ یہ مہر نقوی کی غزلیات ۔ قطعات و رباعیات کا ایک ضخیم مجموعہ تھا جن کے اشعار کی تعداد حسب بیان مولانا شاغل دو ہزار سے زیادہ تھی ۔یہ مجموعہ پاکستان آنے وقت ہندوستان ہی میں رہ گیا ۔اور اب لاپتہ ہے ۔

(۷) تذکرۂ درخشاں ۔ تاریخ گوئی کے ابتدائی زمانہ سے آج تک کے تقریباً تمام مشہور اساتذہ اور دوسرے تاریخ گو شعرا کا تذکرہ جس میں ہر تاریخ گو کے مختصر و جامع حالات اور تاریخی قطعات درج ہیں (زیر ترتیب)

اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

پس اشک آہ و فغاں اور بھی ہیں — غم عشق کے ترجماں اور بھی ہیں
نہیں ختم کعبہ ہی پہ ذوق سجدہ — ابھی اے جبیں آستاں اور بھی ہیں
کہیں اور اعالم رنگ و بو سے — محبت کے رنگیں جہاں اور بھی ہیں

ابھی تو مری داستاں ہی سُنی ہے
ابھی مختصر داستاں اور بھی ہیں

محبت میں کہاں یہ اضطرابِ دل نہیں ہوتا
نہیں ہوتا تو اثرِ خنجرِ قاتل نہیں ہوتا

غمِ الفت میں جینا شاہکارِ زندگانی ہے
فرشتہ بن کے جی لینا تو کچھ مشکل نہیں ہوتا

تنکے چن کر کیوں کروں تو ہین حسنِ انتخاب
پھول جب موجود ہیں میرے نشیمن کے قریب

امتیازِ انتہا کہاں منزل رہی کے شوق میں
جان کر رہبر چلا جاتا ہوں رہزن کے قریب

غم ملا، رنج ملا، درد ملا، داغ ملے
اک ستم ہو گیا انسان کا انساں ہونا

لے دیا کیوں اپنے دلسوز دل میں پروانے کا نام
سوچ کر لینا تھا تم کو اپنے بیگانے کا نام

گر نشاطِ غمِ حیات نہ ہو
آدمی حسن کائنات نہ ہو

ابھی ہیں دیر میں ایسے ہزاروں افسانے
کہ جن کو سن کے حرم لاجواب ہو جائے

کسی کی محفل ہے یہ جہاں یارو
آنکھ اپنی نظر پہ آئی ہے

ہم نے جو تجھے دیکھ کے دل تھام لیا ہے
آدابِ محبت سے بڑا کام لیا ہے

دو جہاں کے غم سے ملتی ہے نجات
تیرے غم میں یہ بڑا اہرام ہے

بنا ہے یہ جہاں کیا اس غرض سے آئینہ خانہ
کہ دنیا کو تمہیں پہچاننا دشوار ہو جائے

اک جنبش لب میں ہی نکل آتے ہیں آنسو
ہم اپنا افسانہ بھی تو دہرا نہیں سکتے

شیر محمد خاں اختر

شیر محمد خاں نام، اختر تخلص۔ ان کے والد مولانا عبدالرحمن خاں

اہل طریقت بزرگ تھے اور مولانا مسیح اللہ قادری چشتی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ قادریہ چشتیہ میں بیعت و سجادہ نشین تھے۔ جودھپور کے جس محلہ میں سہارا مکان تھا وہیں ان کا خاندان آباد تھا۔ احقر پہلے حضرت شرقی سے اصلاح لیتے تھے شرقی کی وفات کے بعد حضرت بیدل کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ گو زیادہ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر طبیعت رسا پائی تھی۔ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ تمام کلام ضبط تحریر میں آنے سے بے نیاز رہا اور خزینۂ دل ہی میں محفوظ رہا۔ بدیہہ گوئی میں بھی اچھی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ متعدد مشاعروں میں فی البدیہہ غزلیں کہکر سنائیں

۶ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۳۴ء بروز پنجشنبہ تقریباً ۴۰-۴۵ سال کی عمر میں احقر نے اس جہان فانی سے کوچ کیا۔

ان کا جسقدر کلام دستیاب ہو سکا درج ذیل ہے ؎

خمسہ نعتیہ

تجھی کو یا محمد سید ابرار کہتے ہیں — تجھی پر سب سے بڑھکر ہے خدا کا پیار کہتے ہیں
توہی ہے وہ کہ جسکو رحمتِ غفار کہتے ہیں — توہی ہے دونوں عالم کا جسے سردار کہتے ہیں
خدا کی کل خدائی کا تجھے مختار کہتے ہیں

خدا عاشق ہے جس پر وہ حسین و دلربا تو ہے — مکین لامکاں بدر الدجیٰ نور الہدیٰ تو ہے
ادب سے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں کہ کیا تو ہے — غرض یہ ہے سراپا مظہرِ نور خدا تو ہے
ترے دیدار کو اللہ کا دیدار کہتے ہیں

حضورِ قلب سے در پہ ترے جو شخص آئیگا — پئے تعظیم چوکھٹ پر تری سر کو جھکائیگا
یقیں ہے وہ تمنائے دلی دم بھر میں پائیگا — یہاں سے آج تک... خالی گیا ہے اور نہ جائیگا
یہ وہ دربار ہے جسکو سخی سرکار کہتے ہیں

نہ کوئی ناخدا ہے اور نہ تنکے کا سہارا ہے — پرانی ناؤ ہے طوفان ہے کوسوں کنارا ہے

ہوا بگڑی ہوئی ہے خوف سے دل پارا پارا ہے   بچا نا یا محمدؐ کہ تو ہی اللہ کا پیارا ہے
تجھی کو کشتیِ امت کا کھیون ہار کہتے ہیں

نظر آتا نہیں مجھکو خدائی میں ترا ہمسر   سناؤں دردِ دل کسکو کہاں جاؤں سمجھے سر پر
مدد اے سید عالم پڑا ہے وقت آخر پر   تو ہی ہے رحمۃ للعالمین تو شافع محشر
تجھی کو بیکسوں کا مونس و غمخوار کہتے ہیں !

غزلیات

سب سے جدا ہے اور ہے سب میں چھپا ہوا   اس سا جہاں میں کوئی نہ بہروپیا ہوا
پھر آہ با اثر ہوئی نالہ رسا ہوا !   پھرتا ہے پھر کوئی مجھے اب ڈھونڈتا ہوا
پھر میرا میہماں وہ بت بیوفا ہوا !   پھر بخت نارسا مرا بخت رسا ہوا
پھر ہمکنار مجھ سے بت خوش ادا ہوا   پھر میرا آج نخل تمنا ھرا ہوا
پھر چھا گئیں اداسیاں بزم رقیب پر   عشرتکدہ جو گھر تھا وہ ماتم کدا ہوا
دھوکا فریب مکر ہزاروں کیے مگر   آخر رقیب رہ گیا منہ دیکھتا ہوا
آنکھیں ملا کے غیر کو اپنا بنا لیا   کیا سحر سامری ہے نظر میں بھرا ہوا
قاتل نے قتل کر کے سبکدوش کر دیا   الفت کا آج مجھ سے جو حق تھا ادا ہوا
دل میں جگر میں ہے کہیے تو کیونکر جگہ نہ دوں   گو درد ہے مگر ہے کس کا دیا ہوا
کیوں چپ ہو کیوں اداس ہو کیسا مزاج ہے   کیا مجھ سے کچھ خطا ہوئی کہیے تو کیا ہوا
کہتے ہیں وصل یار دوا دردِ دل کی ہے !
اپنا تو درد اور بھی اس سے سوا ہوا

مل نہیں سکتی دوائے درد دل   ہاں قضا آئے تو جائے دردِ دل
ناز سے اس نے کہا چپ بھی رہو   سُن لیا بس ماجرائے دردِ دل
لطف وہ حاصل ہوا ہے کیا کہوں   مر کے بھی یارب نہ جائے درد دل

باد صرصر کے وہاں جھلتے ہیں پر — کس طرح کوئی سنائے درد دل
ہائے ہائے عمر بھر کرتا رہا — لگ گئی جسکو بلائے درد دل
وصل میں کس ناز سے کہتے ہیں وہ — اب نہ چلّانا کہ ہائے درد دل

الفتِ جاناں میں آحقر دیکھنا
ہو نہ جانا مبتلائے درد دل

کل ایک شوخ چلبلا ایسا ملا کہ بس — شوخی غضب کی حسن بھی وہ دلربا کہ بس
میں نے کہا کہ کیجئے وعدہ وفا کہ بس — اتنی سی بات پر ہوئے ایسے خفا کہ بس
پانی نہ مانگا کشتۂ دیدار نے ترے — تیغ نظر کا وار وہ کاری لگا کہ بس
قاتل کی تیغ ناز سے میں خود لپٹ گیا — آئی کچھ ایسے ناز سے میری قضا کہ بس

اُن کا بگڑنا اور مرا ان کو چھیڑنا
کیا دل لگی تھی لطف ہی تو آ گیا کہ بس

نامۂ شوق انھیں کر کے رقم دیکھتے ہیں — آج تقدیر کی تحریر کو ہم دیکھتے ہیں
ہم سے برہم ہی رہا یار تو مثل گیسو — کوئی ہونگے جو ترے لطف و کرم دیکھتے ہیں

شوق لے آیا ہے مقتل میں سنبھل جا قاتل
آج دم خم تری شمشیر کا ہم دیکھتے ہیں

دل ہا چھیڑ کیوں لیے اس نگہ فتنہ زا کے ساتھ — یوں کھیلتا بھی ہے کوئی ظالم قضا کے ساتھ
اک تم کہ ہے تمہاری ہر اک بات با اثر — اک میں کہ کچھ اثر ہی نہیں ہے دعا کے ساتھ

اے دل سنبھل کہ عالم طفلی گزر گیا
ان کا شباب آیا ہے ناز و ادا کے ساتھ

اثر نالوں میں ہوگا آہ جس دم با اثر ہوگی — ہمارے درد کی اس بیوفا کو جب خبر ہوگی
سوئے کعبہ کھڑے ہوئے ہیں سب سجدہ کرنے کو — مرا سجدہ ادھر ہوگا تری صورت جدھر ہوگی

نہ ملنے تک گلے شکوے ہیں اور تو ملگیا جس دم　　زباں پھر بند ہو جائیگی اور نیچی نظر ہوگی
ابھی سے سینکڑوں دشواریاں ہیں راہ الفت میں　　خدا جانے یہ منزل آگے کیسی پر خطر ہوگی
اٹھے گا جس گھڑی آنکھوں سے اپنی پردۂ غفلت　　تو ہم کیا ہیں پتہ چل جائیگا اپنی خبر ہوگی
یہ مانا وہ خفا رہتے ہیں احقر سے مگر کب تک
کبھی تو رحم آئیگا عنایت کی نظر ہوگی

مربع

حسن بھی چیز کیا ہے خدا کی قسم　　شان حق ظاہر ہے خدا کی قسم
کوئی جلوہ نما ہے خدا کی قسم　　ہاں بشر میں خدا ہے خدا کی قسم

وہ کہیں شکل لیلیٰ میں آیا نظر　　اور کہیں بن کے مجنوں پھرا دربدر
اور کہیں عشق شیریں میں پھوڑا ہے سر　　کیسا بہروپیا ہے خدا کی قسم

ڈھونڈنے جسکو دیر و حرم میں گیا　　شوق دیدار میں جس کے در در پھرا
جب ملا وہ تو دیکھا کہ میں خود ہی تھا　　یعنی مجھ سا خدا ہے خدا کی قسم

کیا کہوں کس لئے رہتی ہے چشم تر　　ہوش آتا نہیں مجھکو دو دو پہر
یعنی بیٹھا ہوا دل میں اک فتنہ گر　　چٹکیاں لے رہا ہے خدا کی قسم

مل ہی احقر سے سب چار آنکھیں ہوئیں　　تیر اک لگتے ہی ہو گیا دل نشیں
تیر کیا آنکھوں میں بتلا تو اے نازنیں　　کیسا جادو بھرا ہے خدا کی قسم

حافظ عبدالحمید تاباں

عبدالحمید نام، تاباں تخلص۔ قاضی عبدالغفار برقی کے بڑے لڑکے تھے

۱۷ر مارچ ۱۸۹۹ء (۴ر ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ) کو جودھپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ حافظ بشیر خاں صاحب ٹونکی کے پاس قرآن مجید حفظ کیا۔ اردو، فارسی اور عربی کی تحصیل مدرسہ اسحاقیہ میں کی اور طب حکیم محمد مرزا شاکر دہلوی سے پڑھی۔ شاعری میں بیدل بدایونی کے شاگرد رشید تھے۔ بادہ حب نبوی سے سرشار تھے۔ اس لیے تمام عمر نعت کے سوا کچھ نہیں کہا۔

مذہبی اور قومی خدمات کا جذبہ سے دل مملو تھا۔ انجمن اسلامیہ جودھپور کے سرگرم رکن اور اس کے شعبۂ بیت المال کے مشیر امور مذہبی تھے ۳۱ر اگست ۱۹۵۹ء (مطابق ۲۵ر صفر ۱۳۷۹ھ) کو دوشنبہ کے دن جودھپور ہی میں انتقال کیا۔

تاباں صاحب دیوان ہیں۔ اپنا دیوان زندگی ہی میں مکمل کر لیا تھا مگر چھپنے کی نوبت ہنوز نہیں آئی۔ کلام صاف اور شستہ ہے زبان کو ثر و تسنیم میں دھلی ہوئی استعمال کرتے ہیں۔ نمونہ درج ذیل ہے۔

نمونۂ کلام :-

ہوں شفاعت کا طلبگار مدینے والے
چشم الطاف ہے درکار مدینے والے

اللہ اللہ ترے انوار مدینے والے
ہے خدا طالب دیدار مدینے والے

حشر کی علت غائی کی حقیقت یہ ہے
ہو تری گرمیٔ بازار مدینے والے

رخِ روشن سے اٹھا دے بشریت کی نقاب
دیکھ لیں طالب دیدار مدینے والے

طور پر شوق میں تیرے ارنی گو تھے کلیم
تھے ترے طالب دیدار مدینے والے

شور جاں بخشیٔ عیسیٰ نہ جہاں میں ہوتا
گر نہ ہوتے ترے بیمار مدینے والے

تیرا پڑ جائیگا چھینٹا جو کوئی ابر کرم
نار ہو جائیگی فی النار مدینے والے

جان کیا چیز ہے تو نے ہمیں ایمان بخشا
تو ہے داتاروں کا داتار مدینے والے

آپ کا بندۂ تاباں ہے صلے کا طالب
لکھ کے یہ نعت کے اشعار مدینے والے

روضۂ پاک محمدؐ دیکھو　　غیرتِ چرخ زبرجد دیکھو

ہو کے مشتاق بلاتا ہے خدا　　جز رتو دیکھو لبا مد دیکھو

ہم نے جانا ہے خدا کو انسے　　ہیں یہ خالق کے سرامد دیکھو

کفِ پا پر ہیں جبیں سا چرلپا　　دیکھو آداب خوشامد دیکھو

ان کے عاصی ہیں ابد تک مرحوم　　جوشش رحمت بیحد دیکھو

انکو دیکھا تو خدا کو دیکھا　　دیکھو نور روئے محمدؐ دیکھو

فخر دیں فخر رسل فخر زماں　　ہے یہی فخر اب وجد دیکھو

وہ صلہ نعت کا دینگے تاباں
اب تو بر آئے گا مقصد دیکھو

یا نبی وصف کوئی لکھ نہ سکیگا تیرا　　پست ہے عرش بھی جب سے ہے وہ رتبا تیرا

دنگ رہ جاتے نہ کیوں دیکھنے والا تیرا　　بڑھ کے یوسف سے ہے کچھ حسن دلآرا تیرا

بھر دے بھر دے مری جھولی کو وہ جواد ہے تو　　کبھی خالی نہ پھرا مانگنے والا تیرا

تو ہی دیگا اسے جو لیگا تجھ ہی سے لیگا　　منہ نہ دیکھے گا کبھی غیر کا منگتا تیرا

جسکے پلے پہ ہو تو اسکا معاون ہے خدا　　کب یہ بگڑا ہے نہ بگڑے گا سنوارا تیرا

جسکے نظارے سے بیہوش ہوئے تھے موسیٰ　　کسکا جلوہ تھا اگر وہ نہ تھا جلوا تیرا

عام رحمت ہے تری مسلم و کافر کیلئے　　ہے لقب رحمت عالم شہ بطحیٰ تیرا

روح جب قالبِ خاکی سے جدا ہو میری　　ورد لب نام ہو پھر میرے آقا تیرا

ابھی دم میں مرے عصیاں کی سیاہی دھل جائے　　ابر رحمت کوئی پڑ جائے جو چھینٹا تیرا

سائلانہ درِ دولت پہ چلا آیا ہوں　　کچھ تو مل جائے بھلا ہو مرے داتا تیرا

منزلِ پرسش مرقد مجھے آساں ہو جائے　　کام بن جائے اگر دیکھ لوں جلوا تیرا

اپنے دربار میں تاباں کو بلا لے آقا　　کہیں لگ جائے ٹھکانے سے نکما تیرا

عالم رویا میں شہ کا روئے خنداں دیکھکر
کیا کروں گا خلد کے میں باغ وبستاں دیکھکر

دستگیری چاہئے اے آیۂ رحمت مری
غرقِ آبِ شرم ہوں میں فردِ عصیاں دیکھکر

قافلے طیبہ چلے پیچھے رہا جاتا ہوں میں
مجھکو چھوڑے جاتے ہیں بے ساز وساماں دیکھکر

نامرادی تجھ پہ ہوں سو جان و دل سے میں نثار
رحم ان کو آگیا حالِ پریشاں دیکھکر

کاش جاگ اٹھیں یونہی سوئے ہوئے میرے نصیب
خواب ہی میں شاد ہوں روئے درخشاں دیکھکر

وہ شفیعِ حشر ہیں پھر ہمکو خوف وباک کیا
امتی مایوس ہوں کیوں فردِ عصیاں دیکھکر

دوریِ طیبہ ترے تاباںؔ پہ آقا شاق ہے
کاش بلوالے اسے اپنا ثنا خواں دیکھکر

لبریز کوئی ساغرِ الفت کا عطا کرنا
شاہ دوسرا مجھکو سرمستِ ولا کرنا

ہم فرض سمجھتے ہیں حضرت کی ثنا کرنا
گو لذت کا حق جو ہے مشکل ہے ادا کرنا

مجھکو بھی سرِ محشر دامن میں چھپا لینا
سایہ ہے سر پر بھی اے ظلِ خدا کرنا

تم مالکِ کوثر ہو ترسوں نہ لبِ کوثر
آنکھوں کے تصدق میں ایک جام عطا کرنا

دم ناک میں آیا ہے تاریکیٔ مرقد سے
ہاں چشمِ کرم مجھ پر اے بدرِ دجیٰ کرنا

گھبرائیں مرے دشمن خورشید قیامت سے
دامن میں جگہ وہ دیں پھر خوف ہی کیا کرنا

تم رحمتِ عالم ہو جنت میں جگہ دینا
تم شافعِ محشر ہو دوزخ سے رہا کرنا

جھولی مری بھر دینا اے داد و دہش والے
داتا کا بھلا ہوگا منگتا کا بھلا کرنا

"تاباںؔ" در دولت کا ادنیٰ سا بھکاری ہے
لازم ہے بھکاری پر سرکار دیا کرنا

سیّد نورالحسن حسن زیدی

سید نورالحسن زیدی نام حسن تخلص - والد ماجد کا نام میر مہدی حسین ہے جو میر مہدی مجروح تلمیذ غالب کے رشتہ کے بھائی تھے۔ ان کی ولادت ۲۰ر فروری سن ۱۹۰۱ء کو موضع سید شاہ پور علاقہ ریاست پاٹودی (مضافات دہلی) میں ہوئی سنہ ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول ریواڑی سے میٹریکولیشن پاس کیا ملازمت کی ابتدا بہ طور سب انسپکٹر پولیس باقاعدہ ٹریننگ حاصل کر کے کی لیکن جلد ہی اپنے والد محترم کے ایما پر مستعفی ہوکر محکمہ ڈاک وتار سے منسلک ہو گئے پہلے کلرک اور بعدہٗ تار کا امتحان دیکر پوسٹ ماسٹر ہو گئے۔ اسی ملازمت کے سلسلہ میں سنہ ۱۹۲۴ء میں ان کا تبادلہ جو دھپور میں ہو گیا اور ایک مدت تک یہاں قیام پذیر رہے۔

تقسیم برصغیر کے بعد سنہ ۱۹۴۷ء میں یہ پاکستان چلے آئے اور نواب شاہ میں سکونت اختیار کی۔ ۲۰ر فروری سنہ ۱۹۶۱ء ساٹھ سال کی عمر میں پنشن یاب ہوئے اور آجکل نواب شاہ میں خانہ نشین ہیں۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے جملہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل سے زیادہ شغف ہے۔ کلام میں پختگی ہے لطف زبان اور سلاست بیان ان کے کلام کی جان ہے۔ دورِ حاضرہ کے مشہور نوجوان شاعر فاضل زیدی انہیں کے فرزند ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے :۔

کوئی دنیا میں نہیں دل سے زیادہ دشمن | اپنے پہلو میں لئے پھرتا ہوں اپنا دشمن
بن گئی میرے لئے دل کی تمنا دشمن | واقعہ یہ ہے کہ میں آپ ہوں اپنا دشمن
وہ بھی بدخواہ ہوئے ہیں ہے اللہ اللہ | ہو گیا جن کے لئے سارا زمانہ دشمن
سچ ہے دنیا میں برا وقت برا ہوتا ہے | در و دیوار سے ہو جاتے ہیں پیدا دشمن
کچھ نہ کچھ بات زمانہ میں ہوا کرتی ہے | بے سبب ہوتا نہیں کوئی کسی کا دشمن

اے حسنؔ دوست سے اظہارِ محبت کرنا
دوسرے لفظوں میں ہے اسکو بنانا دشمن

اور کہو کچھ کر کے دکھائیں | مر تو چکے ہیں مر کیا جائیں
خانۂ دل میں شوق سے آئیں | ان کا گھر ہے آئیں جائیں
دیکھئے کیا ہیں دائیں بائیں | حاضر ہے دل وہ لے جائیں
چشمِ مروت رکھتے ہیں ہم | وہ نہیں ہیں جو آنکھ چرائیں
وہ تو سن لیں غم کا فسانہ | کس کی زباں کہنے کو لائیں
قصۂ غم طولانی بہت ہے | اور سنو گے اور سنائیں
قبر کی وحشت میں ہوں تنہا | سونا جنگل سائیں سائیں

جز تیور مرقد پہ حسنؔ کے
کسکو یقیں ہے پھول چڑھائیں

کیا جانیئے کہ ٹوٹ کے کس دل میں رہ گیا | قبضہ ہی قبضہ اک کفِ قاتل میں رہ گیا
غنچے تو کھل کھلا کے حسنؔ ہو گئے خموش | چرچا ترے بیاں کا عنادل میں رہ گیا

فلک کے جور سے گو چشمِ گریاں ہم بھی رکھتے ہیں | نہیں پروا امیدِ فضلِ یزداں ہم بھی رکھتے ہیں
زمانہ رہ نہیں سکتا کسی کا ایک حالت پر | اسی سے کچھ سنبھل جانے کا ارماں ہم بھی رکھتے ہیں

لبوں پر آکے رہ جاتی ہے فریاد و فغاں اکثر
کہاں تک ضبط آخر قلب انساں ہم بھی رکھتے ہیں

سیّد طالب حسین طالب

طالب حسین نام۔ طالب تخلص نسباً سید اور مذہباً اثنا عشری شیعہ تھے۔ جودھپور ہیڈ پوسٹ آفس میں ڈپٹی پوسٹ ماسٹر تھے حضرت بیدل بدایونی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مسرور انوری کے دوران قیام جودھپور میں یہ جودھپور میں سکونت پذیر تھے۔ یہ ۱۹۲۱ء ۱۹۲۲ء کے لگ بھگ کا زمانہ تھا۔ ہر مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے اور داد سخن دیتے تھے۔ سن پچاس سے تجاوز کر چکا تھا۔ مگر آواز کڑاکے کی تھی جس سے تمام محلس پر چھا جاتے تھے۔ تحت لفظ پڑھتے تھے۔ ان کی آواز سے متاثر ہو کر حضرت بیدل نے ایک رباعی کہی تھی جس کا صرف پہلا شعر یاد رہ گیا ہے ؎

شاعر ہوں گو اعجاز کہاں سے لاؤں
طالبؔ کی سی آواز کہاں سے لاؤں

کچھ عرصہ کے بعد طالب کا جودھپور سے تبادلہ ہو گیا لیکن نہیں معلوم ہو سکا کہ کہاں گئے۔ ان کی صرف ایک نعتیہ رباعی یاد رہے جو درج ذیل ہے ؎

طالب تری محنت کا صلہ دیکھ لیا
اس شوق و خلوص کا مزا دیکھ لیا
کام ایک تھا مطلب ہوئے دو دو حاصل
احمدؐ کی زیارت میں خدا دیکھ لیا

عبدالباری تنہا

عبدالباری نام تنہا تخلص۔ دورِ متاخرین کے شعرائے جودھپور میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ میرے بچپن کے ساتھی اور ہم مکتب وہم سبق تھے۔ ایک ہی دور میں ہماری شاعری کا آغاز ہوا اور ایک ہی منبع فیض سے فیضیاب ہوئے۔ استاد مرحوم بیدل بدایونی کی وفات سے جو عظیم خلا پیدا ہوگیا تھا۔ اسکو تنہا نے پر کر دیا اور اس اعتبار سے انکے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

تنہا کا آبائی وطن بجنور ہے ان کے والد شیخ محمد عبداللہ انصاری ترک وطن کر کے جودھپور آگئے تھے اور تجارت کرتے تھے۔ تنہا کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔ عمر میں مجھ سے تقریباً ایک دو سال بڑے تھے۔

اردو و فارسی کی تعلیم مولنا بیدل سے حاصل کی اور عربی قاضی کبیر احمد کبیر تلمیذ داغ سے پڑھی اور الہ آباد یونیورسٹی سے منشی کا امتحان پاس کیا اور پھر کسب معاش کے لیے درس و تدریس کا سلسلہ اختیار کیا۔ سرکاری پرائمری اسکول میں مدرسی کی اور بعد ازاں مدرسہ حمایت الاسلام جودھپور میں صدر مدرس ہوگئے اوقات فرصت میں طبابت بھی کیا کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء میں مع اہل وعیال وعزیز و اقارب پاکستان چلے آئے۔ اور کراچی میں بود و باش اختیار کی۔ یہاں بھی سلسلۂ درس و تدریس جاری رہا۔ ایک مقامی اسکول میں مدرس ہوگئے اور آخر دم تک اس سے وابستہ رہے ۱۵ر جنوری

۱۹۵۶ء کو اس کارگاہ ہست و بود کو خیرباد کہکر عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا
تنہا نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزلیات، رباعیات، قطعے
اور نظمیں سب ہی کچھ ان کے پیچھے چھوڑے ہوئے سرمایۂ کلام میں موجود ہیں مگر کوئی
چیز چھپ کر منصۂ شہود پر نہیں آئی۔

معاملہ بندی اور سلاست زبان ان کے کلام کی جان ہے۔ خمریات میں زاہد و
واعظ کی پگڑیاں خوب اچھالی ہیں۔ بدیہہ گوئی میں بھی اچھا ملکہ حاصل تھا۔
رونق جودھپوری۔ رنگین۔ ظفر۔ منظر اور دیگر متعدد حضرات نے ان سے
اصلاح سخن کی ہے۔

انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

مخمس نعتیہ

براق برق پیکر مرحبا توسن محمد کا — علو میں عرش اعظم سے سوا مسکن محمد کا
تجلی گاہ یزداں ہے رخ روشن محمد کا — سراپا ظل سبحاں سایۂ دامن محمد کا
ہر اک ذرہ ہے رشک وادی ایمن محمد کا

سروں پر بار عصیاں سامنے دربار داور ہے — ادھر گرمی قیامت کی ادھر اعمال کا ڈر ہے
تجھے مژدہ ہو امت نصیبہ تیرا یاور ہے — وہی ہے رحمت عالم اسی کا روز محشر ہے
چھپا لیگا گنہگارو تمہیں سایہ محمد کا

نظر آجائے دنیا میں حیات خلد کا نقشا — معطر ہو مشام جاں کرے ایمان کو تازہ
مہک خود میں وہ رکھتا ہے یہاں کا ہر گل یکتا — ہر اک پودے کو جس کے رحمت عالم نے خود سینچا
بہار بے خزاں رکھے نہ کیوں گلشن محمد کا

سراپا جان رحمت ہے مکین گنبد خضرا — جو اس کا ہو انہیں آفات عالم سے کھٹکا
یہی دربار ہے بیشک سہارا بے سہاروں کا — وہاں مقبول ہوتا ہے اسی درگاہ کا بندا

خدا کا تجھکو بننا ہے تو پہلے بن محمد کا

فقیری کو تمہاری جس نے بدلا جاہ و حشمت سے
بنایا جس نے مستغنی تمہیں دنیا کی دولت سے

کہیں محروم رہ جانا نہ تم اسکی زیارت سے
اشارہ کر رہا ہے کعبہ یہ میزاب رحمت سے

نظر آتا ہے تنہا سامنے مسکن محمد کا

غزلیات

کیسے جینا چاہئے کس طرح جینا چاہئے
صاف کھل جائے حقیقت اتنی پینا چاہئے

وہ پلائیں میں پیوں اور وہ سنبھالیں میں گروں
یہ ہے پینے کا طریقہ ایسے پینا چاہئے

یہ بہاریں یہ گھٹائیں یہ ہوا ہوتے ہوئے
بات کرنے کا بھی کچھ واعظ قرینہ چاہئے

کوہکن اور عشق کی افتاد کوئی بات ہے
میرا دل میرا کلیجہ میرا سینہ چاہئے

مجھ سے سودائی کے نسخے میں لکھی روح گلاب
اے طبیب اسکے گل رخ کا پسینہ چاہئے

میکدے میں پاک باطن آج بھی مل جائینگے
دیکھنے والوں کو لیکن چشم بینا چاہئے

کھول دیتا ہے خدا جس ماہ میں رحمت کے در
مے پرستی کے لئے ایسا مہینا چاہئے

کیوں کسی کے پاس بیٹھوں کیوں میں جھگڑوں میں پڑوں
مجھکو تنہا ایک جام اور ایک مینا چاہئے

خموشی میں محبت گوش بر آواز ہوتی ہے
نظر جب مل کے جھکتی ہے سراپا راز ہوتی ہے

اشارہ ہی پہ تڑپنے کو لے جب دل نہیں ملتا
بہت مایوس ایسے میں نگاہِ ناز ہوتی ہے

یہی ٹھوکر گراتی ہے کسی کو منزلوں نیچے
یہی ٹھوکر کسی دل کیلئے اعجاز ہوتی ہے

یہ آنکھیں اور ان کے وار ہر صورت میں تیاری
ستم کاری کبھی چشم غلط انداز ہوتی ہے

کسی خاموش عالم میں جو بجلی دل پہ گرتی ہے
کوئی شعلہ نکلتا ہے نہ کچھ آواز ہوتی ہے

شمیم گل کی نازک آہٹیں محسوس کرتا ہوں
جوانی میں تمنا گوش بر آواز ہوتی ہے

میں تنہا شب کے سناٹے میں اکثر چونک پڑتا ہوں
تصور میں بھی ان کے پاؤں کی آواز ہوتی ہے

سچ بتا دیں جب سے پینا آگیا
ہوشیاری کا قرینا آگیا

اب تمنا ہیں وہ طغیانی نہیں
کیا کنارے تک سفینا آگیا

اُٹھ لے گرمی اشتیاق دید کی
آنکھ ملتے ہی پسینا آگیا

زندگی کی مشکلیں حل ہو گئیں
ان پہ مر کر ہم کو جینا آگیا

لڑکھڑا کر ان کے بازو پر گرا
ہنس کے بولے تم کو پینا آگیا

قسم شباب کی ہرگز یہ پائیدار نہیں
ترے شباب کا مجھکو تو اعتبار نہیں

چھپا رہا ہے یہ کس سے ترا خیال مجھے
تو ہی بتا دے تجھے میرا انتظار نہیں

ابھی ہیں ان سے خفا بھی تو ہو نہیں سکتا
ابھی نگاہِ محبت پہ اختیار نہیں

میں ان کے راز کو ہرگز لٹا نہیں سکتا
نہیں نہیں مرا کوئی بھی راز دار نہیں

نگاہ تو ہی بتا دے تجھے کہاں رکھ دوں
ترا مزاج مرے دل کو سازگار نہیں

ستانے کو ہمارے لاکھ پیدا آسماں کر دے
اگر شک ہو مقرر روز کوئی امتحاں کر دے

مرا افسانہ آنکھوں سے اتر جائے کسی دل میں
نگاہِ یاس ہی کو یا الٰہی تو زباں کر دے

نظر آئیگی دنیا تجھکو آغوش تمنا میں!
بڑھا حرف تمنا کو بڑھا کر داستاں کر دے

کبھی مجبور کر دینگی وفائیں چٹکیاں لیکر
تو اپنے مرنے والے کی لحد پر کچھ نشاں کر دے

چراغ ایسے نظر آئیں الٰہی لالہ رویوں کے
نظر کی ان فضاؤں کو فضائے بوستاں کر دے

زمین شعر پہ ہی اک نہیں تنہا یہاں قادر
اگر چاہے تو پیدا آہ سے اک آسماں کر دے

طبیعت نے مجبور کر کے ہی چھوڑا!
زمانہ سے بیمر دور کر کے ہی چھوڑا

میں بچکر چلا تھا خراب نظر سے
مگر تونے تو چور کر کے ہی چھوڑا

قیامت کی طاقت تھی تیری نظر میں
نگاہوں کو مجبور کر کے ہی چھوڑا

مقامِ خرد سے مقامِ خودی سے
مجھے آخرش دور کر کے ہی چھوڑا

بہت ناز تھا مجھکو خودداریوں پر
جوانی نے مجبور کر کے ہی چھوڑا

بچانا تھا جس شیشۂ دل کو تنہاؔ
مقدر نے وہ چور کر کے ہی چھوڑا

محبت سے کسی پر چھا رہا ہوں
مذاقِ حسن کو شرما رہا ہوں

نشیلی انکھڑیوں کا ہے تصور
سراپا کیف بنتا جا رہا ہوں

عجب پیارا گنہ سرزد ہوا ہے
گنہ کہکر جسے پچھتا رہا ہوں

دمِ رخصت کسی نے ایسے دیکھا
جہانِ آرزو ٹھکرا رہا ہوں

نظر تو نے نہیں رکھا کہیں کا
سزا تیرے کیے کی پا رہا ہوں

کسی گل پر نگاہیں پڑ رہی ہیں
نگاہوں میں کھٹکتا جا رہا ہوں

اثر ہے چار سطروں میں غضب کا
ترے پرچے دل پرچا رہا ہوں

ٹپکتی ہے شراب ان کی نظر سے
نگاہوں سے بہکتا جا رہا ہوں

یہ میری مصلحت اندیشیاں ہیں
عدو کی سن کے پیتا جا رہا ہوں

چراغِ زیست شاید بجھ رہا ہے
کسی دل سے بھلایا جا رہا ہوں

کسی پہلو نہیں مختار تنہاؔ
اشاروں پر بہلتا جا رہا ہوں

مجھے مسرور قاصد کی نظر معلوم ہوتی ہے
زباں پر کوئی پیاری سی خبر معلوم ہوتی ہے

وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں کو پھر ہونے لگی جنبش
نگاہوں میں نگاہِ چارہ گر معلوم ہوتی ہے

اثر تیرے تصور کا یہ اے جانِ لطافت ہے
ہر اک صورت مجھے یار نظر معلوم ہوتی ہے

سکونِ حسن بدلا اضطرابِ ضبطِ پیہم سے
کشش جذبِ دلی کی با اثر معلوم ہوتی ہے

نہ ہو برہم مرا شیرازۂ تسکین خودداری
نظر ترچھی کسی کی کارگر معلوم ہوتی ہے

اچانک آگئے تم میرا غم خانہ چمک اٹھا
مجھے یہ شام نورانی سحر معلوم ہوتی ہے

ترقی ہو رہی ہے میرے محسوسات میں تنہا
فضاؤں میں مجھے برق نظر معلوم ہوتی ہے

رنگ لائی تڑپ یہ بسمل کی !
آج نبضیں چھٹیں ہیں قاتل کی

پاؤں اٹھا نہ تھا کہ دل بیٹھا
یہ بھی شاید کڑی ہے منزل کی

ہم بچا تو رہے تھے طوفاں سے
دل کو لے ڈوبی آرزو دل کی

پاؤں شل ہو رہے ہیں راہی کے
بے رخی دیدنی ہے منزل کی

آپ بھی کچھ زباں سے بولیں !
ہم تو سب کچھ سنا چکے دل کی

تذکرہ تو بس ہے اب میرا
مجھ سے پوچھو نہ ان کی محفل کی

آنکھ ملتے ہی جھک گئیں نظریں
اک کہانی سی کہہ گئی دل کی

وہ چلے آ رہے ہیں تنہا کیا
پھر یہ دھڑکن بڑھی ہے مرے دل کی

تعبیر کی حدود سے اب بڑھ چلا ہوں میں
بھولا ہوا سا خواب کوئی بن گیا ہوں میں

آتی ہے اک مزار سے ہر بار یہ صدا
دیکھو یہ زندگی کی سزا پا رہا ہوں میں

یہ بھی نہیں پسند تو اس کو بھی چھوڑ دوں
دل کو ترے خیال سے بہلا رہا ہوں میں

فرہاد تیری موت کا لیتا ہوں انتقام
یعنی کسی حسین کو تڑپا رہا ہوں میں

دیر و حرم سے دور ہوں دنیا سے دور ہوں
سیلاب آرزو میں بہا جا رہا ہوں میں

مانا کہ تیری بزم میں آیا نہیں کبھی
لیکن ترے خیال میں آ تو رہا ہوں میں

تنہا شباب حسن کے دیکھے ہیں انقلاب
پہلوئے آفتاب بدلتا رہا ہوں میں

جوانی کیا ہے اک جرعہ شرابِ ارغوانی کا
بڑھاپا کیا ہے اک انجام ہے عیشِ فانی کا

سمٹنا اور بکھر جانا بکھرنا اور سمٹ جانا
تماشا زندگانی کا تقاضا زندگانی کا

مٹاتا ہے زمانہ رفتہ رفتہ نقشِ ارماں کو
بھلاتا جا رہا ہوں خواب ہیں گویا جوانی کا

حیات و مرگ کی لہروں سے ہر دم کھیلتا ہوں میں
تماشا دیکھتا ہوں اعتبارِ زندگانی کا

عبث ہے اگر کوئی فریبِ جستجو کیا ہے
مذاق اکثر اڑاتا ہوں مذاقِ زندگانی کا

پلا دے کم سے کم اتنی نہ چھینوں خضر تک جس سے
ابھی احساس باقی ہے مجھے دنیائے فانی کا

مگر ابھی لگا دے آگ تنہاؔ اس کے چلمن میں
ابھی قائل نہیں وہ بت تری آتش بیانی کا

نظر ملتے ہی کھوئے جا رہے ہو
ہوا کیا ہے یہ کیوں شرما رہے ہو

مجسم شعر بنتے جا رہے ہو
کسی شاعر کا دل تڑپا رہے ہو

محبت ہے مسلسل بیقراری
ابھی سے تم تو یوں گھبرا رہے ہو

دلِ مضطر کی دھڑکن بڑھ رہی ہے
تصور ہے مرے گھر آ رہے ہو

میں اپنی حد سے آگے بڑھ رہا ہوں
کہ تم پہلو سے کھنچتے جا رہے ہو

وفاداروں کو دنیا سے مٹا کر
ہوا اندازہ اب پچھتا رہے ہو

یہ دھوکہ ایک دن دیکر رہے گی
جوانی کے جو دھوکے کھا رہے ہو

جوابِ آرزو کیا ہے خموشی
خموشی سے جو سنتے جا رہے ہو

حسینوں میں وفاداری غلط ہے
یہ تنہاؔ کوئی دھوکا کھا رہے ہو

مری نگاہِ شوق کا للچا کے دیکھنا
ان کا کسی خیال سے شرما کے دیکھنا

دشمن نہ ہوگا اور سبھی کچھ ملے گا واں
میرے غریب خانہ پہ تم آ کے دیکھنا

رسوائیوں کے ہیں یہی انداز دیکھیے
ترچھی نظر سے آپ کا کترا کے دیکھنا

آتا ہے یاد وہ مرا چھپ چھپ کے چھیڑنا ان کا سمٹ کے خوف سے گھبرا کے دیکھنا
بینا اگر یہ چھوڑ دے ہم تجھ کو مان لیں
تنہا کو بھی تو ناصحا سمجھا کے دیکھنا

سوچتا ہوں دوں گا کیا اس کو جواب زندگی ہے اک بیکاری کا خواب
گر نہیں بدنام اس میں راز ہے نیک نامی ہے فریب کامیاب
بام عصیاں تک ہے پرواز خیال ہے گناہوں پر نگاہ انتخاب
میرا دشمن سوچتا ہے جس قدر اس سے زیادہ ہے مری حالت خراب
یہ تخیل ہے ملے جنت مجھے نقش دوزخ میں پھولا ہے گلاب
چاہتا ہوں پھر جوانی کو ابھی لوٹ آئے ڈھلنے والا آفتاب
کس جگہ رکتی ہے عمر تیز گام ختم ہے اب وادیٔ عمر شباب
زندگی ہر چند زندگی ہے جستجوئے انبساط
زندگی ہے اک مسلسل اضطراب

جل رہا ہوں آدمی مر سکتا نہیں زندگی دشوار مر سکتا نہیں
منہ سے کہہ رہا ہوں پیام شوق کی کھل کے ان سے بات کر سکتا نہیں
ڈوبتا ہوں لیکے ناموس وفا میرا اللہ اب ابھر سکتا نہیں
کر دیا اُف بند راز حسن نے پھول بن کر اب بکھر سکتا نہیں
تو ہی کہہ دے کیسی آزادی ہے یہ
میں اگر جنت میں مر سکتا نہیں

نظمیں

موسم کی چٹکیاں

(۱)

مچلنے والے دل کو یہ ہی بہلانے کا موسم ہے تمنا کا بھی آغوش گرمانے کا موسم ہے

کہا کس نے کہ آتے ہیں یہ شرمانے کا موسم ہے — ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہیں تڑپ جانے کا موسم ہے

وہ موسم ہے لب ساغر پہ مینا تھرتھراتی ہے
مجھے ان سرد راتوں میں تمہاری یاد آتی ہے

دل مضطر کی محشر خیزیاں دیکھی نہیں جاتیں — ہوائے سرد کی یہ شوخیاں دیکھی نہیں جاتیں
مرے پہلو کی یہ خاموشیاں دیکھی نہیں جاتیں — جدائی میں تمہاری سردیاں دیکھی نہیں جاتیں

وہ موسم ہے لب ساغر پہ مینا تھرتھراتی ہے
مجھے ان سرد راتوں میں تمہاری یاد آتی ہے

جہاں کے ذرے ذرے پر شباب کیف و مستی ہے — ہوائے سرد سے کیفیت صہبا برستی ہے
تمنا دل کو کسی کی ہے نظر کس کو ترستی ہے — مرے پہلو کا کیا منظر ہے اک خاموش بستی ہے

وہ موسم ہے لب ساغر پہ مینا تھرتھراتی ہے
مجھے ان سرد راتوں میں تمہاری یاد آتی ہے

میں تنہا سرد بستر پر تڑپ کر چونک پڑتا ہوں — صدا موہوم سی سنکر تڑپ کر چونک پڑتا ہوں
یہ موسم اور بے ساغر تڑپ کر چونک پڑتا ہوں — تمہاری یاد میں اکثر تڑپ کر چونک پڑتا ہوں

وہ موسم ہے لب ساغر پہ مینا تھرتھراتی ہے
مجھے ان سرد راتوں میں تمہاری یاد آتی ہے

(۲)

ہوائے سرد پہلو دل کا آ کر گدگداتی ہے — کوئی شے ہے فضاؤں سے جگر میں بیٹھی جاتی ہے
شب انجم مری تنہائیوں پر مسکراتی ہے — بھٹکتے شام ہوتی ہے تڑپنے نیند آتی ہے

ذرا سوچو گزرتی ہیں کسی کی سردیاں کیسے
ذرا سمجھو کہ موسم لے رہا ہے چٹکیاں کیسے

خیالوں میں چمکتا ہے مقدر چونک پڑتا ہے — تصور میں صدائے ناز سنکر چونک پڑتا ہے

تمہیں جب دیکھتا ہوں زیبِ بستر چونک پڑتا ہوں
مری جب آنکھ کھلتی ہے تو اکثر چونک پڑتا ہوں

ذرا سوچو گزرتی ہیں کیسی سردیاں کیسے
ذرا سمجھو کہ موسم لے رہا ہے چٹکیاں کیسے

وہ موسم ہے کہ شبنم کانپتی ہے آتشِ گل پر
شعاعیں ڈالتی ہیں اس پہ اپنی اطلسی چادر
وہ موسم ہے صراحی تھرتھراتی ہے لبِ ساغر
یہ موسم اور ہے آغوش خالی سرد ہے بستر

ذرا سوچو گزرتی ہیں کیسی سردیاں کیسے
ذرا سمجھو کہ موسم لے رہا ہے چٹکیاں کیسے

وہ موسم ہے ٹپکتے ہیں شرارے ساغرِ مے سے
ٹھٹھر کر نغمہ لیتے ساز بھی پیچھے رہے لے سے
مچلتی ہے جوانی بھی مناظر جبکہ ہوں ایسے
بنے ہو اسطرح تم تو خبر بھی کچھ نہیں جیسے

ذرا سوچو گزرتی ہیں کسی کی سردیاں کیسے
ذرا سمجھو کہ موسم لے رہا ہے چٹکیاں کیسے

شرارے لاکھ مچلیں پر شرارت آ نہیں سکتی
نظر ہر شے پہ بھٹکے گی طبیعت تھم نہیں سکتی
نکل جاتی ہے جب گل سے تو نکہت آ نہیں سکتی
یہ موسم آئیگا تنہا یہ ساعت آ نہیں سکتی

ذرا سوچو گزرتی ہیں کیسی سردیاں کیسے
ذرا سمجھو کہ موسم لے رہا ہے چٹکیاں کیسے

قسمیں

قسم ان مست آنکھوں کی شرابی رنگ ہے جنکا
قسم لبہائے نازک کی گلابی رنگ ہے جن کا
قسم اس مسکراہٹ کی جو ان ہونٹوں پہ آتی ہے
قسم ان تیوروں کی جن سے توبہ تھرتھراتی ہے
قسم انگڑائی کی جس میں خمارِ حسن ہوتا ہے
قسم اس بیخودی کی جس میں خود کو حسن کھوتا ہے
قسم اس روٹھ جانے کی منانا دل جسپہ قرباں ہے
قسم ان گیسوؤں کی جنکا ہر مضموں پریشاں ہے
قسم وہ ناز سے دستِ حنائی کو اٹھانے کی
قسم وہ کہتے کہتے لغزشِ مطلب بھول جانے کی

قسم ہے اس صدا کی جس پہ سازِ زندگی صدقے　　قسم اس گنگنو کی جس پہ رازِ زندگی صدقے
قسم ان کروٹوں کی جو کہ حسنِ منتظر نے لیں　　قسم ان آہٹوں کی جو کسی شب کان تک پہنچیں
قسم ہے اس مچلنے کی حسینانہ اداؤں سے　　قسم پہلو بدلنے کی حسینانہ اداؤں سے
قسم ہے اس پسینہ کی حیاؤں سے جو آتا ہے　　قسم ان سرخیوں کی جن سے لالہ داغ کھاتا ہے

مری ہر جستجو کی انتہائے جستجو تم ہو!
مری ہر آرزو کی انتہائے آرزو تم ہو

رباعیات و قطعات

آغاز جوانی کا تبسم دیکھا　　انجام سحر نمائے انجم دیکھا
کل تک جسے میخوار تھے سجدے کرتے　　ٹھکراتے ہوئے آج وہی خم دیکھا

خزاؤں کی دیکھی ہیں زردی کی راتیں　　بہاروں کی ہیں کوچہ گردی کی راتیں
جوانی ہے عطرِ حیاتِ دگرگوں　　غنیمت جوانی میں سردی کی راتیں

خمارِ محبت میں مخمور آنکھیں　　نشے میں جوانی کے بیباک آنکھیں
ہیں طورِ نگاہ و تمنائے تنہا　　رہیں جستجو میں بدلتی تری دو آنکھیں

خیالی تڑپ زندگانی کو سمجھا　　شباب تخیل جوانی کو سمجھا
ہیں دھوکے یہ چشمِ نظر آفریں کے　　فقط اس قدر وہمِ فانی کو سمجھا

نہ سمجھا کچھ اپنی گراں جانیوں میں　　کہ زندوں میں ہوں یا کہ زندانیوں میں
پریشانیاں کل خدائی میں دیکھیں　　خدا یاد آیا پریشانیوں میں

بدل دے نظام جہاں کو بدل دے　　زمینیں الٹ آسماں کو بدل دے
حوادث کی بھاری چٹانوں سے ٹکرا　　خیالِ گل و بوستاں کو بدل دے

تمنا کی رنگیں کہانی بھی دھوکا　　حسینوں کی یہ لن ترانی بھی دھوکا
محبت مسلسل فریبِ نظر ہے　　محبت بھی دھوکا جوانی بھی دھوکا

محبت کے ہزاروں کھیل کھیلے ــــ فراقوں کے کئی صدمات جھیلے
نتیجہ آیا ہمیں انجام تنہا ــــ ہوئے رخصت یہاں سے جب اکیلے

چشم مخمور بھی اور زلف چلیپا دیکھی ــــ دیکھنے کو انہی آنکھوں سے دنیا دیکھی
یوں تو بہروپ بدلتے ہوئے اکثر دیکھے ــــ ہمکو بینا نہیں آیا کبھی دیکھا دیکھی

کالے خاں آبر

کالے خاں نام ابر تخلص۔ تلامذۂ حضرت کبیر جودھپور میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں بلکہ جانشین کبیر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ عمر ساٹھ سے کچھ اوپر ہے چالیس پینتالیس سال سے مشق سخن جاری ہے۔ کلام پختہ اور استادانہ ہے۔ زبان کی سلاست اور بیان کی شوخی میں داغ کا پورا تتبع کرتے ہیں۔ مشاعروں میں پڑھنے کا انداز بھی نرالا اور دلکش ہے۔ بقول اڈیٹر شان ہند آپ کا سلیس کلام اور مسحور کن ترنم خراج تحسین لئے بغیر نہیں رہتا۔ دار الادب جودھپور نے ان کو لسان السحر اور عمدۃ الشعرا کے خطابوں سے نوازا ہے۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

دل تو خدا کے واسطے مائل دلربا نہ ہو ــــ خوگر رنج و غم نہ بن درد سے آشنا نہ ہو
آنکھ وہ آنکھ ہی نہیں جس میں نہو جمال دوست ــــ دل ہی وہ دل نہیں ہے جو یار کا آئینہ نہ ہو
ہجر کی شب کو ہمنشیں لائی اجل پیام دوست ــــ مجھکو خیال یہ ہوا تا مرے دل ربا نہ ہو
ایک نظر تو دیکھ لو اسکو بھی اپنی آنکھ سے ــــ عمر رواں ذرا ٹھہر اتنی بھی بے وفا نہ ہو

موت کو میرا انتظار مجھکو ہے تیرا انتظار　　اسکو میں جان کیسے دوں جسمیں تری ادا نہو
آہ رسا کا ہو بھلا نالۂ دل کے ہیں نثار
آج وہ سُن کے بول اٹھے آبر کی یہ صدا نہو

وہ کیا سمجھے مسرت میں خوشی میں　　رہے ہوں جس کے ارماں جی کے جی میں
مزا تو جب ہے اے دل میکشی میں　　نظر آ جائے ساقی بے خودی میں
تجلی اسکی ہر شئے میں عیاں ہے　　نظر ہو تو نظر آئے سبھی میں
جلا کر خاک کردے شعلۂ عشق　　لگا دے آگ دامانِ خودی میں
اسے ڈھونڈا تو کھویا آپ کو بھی　　اسے پایا تو پایا آپ ہی میں
اٹھا جب آنکھوں سے پردہ دوئی کا　　نظر آیا وہ دل کی آرسی میں
اسی کا بندۂ بیدام ہوں آبر
جو کام آتا ہے اپنی بیکسی میں

صورت لالہ داغ ہیں سینۂ داغدار میں　　سوکھ کے کانٹا بن گیا الفت گلعذار میں
فیصلہ مرگ و زیست کا اپنا اسی پہ رکھدیا　　قابو میں اسکے دل بھی ہے جان بھی اختیار میں
آنکھ مریض عشق نے کھولی نہ وقت نزع بھی
حسرت دید تھی بھری چشم امیدوار میں

ہیں قربان اس تری بانکی ادا کے　　خدارا دیکھ لے پردا اٹھا کے
حرم بھی ہے جہاں ہیں دیر بھی ہے　　کہاں جاؤں تمہارے در پہ آ کے
بہت دشوار ہے راہِ محبت　　یہاں کھو جاتا ہے انسان آ کے
جو ہے مقصود منزل پر پہنچنا　　چلا جا اپنی ہستی کو مٹا کے
عجب اہل فنا کا ہے طریقہ　　بقا پاتے ہیں ہستی کو مٹا کے
بتوں کے عشق میں بت بن نہ اے آبر　　خدا کی یاد کر بندے خدا کے

وہ جب آتے ہیں تو اپنے آپ میں آتا ہوں نہیں — انکے جاتے ہی خدا جانے کہاں جاتا ہوں میں
ڈگمگاتے ہیں قدم پاؤں میں رعشہ آگیا — تھام اے دستِ کرم ورنہ گرا جاتا ہوں میں
بس یہی تقویٰ ہے میرا بس یہی میری نماز — تیرے سنگِ آستاں پر سر جھکا جاتا ہوں میں
ماسوا تیرے نہیں اور دل سے امید کرم! — تجھ سے اپنے دل کا ہر اک مدعا پاتا ہوں میں
دیکھتا ہوں آتشِ دوری سے دل جلتا ہوا — ہجر کی شب آنسوؤں سے آنکھ تر پاتا ہوں میں

اس کے آگے دعویِ الفت کروں کس منہ سے آبر
اپنی ہستی دیکھکر خود دل میں شرماتا ہوں میں

وہ تیغ ادا کچھ دور نہیں وہ تیر نظر کچھ دور نہیں
یہ سر یہ گلو کچھ دور نہیں یہ دل یہ جگر کچھ دور نہیں
مانا کہ بہت کچھ دور ہے وہ ڈھونڈے تو مگر کچھ دور نہیں
اس آئینۂ دل سے تیرے وہ آئینہ گر کچھ دور نہیں
اے رہروِ منزل مت گھبرا کر چشم بصیرت کچھ پیدا
مل جائے گی منزل جس سے تجھے وہ راہگزر کچھ دور نہیں
جب دل میں لگی ہو لو اسکی جب آنکھ منور ہو اس سے
وہ شمع دل آرا دور نہیں وہ رشکِ قمر کچھ دور نہیں
اب میرے تصور میں اے دل وہ گیسو و رخ آجائیں گے
اب ہوتے ہیں یکجا شام و سحر اب شام و سحر کچھ دور نہیں
دیدار کی حسرت میں اسکی دن رات ہے گر گریہ کناں
وہ بحرِ کرم وہ ابر سخا اے دیدۂ تر کچھ دور نہیں
کعبہ میں کلیسا میں بھی ہے وہ اور مسجد و مندر میں بھی ہے وہ
وہ دل سے ادھر کچھ دور نہیں وہ دل سے ادھر کچھ دور نہیں

اے اختر خودی کو دل سے مٹا اور چشم بصیرت کر پیدا
یوں لاکھوں ہی منزل دور رہے وہ دل سے مگر کچھ دور نہیں

حکیم محمد عبداللطیف خاں اختر

محمد عبداللطیف خاں نام اختر تخلص۔ والد کا نام حکیم عبدالحکیم ہے ۱۸۸۳ء میں جے پور میں پیدا ہوئے۔ علوم مشرقی اردو۔ فارسی و عربی کی تحصیل حسب ضرورت گھر پر ہی کی اور انگریزی کی تعلیم مہاراجہ ہائی اسکول جے پور میں پائی ۱۹۱۰ء میں تھانہ بھون سے طب کی سند لی اور ۱۹۱۲-۱۳ء میں ہیوٹ انجینئرنگ کالج سے اوورسیری کا امتحان پاس کیا۔

ان کے والد حکیم عبدالحکیم خاں مہاراجہ جودھپور کے معالج خاص تھے لہذا یہ بھی اپنے والد کے ایماء پر ۱۹۰۸ء میں جے پور سے ترک سکونت کر کے جودھپور آ گئے اور یہیں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اوورسیری کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ عرصہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں اوورسیر رہے۔ لیکن چونکہ علم و ادب سے فطری لگاؤ تھا اسلئے جسونت کالج جودھپور کی لائبریری سے منسلک ہو گئے اور لائبریرین کے فرائض انجام دیتے رہے اور ۱۹۳۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آخر ۵۵ سال کی عمر میں ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء بروز جمعہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔

اختر بہت منکسر المزاج۔ حلیم الطبع اور پاک نفس انسان تھے۔ شعر و سخن میں

حضرت بیدل بدایونی سے تلمذ حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قیام جے پور کا کلام وہیں تلف ہوگیا جودھپور آکر جو کچھ لکھا وہ چند اوراق پریشاں کی صورت میں ان کے صاحبزادے عبدالقیوم خاں کے پاس جودھپور میں محفوظ ہے زیادہ تر غزلیات ہیں۔ کلام میں سادگی اور روانی ہے۔

انتخاب کلام

خیال دشت نوردی ہیں دل میں آئے ہوئے
جنوں دکھائیگا جو دن نہ تھے دکھائے ہوئے

بتوں کے عشق میں ہو کر خدا سے شرمندہ
عدم کو جاتا ہوں کفنی میں منہ چھپائے ہوئے

ہو خوف کیا انھیں اے چرخ تیرے کینے کا
جو اپنی ہستی کو بیٹھے ہیں خود مٹائے ہوئے

مثال اشک زمیں پر گرا دیا ورنہ
کبھی تھے نظروں میں ہم بھی ترے سمائے ہوئے

جو آئے ہو تو گلے سے لگو ہنسو بولو
یہ کیا کہ شرم سے بیٹھے ہو منہ چھپائے ہوئے

اسیر گیسوئے مشکیں کا تو نہ ہو اختر
یہ کالے ناگ بلا کے ہیں پیچ کھائے ہوئے

دل میں جگہ نہ دینا اس فتنہ گر کو دیکھو
آزار لگ نہ جائے یہ عمر بھر کو دیکھو

گھبرا کے وصل کی شب کہتے ہیں ناز سے وہ
موت آگئی ہے شاید مرغ سحر کو دیکھو

بدنام یہ کریگی گلیوں کی پھرنے والی
آنے نہ دینا گھر میں باد سحر کو دیکھو

الفت بتوں کی چھوڑو کچھ یاد حق بھی کرلو
مثل حباب سمجھو عمر بشر کو دیکھو

یہ نخل آرزو ہی اب تک نہ پھولا اختر
ہر سال پھولتا ہے ہر اک شجر کو دیکھو

کب تک فراق یار میں شام و سحر کریں
آ اے اجل یہ قصہ کہیں مختصر کریں

گو وہ کبھی نہ لطف کی ہم پر نظر کریں
ہم کو تو چاہئے کہ وفا عمر بھر کریں

انساں کو چھوڑتی نہیں گردش کسی گھڑی
مرنے کے بعد بھی تو عدم کا سفر کریں

رو رو کے ہجر یار میں دریا بہے تو کیا — وہ اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
آئے نہ ایک دن بھی عیادت کو جیتے جی — اب کیوں مرے مزار پہ وہ چشم تر کریں
ہر جا اسی کا جلوہ ہے کعبہ ہو یا کنشت — میت کا رخ لحد میں ہماری جدھر کریں
بیتاب ہو کے آئیں وہ خود ہی شب فراق — ایسا کہاں سے نالوں میں پیدا اثر کریں

اختر بتوں کے عشق میں سب عمر کھو چکے
اب تو چلو مدینہ وہیں پر بسر کریں

آتا ہے وہی پیش بھلا ہے کہ برا ہے — قسام ازل نے جو مقدر میں لکھا ہے
نظروں میں سماتا ہی نہیں کوئی پری رو — نقشہ تری صورت کا عجب دل میں کھنچا ہے
کیونکر نہ کلیجے میں رکھوں شوق سے پنہاں — یہ داغ محبت ہے حسینوں سے ملا ہے
پس جاتے ہیں عشاق کے لاکھوں دل مضطر — رفتار میں ظالم کی قیامت کی ادا ہے

اختر چلو اب سوئے عدم دیکھ لی دنیا
ہر روز یہاں رنج نیا داغ نیا ہے

الفت تمہاری دل میں ہمارے اگر نہ ہو — کلمہ نصیب ہمکو کبھی عمر بھر نہ ہو
یارب شب وصال تو ایسی دراز کر — لاکھوں برس بھی جسکی جہاں میں سحر نہ ہو
ہر وقت آئینہ رکھو پیش نظر نہ تم — دیکھو کہیں تمہاری تمہیں کو نظر نہ ہو
ہمکو تو تیرے نام کا ہے ورد رات دن — دیکھیں تو کسطرح ترے دل میں اثر نہ ہو

اختر زمانہ تجھسے اگرچہ خلاف ہے
آزردہ ایک وہ بت پر فن مگر نہ ہو

اس بت کو دکھا دوں میں حالت دل مضطر کی — مانی جو بنائے تو نقشہ مری حسرت کے
بیٹھے ہیں لب دریا سبزہ بھی ہے گل رو بھی — ہاں دور چلیں ساقی بادل بھی ہیں رحمت کے
مرنا ہی پڑا ہم کو آخر سن سن کے یہ ناصح سے — مل جائیں گے محشر میں بچھڑے ہوئے مدت کے

سایہ بھی نہیں دیتا تاریکی میں ساتھ اپنا
سچ ہے بڑے ہوتے ہیں ایام مصیبت کے

سیّد محمد علی سیّد

محمد علی نام، نسبتاً و تخلصاً سید۔ مذہباً سنی و حنفی، مشرباً قادری۔ والد ماجد کا نام سید رفیع الدین ہے۔ ان کی ولادت مجھ سے دو تین سال قبل تقریباً ۱۳۲۳ھ یا ۱۳۲۴ھ میں بمقام جودھپور ہوئی۔ علوم مروجہ اردو فارسی اور بقدر ضرورت عربی کی تحصیل مختلف اساتذہ سے کی اور مولانا قاضی کبیر احمد کبیرؔ سے بھی اکتساب فیض کیا اور فن سخن میں بھی ان ہی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

عنفوان شباب میں ذوق شعری شباب پر تھا۔ آجکل خاموش ہیں گاہ بگاہ نعت یا منقبت میں کچھ کہہ لیتے ہیں۔

سید صاحب کو قدرت کی طرف سے ایک دردمند دل ودیعت ہوا ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی خدمات انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ تقسیم برصغیر سے قبل انجمن اسلامیہ جودھپور کے جنرل سکریٹری تھے اور آجکل سیرت کمیٹی کے سرگرم رکن ہیں۔ ہمیشہ خاموش اور ٹھوس کام کرنے کے عادی ہیں اور نام و نمود سے گریزاں۔ میرے بہت ہی قریبی اور مخلص دوست ہیں جنکی یاد میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے۔

انتخاب کلام:-

منقبت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حیدر کے تم ہو نور بصر یا سیدنا عبد القادر
احمدؐ کے تم ہو لخت جگر یا سیدنا عبد القادر

تم عین العین نعمت ہو تم ماہ ابیح ولادت ہو
زہرا کے تم ہو نور نظر یا سیدنا عبد القادر

ہو شرع متین کی روح رواں قلب عرفاں کی تم عزت ہو
قربان یہ روح و دل تم پر یا سیدنا عبد القادر

اللہ غنی ذات عالی ہے مصدر فیض لم یزلی
حیراں ہوں کہوں کیا یہ کہہ کر یا سیدنا عبد القادر

دیگر

مرا کیا منہ ہے کیا مجھ سے ادا ہو شکر یزداں کا!
بنایا امتی احمد کا بردہ شاہ جیلاں کا

عزیز مصر عرفاں ہے وہ یوسف دل کے کنعاں کا
نہ کیوں شیدا ہو دل مثل زلیخا شاہ جیلاں کا

مریدی لا تخف شعبہ ہے لا خوف علیہم کا
یہ سبحانی ترانہ، نغمہ وہ محبوب سبحاں کا

در مقصود سے لبریز ہر سائل کا دامن تھا
تعالی اللہ عالم تھا زباں میں ابر نیساں کا

چلا ہوں بے سر و ساماں سوئے بغداد کیا غم ہے
کہ تو رہبر ہے منزل کا نگہباں پائے عریاں کا

گریباں گیر میرے کیا ملائک ہونگے محشر میں
کہ ہوگا ہاتھ میرا اپنے تو گوشہ تیرے داماں کا

دکھا دے شان رحمت اے خدا بغداد یوں پہنچوں
بہا کر لے چلے سیلاب میری چشم گریاں کا

دل و جاں سے فدا تید ہے اے صبح وطن اسیر
سماں کچھ اور ہے بغداد میں شام غریباں کا

غزلیات

میں اسکی چشم مست کا بیمار ہوگیا — عیسیٰ کو جس کا دیکھنا آزار ہوگیا
چاہا ہزار میں نے چھپانا نہیں چھپا — الفت کا راز ناقہ تا تار ہوگیا
زاہد تو غم کے خم جو لنڈھائے تو کچھ نہیں — تھوڑی سی میں نے پی تو گنہگار ہوگیا
وحدت سے جسم پر سر شوریدہ تھا گراں — میں قتل ہوکے آج سبکسار ہوگیا

محفل سے اپنی تو نے مجھی کو اٹھا دیا
سید تری نظر میں فقط خار ہوگیا

پھر ادا اُن کی بلائے جان ہے — پھر ہماری مرگ کا سامان ہے
تیری ظالم آرزو پیکان ہے — ہاں یہی پیکان مرا ارمان ہے
ہو تمہیں اہل نظر کی آرزو — تم پہ ہر اہل نظر قربان ہے
اپنے ہی مُنہ مصحف رخ کی ثنا — چوم لیجے دیکھئے گر قرآن ہے
کیوں نہ ہو کوچہ ترا دار الشفا — درد عاشق کا یہیں درمان ہے
رنگ لائے اور لائے جذب دل — تم نہ آؤ کھنچ کے کیا امکان ہے
جس نے لوٹا دل تمہارا ناز تھا — جان لی جس نے تمہاری آن ہے

کیا کروگے لوٹ کر سید کا دل
حسن والو یہ مکاں ویران ہے

کوئی گرم خرام ناز ہے کلیاں ہیں دامن میں — بہاریں بچھ رہی ہیں ہر روش پر آج گلشن میں
نکلکر کیوں نہ جلدی ساتھ دل کے جان محزوں بھی — اکیلی اب پڑی گھبرا رہی ہے خانۂ تن میں
تم اپنا دل لئے پھرتے ہو اسکی کیا حقیقت ہے — یہ وہ ٹلے ہیں جو روزن کریں دیوار آہن میں

تمہیں اندر تمہیں باہر تمہیں تم ہو جہاں دیکھو   یہ کیسی نیلیاں جوڑ بن چھپے بیٹھے ہو چلمن میں

غزل لکھی مرصع تم نے سید واہ کیا کہنا
بھئی واللہ یکتائے زماں ہو شعر کے فن میں

سید ہیچمداں تو بھی غزل خواں ہوگا   اے اس بزم میں مسرورِ سخنداں ہوگا
سیر کو جاتے ہو صحرا چمنستاں ہوگا   صورتِ غنچۂ گل چاک گریباں ہوگا
تندخوئی کا یہ خوف اس رخِ رنگیں کی ڈوبند   دل میں آتشکدہ آنکھوں میں گلستاں ہوگا
بجلیاں تاک چکی ہیں مرے دل کا خرمن   کچھ خبر ہے تجھے اب کیا لبِ خنداں ہوگا

یہی پامالیِ گلہائے تمنا جو رہی
تیرے ہاتھوں یہ مرا باغ بیاباں ہوگا

شب مہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہے زمیں کوئے دلربا ہے   ہمارا ہاتھ تکیہ ہے ہمارا سایہ بستر ہے
یہ دل ہی دل میں کر چکا کیا ستم کرنا ہے کر لیجئے   ہمارا کیا ہماری تو طبیعت غم کی خوگر ہے
مری دیوانگی تم سے فسوں ساز و پڑھیگی ادا   بنا ہوں جسکا میں دیوانہ وہ چشم فسوں گر ہے
وہ میرا نام سنتے ہی مکدر ہو گئے افسوس   رسائی خاک ان تک ہو مرا پیکر مکدر ہے
مبارک تشنۂ کامانِ محبت آگیا قاتل!   وہ خنجر ہاتھ میں ہے جسکی چھوٹے گرد ہے
ابھی دیکھے سنے تھے زخم ابھی دل کر دیا ٹکڑے   تمہاری باتیں کیا ہیں کوئی سوزن کوئی نشتر ہے
یہ تنہائی کا صدمہ تھا کہ ٹکرایا ہے سر شب بھر   مرے گھر کی یہ صورت ہے کہ ہر دیوار ابتر ہے

جہاں میں آج مجھ سا ناقص الفن ہے کہاں سید
غلط کیا ہے جو یہ کہدوں کہ میرا کون ہمسر ہے

ہوئے ہیں اور نہ ہونگے یوں کسی خنجر کے ٹکڑے   کئے ہیں جسطرح تم نے دلِ دلگیر کے ٹکڑے
نہ سمجھو کوئے قاتل میں پڑے ہیں تیر کے ٹکڑے   یہ ہیں اک ناتواں کے دستِ دامنگیر کے ٹکڑے
ستم میں لطف پنہاں تھا بیقراریاں اپنے قاتل کے   دلِ صد چاک کا بخیہ ہوئے ہیں تیر کے ٹکڑے

ادا و ناز کچھ مجھ پر پڑی کچھ میرے دشمن پر — نکلتے ہی کماں سے ہو گئے اس تیر کے ٹکڑے
ہوا ہے اسکا دامنگیر خون بیگنہ قاتل — ہوئے ہیں شکل جوہر دامن شمشیر کے ٹکڑے
نظر ہے دامن یوسف ہی کے ٹکڑوں پہ کیوں ہر کی — زلیخا بھی تو رکھتی ہے دل دلگیر کے ٹکڑے

یہی ست یار کی پونجی ہے یہی سید کی دولت ہے
دل دلگیر کے ٹکڑے بچی ان کے تیر کے ٹکڑے

قطعہ

دل مضطر کے طفیل آنکھ جھپکتی ہی نہ تھی — رات کچھ ہو گئی تھی نیند کو آنکھوں سے کد
بیشتر ارمانوں کی تھی طول امل کا تھا ہجوم — یاس و امید کی تھی زق زق و بق بق بیحد
ڈاکٹر بنوں ہر فن میں کبھی تھی یہ امنگ — پروفیسر بنوں ہر علم کا تھی گاہ یہ کد
ہوں ہر اک فن میں مجھے ڈگریاں اتنی حاصل — جنکی گنتی کو نہ کافی ہوں یہ دنیا کے عدد
خوبیاں آکے بھریں مجھ میں زمانے بھر کی — ہو مری خوبیوں پر ایک زمانہ کو حسد
سنوں ہر سمت سے آوازیں آمنّا کی — مانے دنیا مری ہر بات کو بے رد و کد
جتنی باتیں ہیں بری ان سے بری ہو مری ذات — نیک اتنا ہوں کہ ہمسایہ بھی نہ ہو میرا بد
غرض تھا میں اسیطرح سے غلطاں پیچاں — صبح تک تھے یہ خیالات بایں شد و مد
جھینپ کو تھی کہ کہا شمع سحر نے مجھ سے — میری سن کہتی ہوں وہ بات جو ہے شمع خرد

رغبت جاہ چہ و نفرت اسباب کدام
زین ہوسہا بگزر یا مگزر میگزرد

حکیم ولی محمد انور غوری

ولی محمد نام انور تخلص۔ ان کے والد حاجی غلام محمد ظروف ساز اپنے فن میں یکتا گزرے ہیں۔ ان کی ولادت اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء میں جودھپور میں ہوئی۔ اردو فارسی اور عربی کی تعلیم نجی طور پر گھر پر حاصل کی۔ ہندی بھی اچھی جانتے ہیں۔ بہت عرصہ تک اپنے آبائی پیشے ظروف سازی کے ذریعہ کسب معاش کرتے رہے۔ اب طبابت کرتے ہیں۔

شعر و سخن کا ذوق علامہ بیدل بدایونی کی صحبت کا رہین منت ہے جن کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں اور دیگر ارباب مارواڑ میں حضرت استاد کا نام زندہ کئے ہوئے ہیں۔ اور آج کل جودھپور میں ان کے جانشین تصور کئے جاتے ہیں۔ دسمبر سنہ ۱۹۵۱ء میں بزم دار الادب جودھپور کی طرف سے نجم الشعراء کا خطاب ملا اور ایک سند بھی عطا کی گئی۔ ماہانہ شان ہند دہلی میں جو تذکرۂ شعرائے راجستھان موسوم بہ انجمن نگر شائع ہوا ہے اس میں انور کا شمار اساتذہ میں کیا گیا ہے۔

ان کا کلام صاف اور سلجھا ہوا ہے۔ سیدھی سادی زبان میں خیالات و جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ پرگوئی میں اپنے استاد محترم کا پورا پورا تتبع کیا ہے۔ حمد و نعت کی طرف زیادہ شغف ہے۔ مگر حدود شرعی سے تجاوز نہیں کرتے۔ ان کے شاگردوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جن میں کامل۔ آزاد۔ شمس۔ نیرنگ۔ رنگین اور پارس رومانی قابل ذکر ہیں۔

انور صاحبِ دیوان ہیں۔ ایک دیوانِ نعت ہے اور ایک دیوانِ مجاز جن میں قریب قریب تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی گئی ہے مگر ان کے خیالاتِ عالیہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر نہیں آئے۔ اپنے کلام کا ایک چھوٹا سا مجموعہ "تصویرِ خیال" کے تاریخی نام سے ۱۳۴۷ھ میں چھپوا چکے ہیں۔

انور ایک با اخلاق پابندِ صوم و صلوٰۃ بزرگ ہیں۔ جیسا سیدھا سادا مزاج ہے ویسا ہی سیدھا سادا لباس بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی شرعی پاجامہ، لانبا کرتہ اور شیروانی۔ دورِ شباب آسودہ حالی اور فارغ البالی میں گزرا۔ مگر آج کل قدرے پریشان ہیں۔ چار شادیاں کیں۔ دو بیویوں کا انتقال ہو گیا اور دو کا اب بھی اس پُر آشوب زمانے میں سہارا بنے ہوئے ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:-

نعت

وصف یا سرورِ دیں کوئی لکھے کیا تیرا / مادح ہے وصّاف ہے خود خالقِ یکتا تیرا
دل میں الفت ہے تری سر میں ہے سودا تیرا / ذکر لب پر ہے ترا آنکھ میں جلوا تیرا
چاند کو جیسے ستاروں پہ شرف حاصل ہے / سب رسولوں میں یونہی رتبہ ہے اعلیٰ تیرا
اپنے اللہ سے بندوں کو ملایا تو نے / شکر کس منہ سے ادا کیجیے کریما تیرا
میں یہ سمجھوں کہ ہوئی دولتِ بیدار نصیب / کاش آجائے نظر خواب میں جلوا تیرا
گو تو امّی ہے مگر واقفِ کنزِ مخفی / کیوں نہ عالم میں بہے علم کا دریا تیرا
مرحبا قربتِ قوسین کا دولہا ہے توہی / میرے سرور یہ شرف کس کا ہے تنہا تیرا
کی عطا دولتِ دیں دامنِ رحمت میں لیا / مجھ پہ کیا فضل و کرم ہے شہِ والا تیرا
کیا عجب زشتیِ اعمال مری دھل جائے / ابرِ رحمت کوئی پڑ جائے جو چھینٹا تیرا
مئے توحید کی ایک بوند ہی انور کو ملے / تجھ سے طالب ہے بس اتنا ہی یہ منگتا تیرا

دنیا مرے نبی کی عقبیٰ مرے نبی کا
کونین میں ہے گویا قبضہ مرے نبی کا

میرے نبی کے باعث مسجود ہو رہا ہے
احساں کیوں نہ مانے کعبہ مرے نبی کا

کہتے ہیں جسکو جنت آؤ تمہیں دکھا دوں
طیبہ میں چل کے دیکھو روضہ مرے نبی کا

کیسے نہ ہو شفاعت محشر کے روز دیکھیں
بخشش ہے عاصیوں کی حصہ مرے نبی کا

ظل خدا تھے جب وہ سایہ کا کیا ہو سایہ
کیسے گرے زمیں پر سایہ مرے نبی کا

تم عرشیوں سے پوچھو عرش خدا سے پوچھو
عزت مرے نبی کی رتبہ مرے نبی کا

آئے نبی ہزاروں دنیا میں گو کہ انور
ختم الرسل لقب ہے تنہا مرے نبی کا

غزلیات

ہمکو گرویدہ کیا خود ہی نمایاں ہو کر
چمکا ہر بام پہ وہ جلوۂ جاناں ہو کر

کیوں ہوں کسکا رہوں بندۂ احساں ہو کر
رہ گیا درد ہی جب درد کا درماں ہو کر

پرتو حسن کو اپنے جو کسی دن دیکھا
مثل آئینہ رہا تو بھی وہ حیراں ہو کر

ہو اگر حکم تو جاں اپنی تصدق کر دوں
اور کیا نذر کروں بے سر و ساماں ہو کر

یاد وحشت کو مری کیوں نہ کریں اہل قفس
ان میں برسوں یہ رہی رونق زنداں ہو کر

قطرۂ اشک کو تم نے مرے سمجھا کیا ہے
حشر کر دیگا بپا دم میں یہ طوفاں ہو کر

اب کریں کس پہ بھروسا کہ زمانہ بدلا
چوریاں کرنے لگے خود ہی نگہباں ہو کر

یہ مٹائے سے کسی کے نہ مٹے گی انور
اردو چمکیگی یونہی مہر درخشاں ہو کر

یہ تو مانا کہ ہوں زاہد میں گنہگاروں میں
حشر ہوگا نہ مگر میرا ریاکاروں میں

جستجو رحمت حق کی ہے اگر زاہد کو
کہہ دوں اس سے کہ وہ ملتی ہے خطاکاروں میں

اشک خجلت جو گرے آنکھ سے رحمت بولی
یہ وہ گوہر ہیں جو ملتے نہیں بازاروں میں

شکوہ اغیار کا کس مُنہ سے کریں ہم انورؔ
ڈھونڈھے ملتی نہیں ہمدردیاں غمخواروں میں

قضائیں ہم کو موافق ہیں یوں زمانے کی
ہجوم غم میں بھی عادت ہے مسکرانے کی

فلک کو ضد ہے اگر بجلیاں گرانے کی
مجھے بھی دُھن ہے نیا آشیاں بنانے کی

تمہارے عارضِ رنگیں کا رنگ پھولوں میں
ادا تمہاری ہے کلیوں میں مسکرانے کی

زمیں مجھ سے مخالف ہے آسماں دشمن
وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی

چمن میں یوں تو ہزاروں ہیں آشیاں لیکن
تلاش برق کو ہے میرے آشیانے کی

شب فراق بسر کی ہے اسطرح میں نے
دعائیں مانگ رہا تھا قضا کے آنے کی

غم فراق کے صدمے سہے نہیں جاتے
نکالو راہ کوئی اب تو آنے جانے کی

وہ زلف کھولے ہوئے آئے میری تربت پر
دلیں خوب ملی حجتیں بڑھانے کی

سُنا ہے آئیں گے میت پہ وہ مری انورؔ
خوشی مجھے نہ ہو کیونکر قضا کے آنے کی

نہیں ممکن نہیں ممکن ہمارے دل سے نکلیگا
خیالِ یار مر کر بھی بڑی مشکل سے نکلیگا

حرم سے دیر سے آتی صدا یہ میرے کانوں میں
جسے تو ڈھونڈتا ہے وہ ترے ہی دل سے نکلیگا

جھکائے سر ہیں زیرِ مقتل ہوں اُمید شہادت میں
الٰہی کب یہ ارماں خنجر قاتل سے نکلے گا

نہ گھبرا بحر الفت کے تلاطم خیز دھاروں سے
سفینہ آرزو کا ڈوب کر ساحل سے نکلیگا

اِدھر میں سخت جاں ہوں اور اُدھر ہے نازنیں قاتل
نہ اس سے تیغ اُٹھے گی نہ ارماں دل سے نکلے گا

خدا رکھے سلامت جذبۂ صادق مرا انورؔ !
میں جس منزل سے چاہونگا وہ اس منزل سے نکلیگا

گرے کیوں مرے ہی نشیمن پہ بجلی
چمن میں ابھی آشیاں اور بھی ہیں

نہیں منحصر دیر پہ یا حرم پر
جھکانے کو سر آستاں اور بھی ہیں

مرے افسانۂ غم کو ابھی پورا تو ہو لینے دو
سکونِ دل تمہارا ابتدا ئے داستاں تک ہے

ہماری سرد آہ ہو کہ ہمارے گرم نالوں سے
بپا ہنگامۂ محشر زمیں سے آسماں تک ہے

اٹھا کر چشم میگوں تو نے جب چھیڑ ڈالدی ساقی
تصدق اُس نے کر دی تجھ پہ اپنی زندگی ساقی

بھڑک اٹھی ہے آتش پیرِ دل کی ہائے سینہ میں
بڑھا دی اور تو نے جام دیکر تشنگی ساقی

تصدق دین و ایماں زہد و تقوی اسپہ کر بیٹھے
ترے اک جام نے سب پیری دنیا لوٹ لی ساقی

تعلق تو ذکر سے فقط تیرا ہی ہو جاؤں
مجھے اک جام وہ دے جو بدل دے زندگی ساقی

سنور جاتے ہیں تدبیروں سے بگڑے کام انساں کے
بنا لیتا ہے خود اپنا مقدر آدمی ساقی

خدا کی کچھ کمی کیا ہے لگائے آس بیٹھا ہوں
کبھی کچھ دیگا اے انور مرا جام تہی ساقی

آرزوئیں میری بر آئیں تمام
تم ملے تو مجھ کو سب کچھ مل گیا

میں نے خود اپنا سفینہ نذرِ طوفاں کر دیا
یاس کی نظروں سے تکتا ہی رہا ساحل مجھے

اس پہ تھا قبضہ ترا اس پر ہے تیرا اختیار
درد دینے والے دیدے کچھ سکونِ دل مجھے

امجد علی امجد

امجد علی نام امجد تخلص ۔ مولوی ظفر علی شاہ اثر جزو چھپوری کے فرزند ہیں شعر و سخن کا مذاق ان کی طبیعت میں فطری ہے ۔ بچپن سے شعر کہتے ہیں اور اب کہ عالم پیری کے منازل میں گامزن ہیں یہی ان کا محبوب مشغلہ ہے ۔ ان کے والد مرحوم جن کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں جسونت کالج میں پروفیسر تھے انکی

چہل سالہ خدمات کے صلہ میں ان کو تیس روپیہ ماہانہ پنشن مل رہی ہے۔

امجد مشاعروں کی جان ہیں سرور نولکھوی اڈیٹر شان ہند کے بقول راجستھان میں کوئی مشاعرہ کامیاب نہیں کہلایا جا سکتا جب تک امجد صاحب اس میں شمولیت نہ فرمائیں، پڑھنے کا انداز والہانہ ہے۔ عوام نے اُن کو خیام مارواڑ کے خطاب سے نوازا ہے۔

علمی استعداد کم ہونے کی وجہ سے اُن کا کلام فنی اسقام سے پاک نہیں ہے۔ عمر بھر کسی سے اصلاح نہیں لی۔

نمونہ کلام :-

نشانِ یوسف نہ گئی قیدئ زنداں ہو کر — بوئے گل گل میں رہی بوئے گلستاں ہو کر
خالِ رُخ آپ کا اور داغِ تمنا میرا — دونوں چمکیں گے کبھی مہرِ درخشاں ہو کر
کب بجھائے سے بجھیگا یہ چراغِ محفل — داغِ دل رہ گیا دل میں جو نمایاں ہو کر

کچھ مداوا نہ کیا موت کا عیسیٰ تم نے
موت روتی ہوئی جاتی ہے پشیماں ہو کر

سیّد مشکور حسین سیّد نقوی

سید مشکور حسین نام ہے اور سیّد تخلص کرتے ہیں، حکیم سید ریاض حسین نقوی کے صاحبزادے ہیں ۷ رفروری ۱۹۰۱ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے اور بیس۲۰ سال کی عمر تک تحصیل علم کرتے رہے ۱۹۲۱ء میں بسلسلہ تلاش معاش

جودھپور رہیں آئے اور مستقل یہیں آباد ہو گئے۔ جودھپور کے محکمہ پی۔ ڈبلیو ڈی میں ملازم ہیں اور طبابت بھی کرتے ہیں۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ ابتداً غزلیں زیادہ کہتے تھے۔ آجکل سلام و منقبت لکھتے ہیں انیس کا بہت غائر مطالعہ کیا ہے اور اپنے کلام میں اسی کا تتبع کرتے ہیں۔ مذہباً اثنا عشری شیعہ ہیں اور جودھپور کی مقامی انجمن امامیہ کے صدر اور بزم تنظیم کے نائب صدر ہیں۔ خوش خلق، ملنسار اور پابند وضع انسان ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

غزلیات

پھر آئی فصل گل پھر موسم دور شراب آیا
مبارک میکشو پھر دختر رز پر شباب آیا

مہ کامل میں داغ آیا گہن میں آفتاب آیا
تصور میں کسی کا روئے روشن بے نقاب آیا

نہ آیا نامہ بر واپس نہ نامے کا جواب آیا
دل مایوس پر میرے قیامت کا عذاب آیا

وفور گریہ پیہم سے باچشم پر آب آیا
خرابات جہاں میں جب کوئی خانہ خراب آیا

کسی نوخیز پر جوبن بہ عنوان شباب آیا
کسی کی زندگانی کا لب بام آفتاب آیا

جفا جو بے وفا سفاک قاتل سنگدل ظالم
ستمگار زمانہ پر دل خانہ خراب آیا

اٹھائے سینکڑوں فتنے ہزاروں آفتیں ڈھائیں
قیامت کا نمونہ اس ستمگر پر شباب آیا

تمنا ہے کہ پھر اک بار جاؤں بزم دشمن میں
وہ پھر اک بار فرمائیں کہ وہ خانہ خراب آیا

اٹھا بزم تمنا سے ہزاروں حسرتیں لیکر
میں بحر ہستی موہوم پر مثل حباب آیا

مری صورت سے ظاہر ہے نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھسے
شب غم میری جان ناتواں پر جو عذاب آیا

مرے حسن نظر کی وسعتوں کی انتہا یہ ہے
حسینان جہاں میں تو بشکل انتخاب آیا

مجھے پہونچا یا مری عاجزی نے سربلندی پر
میں سید گلشن ہستی میں مانند گلاب آیا!

بیجا کبھی کہاں ان کا بیجا ہو کے رہے گا — ہر ظلم پہ تسلیم و رضا ہو کے رہے گا
لذت کش آزار ہے بیمارِ محبت — جو درد بھی اٹھے گا دوا ہو کے رہیگا
اب تک جو تصور میں تعین میں نہ آیا — وہ پردہ نشیں جلوہ نما ہو کے رہیگا
بیکار ہے بے سود نصیحت بھی دوا بھی — دل ان کی محبت میں فنا ہو کے رہیگا

یہ نغمۂ رنگیں ترا اس بزم میں سیّد
اک ساز ترنم کی صدا ہو کے رہیگا

صحبت میں رہ کے آپکی یہ ہو گیا اثر — سب آپ کے چلن دلِ ناداں میں آگئے
تمنا تھی کبھی جینے کی اب مرنے کی حسرت ہے — بدلتا جا رہا ہوں میں مذاقِ زندگی ساقی
ہم یاد کریں جنکو وہی دل سے بھلا دیں — الفت میں یہ دستور ہے معلوم نہیں کیوں
پھر کر رہا ہے تیرِ نظر کی جگر تلاش — ذوقِ خلش کو اور فراواں کئے ہوئے
کشاکش ہے دونوں طرف زندگی کی — مجھے غم نے کھایا میں غم کھا رہا ہوں

سیّد اکبر علی اکبر

سید اکبر علی اکبر تخلص جودھپور کے ممتاز جوڑیگروں میں تھے۔ پہلے حضرت بیدل بدایونی سے اصلاح لیتے تھے۔ بعد ازاں سیماب اکبرآبادی کے شاگرد ہو گئے۔ سالنامہ شاعر ۱۹۳۷ء تلامذہ سیماب کی فہرست چھپی ہے اس میں ان کا نام اکبر حسین اکبر جودھپوری لکھا ہے جو غلط ہے۔ ان کا نام اکبر علی تھا۔ آخر عمر میں

یہ سلسلۂ کاروبار جالور چلے گئے اور وہیں تقریباً ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔

ان کی صرف ایک غزل ملی ہے کلام صاف اور سادہ ہے۔

ہوئی تر اسلئے خونِ جگر سے نوکِ مژگاں کی
خبر کرنی ہے قاتل کو مزاجِ زخمِ پنہاں کی

روانی جابجا مقتل میں ہے خونِ شہیداں کی
بجھی قاتل نہ پھر بھی پیاس تیری تیغِ براں کی

ہوا بدنام راہِ عشق میں سب کچھ ہوا لیکن
حقیقت کھولدی منصور نے اسرارِ پنہاں کی

ذرا سیراب ہو جانے دو آبِ اشکباری سے
پھر آکر سیر کرنا داغِ الفت کے گلستاں کی

وہی جنت ہے جس جا چین آئے اور دل بہلے
وہی ہے حور آ جائے طبیعت جس پہ انساں کی

ہاں مستی باطلہ دیکھ لے تو بھی بتِ کافر
ترے کوچے سے میت جا رہی اک مسلماں کی

کہاں حاصل ہے یہ رتبہ شعاعِ مہرِ رخشاں کو
بڑھی جو عشق میں عزت ترے تارِ گریباں کی

کوئی ان سے یہ کہہ دے آخری دیدار کر جائیں
زباں ہے بند آنکھیں پھر چکیں بیمارِ ہجراں کی

تمہارے گیسوئے شبگوں پہ دل قربان ہوتا ہے
خدا کی شان کافر پہ طبیعت ہے مسلماں کی

چھپائے سے کسی کا خونِ ناحق چھپ نہیں سکتا
گواہی خود بخود دیگی حنا خونِ شہیداں کی

اثر دکھلائے گر داغِ دلِ بلبل گلستاں میں
تو بو آنے لگے ہر پھول سے خونِ شہیداں کی

پریشانی نہ ہو کیوں حاصلِ نظارہ اے اکبر
کہ دنیا خود ہی اک تعبیر ہے خوابِ پریشاں کی

شیخ محمد ابراہیم ابرار

محمد ابراہیم نام ابرار تخلص ہے شیخ محمد اسمٰعیل عاصی جودھپوری کے

صاحبزادے ہیں ۸ رفروری سنہ ۱۹۰۱ء مطابق ۸ ارشوال سنہ ۱۳۱۸ھ کو جودھپور میں پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور ہندی کی مروجہ تعلیم حاصل کرکے ریاست کے محکمۂ عالیہ خاص میں ملازم ہوگئے اور دیانت و جانفشانی سے خدمات انجام دیتے دیتے ترقی کرکے سپرنٹنڈنٹ ریکارڈ ہوگئے اور اس منصب پر سنہ ۱۹۴۹ء تک فائز رہے ان کی قابل قدر خدمات کا گورنمنٹ کی طرف سے ہمیشہ اعتراف کیا گیا اور متعدد خدمات خصوصی کیلئے بھی نامزد کئے گئے جنکو انھوں نے بخیر و خوبی انجام دیا طبیعت میں خلوص اور قومی درد کی سچی تڑپ ہے۔ اسی جذبہ کے ماتحت قومی اصلاح اور فلاح و بہبود کے کاموں میں پیش پیش رہے۔ مارواڑ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے فنانشیل سکریٹری مدرسہ معین الاسلام کے صدر اور انجمن اسلامیہ کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں۔

شاعری کا شوق عہد شباب میں پیدا ہوا پہلے اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے بعد ازاں اپنا کلام جناب بیدل بدایونی کو دکھانے لگے جیسا کہ خود کہتے ہیں ؎

خدا کا شکر ہے ابرار کو اب شعر گوئی میں بفیض حضرت بیدل بہار ہوتی جاتی ہے

اسی دور کی یادگار ایک مختصر سا دیوانچہ موسوم بہ "نالۂ ابرار" ہے جسمیں چند نعتیں منقبتیں، غزلیات، مخمس اور مسدس وغیرہ ہیں۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ سلاست زبان اور شوخیٔ بیان ان کے کلام کی جان ہے۔ کلام صاف اور سیدھا سادا ہے ندرت مضامین کا فقدان ہے۔ چند مضامین ہیں انکہیں کو پھیر پھیر کر مختلف انداز میں ادا کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں میرے ہمراہ وطن مالوف سے ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور آجکل اپنے عزیز و اقارب اور اہل و عیال کے ساتھ میرپور خاص میں قیام پذیر ہیں۔

نمونۂ کلام :-

تجھ سے بڑھکر تو کوئی صاحبِ الطاف نہیں　　کون ہے وہ جو ترا موردِ الطاف نہیں
تیرے نظارے سے ہوں شمس و قمر کے ٹکڑے　　حسنِ یوسف میں بھی واللہ یہ اوصاف نہیں
آئینہ ہمسری کرتا ہے ذرا ہوش میں آ　　روئے پُر نور سے بڑھکر ارے تو صاف نہیں
سب کی سنتا ہے تو عابد کی گنہگار کی بھی　　کس کا مُنہ تجھ سے کہے صاحبِ الطاف نہیں
مینہ ابر آ رہی پہ چشم کرم تیری شہا!
وہ بشر کون ہے جس پر تیرے الطاف نہیں

مخمس بر غزل خود

وہ خونِ عاشقاں کی دل میں جب دم ٹھان لیتے ہیں　　ہمارے قتل پر دامن وہیں گردان لیتے ہیں
مگر کب توبہ تو یہ خنجر و پیکان لیتے ہیں　　خدا ناکردہ کب وہ تیغ کا احسان لیتے ہیں
بس اک ابرو کی جنبش سے ہماری جان لیتے ہیں
ہمیشہ خرچ کچھ تازہ ادائیں کرتے چلتے ہیں　　ہماری جان پر نازل بلائیں کرتے جاتے ہیں
عطائیں کہتے جاتے ہیں جفائیں کرتے جاتے ہیں　　جفائیں ہم بھی سہہ سہہ کر وفائیں کرتے جاتے ہیں
کہاں تک امتحاں دیکھیں وہ یوں ہر آن لیتے ہیں
سمائے ہیں ضیا بنکر ہماری چشم روشن ہیں　　کیا کرتے ہیں وہ گلگشت اکثر دل کے گلشن میں
دل آرائی کے شہرے انکے ہیں ہر کوچہ بر زن میں　　نہیں پروا نہیں بیٹھیں وہ چھپکر لاکھ چلمن میں
کسی پردے میں ہوں ہم تو انہیں پہچان لیتے ہیں
اگر معجز نما بنتے ہو تم اعجاز دکھلاؤ!　　اگر ہو کام بخششِ جاں کسی کے کام بھی آؤ
لبِ جاں بخش پر اپنے نہ یوں بیکار اتراؤ　　تمہیں بھی کچھ دوا ہے دردِ دل آتی ہے فرماؤ
چلو بڑھکر سہی عیسیٰ سے ہم بھی مان لیتے ہیں
خدا محفوظ رکھے عشق کا آزار کیا کہئے　　اگر کہئے کسی سے اپنا حالِ زار کیا کہئے
نتیجہ کچھ نہ ہو کہنے کا پھر بیکار کیا کہئے　　بتوں کے جور کہئے بھی تو اے ابرار کیا کہئے

بہ کافر جان لیتے لیتے اب ایمان لیتے ہیں

دور از رخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

اے آنکہ رُخ روشن صد رشک قمر داری   وے مشک فشاں ہر سو ہم زلف فزون داری

وز لعل لب نوشین شرمندہ شکر داری   با ایں ہمہ حیرانم خارا ز جگر داری

دور از رخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

اک عمر یونہی گزری صد مشق جفا ہوں میں   کچھ جرم نہیں کھلتا کیوں وقف سزا ہوں میں

تو جور کیے جائے اس پر بھی نیا ہوں میں   کیا مجھ پہ بنی ایسی پھر بھی تجھے چاہوں میں

دور از رخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

کیا کیا نہ تری خاطر نیرنگ جہاں دیکھا   دل سوز جدائی میں ماہی سا تپاں دیکھا

خونابِ جگر ہر دم آنکھوں سے رواں دیکھا   با چشم کرم تو نے کب آفتِ جاں دیکھا

دور از رُخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

آنسو مری آنکھوں میں لب پر ہیں مرے نالے   ناسور کی صورت ہیں سب زخم دلی آلے

ڈستے ہیں جدا دل کو زلفوں کے تری کالے   کیونکر یہ اٹھیں کڑیاں ہم نازکے ہیں پالے

دور از رُخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

مانا کہ حسیں تو ہے اور چاند سی صورت ہے   زیبائی و رعنائی کی موہنی مورت ہے

سب کچھ سہی دلبر تو عاشق سے کدورت ہے   اس پر بھی مروں تجھ پر کیا ایسی ضرورت ہے

دور از رُخ تو چو تم ہر گز نہ خبر داری

بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

سیکھی ہے ستم آرا کس سے یہ جفا کاری ! میری تو دل آزاری اغیار کی دلداری
اللہ رے ستم زائی اللہ رے ستمگاری پوچھے تو کوئی تجھ سے ظالم تری عیاری

دور از رخ تو چو تم ہرگز نہ خبر داری
بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

اس جور و جفا پر بھی کچھ دل میں نہ شرمانا شوخی سے شرارت سے دم بھر کو نہ باز آنا
لازم ہے تجھے دل میں کچھ خوف خدا کھانا ابرار سے عاشق کو یوں ہجر میں تڑپانا

دور از رخ تو چو تم ہرگز نہ خبر داری
بر حالت رنجورم گاہے نہ نظر داری

غزلیات و اشعار

غیروں پہ کرم ہے ہم پہ ہے بیداد کسی کی کیونکر نہ یہ بیداد رہے یاد کسی کی
جو ناز انھیں حسن پر اپنے ہو وہ کم ہے دولت سی یہ دولت ہے خداداد کسی کی
کیوں ہچکیاں رہ رہ کے چلی آتی ہیں اے دل بیچین نہ کرتی ہو کہیں یاد کسی کی
گلشن ہی میں لٹکا دے قفس موسم گل ہے حسرت یونہی نکلے گی صیاد کسی کی
اس عشق میں ہر ایک کو بیچین ہی دیکھا دلشاد ہو کیا خاطر ناشاد کسی کی

بے خوف نہ کیونکر رہیں ابرار جہاں میں
رحمت یہ خدا کی ہے یہ امداد کسی کی

کسی کے کوچے میں ہم آج چل کے جاتے ہیں خود اپنے پاؤں سے منہ میں اجل کے جاتے ہیں
کہیں تو حضرت دل آج چوٹ کھا آئے یہ بات بات میں آنسو جو ڈھلکے جاتے ہیں
اٹھایا ہو کہیں بیڑا نہ قتل عاشق کا حنا وہ دست نگارین میں مل جاتے ہیں
ذرا وہ خیر سے مسکن بنائیں تو دل میں پھر ہم بتائیں کہ کیونکر نکل کے جاتے ہیں
دل غریب یہ ابرار مر ہی جاتی ہے ہزار بزم میں انکی سنبھل کے جاتے ہیں

اِن بتوں پر فدا خدائی ہے — واہ کیا شان کبریائی ہے
رُخ پہ زردی جو تیرے چھائی ہے — رنگ الفت کسی کی لائی ہے
بیوفا ہے جو دشمن عشاق — ہائے کس پہ طبیعت آئی ہے
اِن سے شکوہ نہ بخت سے ہے گلہ — یہ سزا دل لگی کی پائی ہے

دیتے ہو دل بتوں کو اے ابرار
کہو کیسی یہ پارسائی ہے

وہ ناحق کو مجھ سے خفا ہو گیا — عدو کا جو تھا مدعا ہو گیا
نہیں دل میں پہلوئے صبر و قرار — ایسے بیٹھے بیٹھے یہ کیا ہو گیا
نہ چھوٹا چھٹا عشق سے جیتے جی — مقدر کا یہ بھی لکھا ہو گیا
زباں پر نہ آیا ابھی لفظ وصل — ہلے لب اُدھر وہ خفا ہو گیا
نہیں کوئی مشکل جو آساں نہو — مددگار جن کا خدا ہو گیا
اسے کہتے ہیں عشق ابروئے یار — کہ میں رشک قبلہ نما ہو گیا
جفاؤں کا اپنی نہ آیا خیال — ہماری وفا کا گلہ ہو گیا
خوشا ہم قتیل جفا ہو گئے — کہ ان پر اک حق وفا ہو گیا

تخلص سے ظاہر ہے ابرار ہوں
بتوں اب میں مرد خدا ہو گیا

ظالم نے رخ پہ اوٹ بھی کی تو نقاب کی — چھن چھن کے باہر آئی ضیا آفتاب کی
آنکھوں سے چھپ کے پردۂ دل میں رہا کئے — پردے کی تم نے خوب جگہ انتخاب کی
اے منکر نکیر میں بندہ ہوں عشق کا — تکلیف دو نہ مجھکو سوال و جواب کی
بیچین مجھکو رکھنے کو جلوہ دکھا گئے — نیت تھی اس ثواب میں انکی عذاب کی
فرد عمل تمام سیاہی میں دب گئی — دہشت نہیں ذرا مجھے روز حساب کی

سچی تو بات حضرتِ ابرار ہے یہی
کمبخت عشق نے مری مٹی خراب کی

مرزا محمد شاہ مرزا

محمد شاہ نام۔ پہلے شاہ تخلص کرتے تھے۔ پھر مرزا کہنے لگے۔ انکے جد امجد مرزا اشاد ان بخت اور والد مرزا فیاض بیگ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں دہلی سے نکلکر جودھپور آئے اور یہیں کی سکونت اختیار کرلی۔ انکے والد کی شادی جودھپور میں قبیلہ بنگش کے پٹھانوں میں ہوئی اور یہیں ۱۸۹۰ء میں مرزا محمد شاہ پیدا ہوئے۔ جب پانچ سال کے ہوئے تو والدہ کا انتقال ہو گیا اور والد ترک وطن کرکے واپس دہلی چلے گئے۔ چنانچہ انکی پرورش کا بار نانی نے اپنے سر لیا۔ انگریزی پانچویں جماعت تک اسکول میں پڑھی اور اردو فارسی کی تعلیم نجی طور پر حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء سے ملازمت شروع کی اور جودھپور اور جے پور کے مختلف محکموں میں بحیثیت ٹریسرڈ رافٹس مین اور ہیڈ ڈرافٹس مین ۱۹۵۴ء تک بحسن و خوبی فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ آخر ۱۹۵۴ء میں ریٹائر ہونے کے بعد پاکستان چلے آئے اور دھورو نارو (سندھ) میں سکونت اختیار کی اور یہیں ایک طویل علالت کے بعد ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کو بروز دوشنبہ انتقال کیا۔

ایام جوانی میں شعر و سخن سے شغف رہا ہے۔ صاحب دیوان ہیں دیوان غیر مطبوعہ ہے جسمیں زیادہ غزلیات اور چند مخمسات ہیں جو انہیں غزلوں پر لکھے ہیں۔

کلام میں سلاست اور صفائی ہے۔ کہیں کہیں فنی اسقام بھی ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

تری جستجو کی تو کیا کیا نہ دیکھا
نہ دیکھا حرم یا کلیسا نہ دیکھا

سمجھتا ہوں بیشک تو واحد ہے لیکن
یہ کیسے کہوں تجھکو ہر جا نہ دیکھا

رحیم اور کریم اور رازق تو ہی ہے
کوئی اور تجھ سا خدا یا نہ دیکھا

مذاہب نے اسوقت تجھکو کہا ہے
کسی کو بھی جب ہمنے اپنا نہ دیکھا

بظاہر تو ہے درمیاں میم حائل
بباطن مگر کوئی پردا نہ دیکھا

نہ مرزا سا بدکار تھا کوئی لیکن
کرم کرنے والا بھی تجھ سا نہ دیکھا

رتبہ میں ملائک ہیں غلامان محمد
یارب تو بنا دے مجھے دربان محمد

سنبل ہے گلستاں میں پریشان محمد
نرگس کی نظر نذر بجشمان محمد

ملتی ہے بڑی اللہ سے ہے شان محمد
ہے رافت و رحمت سر قرآن محمد

سودائے محمد سے بھرا دل کا سئہ سر کو
ہوں غنچہ دل میں مرے ارمان محمد

اے شام مدینہ مجھے رستے سے لگا دے
اے صبح دکھا دے مجھے ایوان محمد

اللہ رکھے شوق ہے کیا طائر دل کو
خود اڑ کے چلا ہے سوئے پیکان محمد

آ دیکھ کبھی لے نبض فلاطون زمانہ
دو چار گھڑی کا ہے یہ بیمار محمد

ہیں کیا مری تدبیریں کیا کیا مری ہستی
ہیں چشم فلک بھی ترے قربان محمد

جتنا بھی کریں ناز مقدر پہ وہ کم ہے
مرزا جو کہ ہیں دل سے ثنا خوان محمد

ان سے آنکھوں کو چار کون کرے
اپنے دل کا شکار کون کرے

ذکر گیسوئے دلنواز کون کرے
اور شکوے ہزار کون کرے

دے کے دل ان کو عمر بھر کیلئے — منتیں بار بار کون کرے
خود وہ گھائل ہیں اب تری پرسش — سے دل بیقرار کون کرے
دے بھی دے چشم مست بادۂ ناب — انتظار بہار کون کرے

بے نیازی جب ان کی عادت ہے
اور مرزا کو پیار کون کرے

دل میں چلتے ہی ہوئے ٹکڑے تمہارے تیر کے — گر نہ باور ہو تو دکھلا دوں ابھی دل چیر کے
جو پھنسا ان میں نکلنا اس کا مشکل ہو گیا — زلف کے پھندے ہیں یا رب یا کہ ہیں زنجیر کے
تو سراپا شوخ ہے وہ شرم سے خاموش ہے — یہ نرالے ڈھنگ ہیں تجھ سے تری تصویر کے
ہم ترستے ہیں اگر دیدار کو تو کیا ہوا — بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

ایک ہی ساغر نے مرزا کی بدل دی زندگی
کیوں نہیں قربان ہو جاؤں مرے اس پیر کے

میں نے بھی ظلم و جور و ستم وہ سہا کہ بس — قاتل خود اپنے منہ سے یہ کہنے لگا کہ بس
چشم کرم کی ان سے جو کی میں نے التجا — اتنی سی بات پر ہوئے ایسے خفا کہ بس

آ جا کہ زندگی ہے پریشاں ترے بغیر — ملتا نہیں سکون کسی عنواں ترے بغیر
آنکھیں دکھا رہی ہیں زمانہ کی دلکشی — ہونا پڑا ہے مجھکو پشیماں ترے بغیر
افسانۂ حیات مکمل نہیں ہنوز — قائم نہ کر سکا کوئی عنواں ترے بغیر
جینا ہی جب نہیں ہے تو جینے کا ذکر کیا — مرنا بھی تو نہیں مجھے آساں ترے بغیر
اے درد دیکھے بھولنے والے تری قسم — ہوگا کبھی نہ درد کا درماں ترے بغیر
آ وہ بھی اشک ہیں ترے دامن میں قدرداں — ٹھہرا ہوا ہے جو سر مژگاں ترے بغیر
اے خوشگوار خواب کی تعبیر آ ادھر — دیکھے ہیں کتنے خواب پریشاں ترے بغیر
تجھ سے بھی دور آہ تری سرزمیں سے دور — مرزا ہوا ہے بے سر و ساماں ترے بغیر

رحمت اللہ رونق

رحمت اللہ نام ہے۔ رونق تخلص ناگور (ریاست جودھپور) وطن ہے عمر تقریباً ۴۰۔۴۵ سال ہے۔ فروری ۱۹۵۰ء (جمادی الاول ۱۳۶۹ھ) میں جب راقم السطور عرس حضرت شیخ المشائخ مولانا حمید الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ میں شرکت کے لئے ناگور گیا تھا اس وقت موصوف سے متعارف ہوا تھا۔ اور ایک ادبی نشست میں کچھ کلام سننے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ اچھا خاصہ کہہ لیتے ہیں۔ مگر بہت کم کہتے ہیں نمونہ کے طور پر صرف دو شعر یاد ہیں جو پیشکش قارئین ہیں۔ مزید کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے

آہ میں نالے ہیں فریاد میں کیا رکھا ہے — ہم نے اس بھولنے والے کو بھلا رکھا ہے

دارِ فانی میں کہاں آپ بقا رکھا ہے — حضرتِ خضر نے دنیا کو بسا رکھا ہے

عبد الحئی عابد

عبد الحئی نام عابد تخلص۔ وطن ناگور (ریاست جودھپور) عمر ۵۵ اور ۶۰ سال کے درمیان ہے۔ ناگور کے پیرزادوں میں ہیں۔ علمی لیاقت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن طبیعت رسا پائی ہے ۱۹۳۴ء سے مشق سخن جاری ہے۔ اکثر جودھپور

کے مشاعروں میں شریک ہوئے ہیں۔

نمونہ کے طور پر صرف ایک شعر جو یاد رہ گیا ہے درج ذیل ہے۔ مزید کلام دستیاب نہیں ہو سکا ۔

اب آئینہ خانے میں چوٹیں ہیں برابر کی
قاتل کے مقابل میں قاتل نظر آتا ہے

محمد زمان خاں اخضر

محمد زماں خاں نام اخضر تخلص۔ والد ماجد محمد امان خاں تھے پیدائش ۱۱ اپریل ۱۹۱۲ء کو جودھپور میں ہوئی۔ اردو فارسی اور بقدر ضرورت انگریزی تعلیم سے فراغت پاکر وسائل معاش کا متلاشی ہونا پڑا چند سے تجارت اور نجی ملازمتیں کیں پھر ایک مقامی سینما کے منیجر ہو گئے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کے مختلف مقامات کے سفر بھی کرنے پڑے۔ بعد ازاں ریاست جودھپور کے نابالغی (کورٹ آف وارڈس) میں ملازم ہو گئے اور ۱۹۴۷ء تک اس محکمہ سے منسلک رہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد ہجرت کرکے پاکستان آگئے۔ کچھ عرصہ میرپور خاص اور جھڈو میں رہے۔ آج کل حیدرآباد میں مقیم ہیں اور سندھ آئل مل میں بحیثیت اکاؤنٹنٹ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شیخ محمد ابراہیم ابرار ان کے خسر اور خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں۔

اخضر کا عہد شاعری ۱۹۳۰ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ انہوں نے حضرت بیدل بدایونی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ اسوقت سے آج تک کم و بیش مشق سخن جاری ہے۔ صاحب دیوان ہیں مگر دیوان ہنوز چھپا نہیں ہے۔ کلام میں روانی، پختگی اور صفائی:

ہے اور داغ اسکول کے پیرو ہیں۔

نظم کے علاوہ نثر نگاری میں بھی دستگاہ حاصل ہے کسی زمانہ میں فلمی لائن سے لگاؤ تھا۔ اس دور کی یادگار چند فلمی کہانیاں اور گانے ہیں مگر ان کو فلمانے کی نوبت نہیں آئی۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ۔

غزلیات

تم دلمیں کیا ہوئے مرے جلوہ نما کہ بس
وہ حشر آرزوؤں کا برپا ہوا کہ بس

ذکر شب فراق ہی سے تم تڑپ اٹھے
سنتے کچھ اور بھی تو مرا ماجرا کہ بس

کیوں اے نگاہِ یاس انہیں مضطرب کیا
کمبخت بارہا تجھے کہہ تو دیا کہ بس

دیر و حرم کے جھگڑے دل سے جب ہوئی نجات
بس پھر تجھکو اس طرح دیکھا کیا کہ بس

مقتل میں دیکھ دیکھ کے قاتل تڑپ اٹھا
کچھ اسطرح سے آج میں تڑپا کیا کہ بس

دل ہی تو ہے یقین مجھے اسکا خاک ہو
ساقی تری نگاہ نے بہکا دیا کہ بس

ساقی نے ہائے مست نگاہوں سے دیکھکر
پیمانۂ سکوں مرا چھلکا دیا کہ بس

دن ہو کہ رات رونے سے اخضر کو کام ہے
دل تجھکو دیکھے آہ یہ بادلا ملا کہ بس

پاس رسوائی دلبر دل ناشاد رہے
آہ پردے ہی میں ہو رکتی ہوئی فریاد رہے

آرمیدہ مجنوں خود سے رمیدہ رہ کر
تیرے رسوا زدہ زلف بھی برباد رہے

ہم تو دیتے ہیں دعا کو سنے والے تجھکو
رہتی دنیا تو سلامت رہے آباد رہے

مرغ دل خود ہی تو پابند اسیری ہو جا
پاس ناکامی صیاد بھی ناشاد رہے

لئے صد حسرت و ارمان کا رہے دلمیں ہجوم
بس تمنا ہے کہ یہ گھر یونہی آباد رہے

ہم وہ ناکام تمنا ہیں جہاں میں اخضر
جیتے جی زیر فلک دہر میں برباد رہے

اٹھے محشر یہ نالوں میں اثر ہے / مگر تیری ہی رسوائی کا ڈر ہے

کہے گر نالہ ہے گر برقِ تجلی! / یہ سینہ ہے یہ دل ہے یہ جگر ہے

کلیجہ تھام کر آتا ہے کوئی / یہ شاید میری آہوں کا اثر ہے

اسے کہتے ہیں دیکھو سرفرازی / کسی کی ٹھوکریں اور میرا سر ہے

ادا ہوتی ہیں یوں میری نمازیں / مرا سر اور ان کا سنگِ در ہے

مدد اے جذبۂ عشقِ حقیقی! / گنہگارِ شریعت وار پر ہے

شبِ غم لیکے مشعل داغِ دل کی / ہمیں تیری تلاشِ رہ گزر ہے

کدھر اے شوق سجدہ جائے اخضر
ترے مقصود کا کعبہ کدھر ہے

تو جو ہو جائے آرزوئے دل کی! / پھر رہے کچھ نہ جستجو دل کی

یاد آتے ہی تیرے رو دینا! / ہو گئی رفتہ رفتہ خو دل کی

حال یہ ہے کہ گویا کہتا ہوں / کیفیت تم سے روبرو دل کی

آج وہ دل میں ہو گئے پنہاں / اب پرستش ہو با وضو دل کی

یاس و حسرت بھی ساتھ دفن ہوئے / کوئی نکلی نہ آرزو دل کی

چل بسا آج عاشقِ مضطر / لے ہوئی ختم ہاؤ ہو دل کی

خود کو خود میں فنا کرو اخضر
تا طبیعت ہو ایک سو دل کی

دل نے غم کا فسانہ چھیڑا ہے / وہ نہ کہہ دیں کہ یہ بکھیڑا ہے

چاکِ داماں کو سی کے وحشت میں / ہم نے سو بار ہی ادھیڑا ہے

حسرتوں میں الجھ رہا ہوں میں / زندگی کیا ہے اک بکھیڑا ہے

ذکرِ روزِ حساب سے اخضر / میری توبہ کو کس نے چھیڑا ہے

دشوار زندگی ہے غم عشق یار میں !
وہ اختیار میں ہے نہ دل اختیار میں

میرا مذاق شوق ہے تجھ سے سوا حسیں
جانچا ہے اس نے ایک تجھی کو ہزار میں

شان وفا کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا
کر دی تمام عمر ترے انتظار میں

ہاں اب تو آ کے اپنے شہید وفا کو دیکھ
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تیرے انتظار میں

دیکھی ہیں مستیاں یہ تری چشم مست کی
باقی نہیں ہے ہوش ترے بادہ خوار میں

اخضر لگائے پھرتا ہوں سینہ سے اس لئے
حسرت الجھ رہی ہے گریباں کے تار میں

پیام عمل

کبھی مشہور دوراں تھی ہماری بھی جہانبانی
مٹا دی تھی ہمیں نے قیصر و کسریٰ کی سلطانی

کبھی رکھتے تھے ہم بھی اپنے سر پر تاج سلطانی
ہمارے آفتاب عدل سے دنیا تھی نورانی

ہمارے بازوؤں میں زور تھا کشور ستانی کا
زمانہ کر رہا ہے آج تک جسکی ثنا خوانی

مگر اب گردش دوراں سے دولت ہے نہ حشمت ہے
نہ باقی غیرت قومی نہ اگلا جوش ایمانی

مسلمانو گنوا بیٹھے ہیں ہم کیا کیا ذرا سوچیں
ستم کی یہ جہالت ہے غضب کی ہے یہ نادانی

ہمیں احساس ہونا چاہئے اپنی تباہی کا
مٹانے کو ہماری تاک میں ہے دشمن جانی

گرے ہیں ہم اسی باعث تو اس قعر مذلت میں
مٹا بیٹھے ہیں لوح دل سے سب فرمان ربانی

نہ ہم ماہر مسائل سے نہ ہم احکام سے واقف
یہی ہم کیا مسلماں ہیں یہی کیا شرط ایمانی

یہ مانا فی زمانہ مغربی تعلیم لازم ہے
مگر کیوں چھوڑ دیں اسکے لئے تعلیم قرآنی

ہم اپنے علم سے غافل رہیں اور کل جہاں دانی
کریں سب کچھ ہی حاصل بس اسی سے وائے نادانی

رہیں اب بھی اگر پابند دین مصطفیٰ ہو کر
نظر آئے نہ دنیا میں ہمارا کوئی بھی ثانی

وہی پھر قیصر و کسریٰ ہمارے در کے درباں ہوں
کہ جس در پر نحوست کر رہی ہے مرثیہ خوانی

کریں احساس اب بھی اپنی ملت کی تباہی کا
قدم آگے بڑھائیں گر ہے دعویٰ مسلمانی

کریں تنظیم قومی خود جو اسلامی حمیت ہے — یہی ہے شرط ایمانی یہی ہے فرض انسانی
ترقی دیکھ کر اغیار کی غیرت نہیں آتی! — معطل ہو کے بیٹھے ہیں سراپا نقش حیرانی
کمربستہ اگر ہو جائیں اب بھی خدمت دیں پر — خدا قادر ہے اے اخضر مٹا دے یہ گرانجانی

قصور اپنا خطا اپنی ہے اپنے کیا کسی کو دیں
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

تخمیس

بر غزل حضرت جگر مرادآبادی

ہر آنکھ کا تو نور و تجلا نظر آیا — ہر دل کا تو ہی جان تمنا نظر آیا
ہر جلوہ مجھے تیرا ہی جلوا نظر آیا — کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا

یک حرف غلط داہمہ سارا نظر آیا — سب عین ہوئے غیر نہ اصلا نظر آیا
کچھ شیخ و برہمن کا نہ جھگڑا نظر آیا — جب اس رخ پر نور کا جلوہ نظر آیا
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

یہ فصل بہاراں یہ گلستاں یہ گھٹائیں — جلوے یہ گلوں کے یہ عنادل کی صدائیں
یہ دور مئے ناب یہ ساقی یہ عطائیں — یہ حسن یہ شوخی یہ کرشمہ یہ ادائیں
دنیا نظر آئی مجھے تو کیا نظر آیا

استادہ ترے شوق میں ہے سرو سراسر — مہکا ہے کرم سے ترے دامان گل تر
ہے ذکر چمن میں ترا بلبل کی زباں پر — ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور
ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا!

پوچھی تھی مری خاطر برہم کی حقیقت — کھل کھل گئی سب گیسوئے پرخم کی حقیقت
کیا شے تھی بھلا گریۂ شبنم کی حقیقت — آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت

عالم مجھے سارا تہ دیا لا نظر آیا

جب دیکھ نہ سکتے تھے تو اعلیٰ بھی تھا ادنیٰ
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو مولا بھی تھا بندا

جب دیکھ نہ سکتے تھے تو خورشید تھا ذرا
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرا

جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دریا نظر آیا

جب پردہ اٹھا مردم اخضر سے دوئی کا
معمور بصد جلوہ ہوا دیدۂ لا اعمیٰ!

اُف اُف تری قدرت کا یہ نیرنگ تماشا
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا

ہر نقش ترا نقشِ کفِ پا نظر آیا

مصطفیٰ حسنین مائل

مصطفیٰ حسنین نام مائل تخلص۔ بیخود بدایونی کے چھوٹے صاحبزادے اور بیباک بدایونی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ولادت جو دھپور میں ہوئی۔ تاریخ ولادت معلوم نہیں قریب قریب میرے ہم عمر ہیں۔ میٹرک میں میرے ہم جماعت تھے۔ ہم دونوں نے ۱۹۲۶ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا مجھے حالات سے مجبور ہو کر ملازمت اختیار کرنی پڑی لیکن انہوں نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور بی۔ اے ایل ایل بی تک پہونچ گئے۔ چندے نائب حاکم رہے۔ پھر حاکم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انقلاب ۱۹۴۷ء میں جو دھپور سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ آجکل کراچی میں ہیں اور مجسٹریٹ کے عہدے پر متعین ہیں

شاعری میں حضرت بیدل سے استفادہ کیا ہے۔ صرف لغت و منقبت میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

نعت

خوشا مدینہ جو تیرا دیار ہے اے دوست
کہ گوشے گوشے میں چھپکے بہار ہے اے دوست

تیرے فراق میں یہ حال زار ہے اے دوست
سکون دل کو نہ جاں کو قرار ہے اے دوست

اب آ کے جلد کر آباد دل کی دنیا کو!
اسے کبھی سے ترا انتظار ہے اے دوست

سیاہ خانہ ہے دل جسمیں تیری یاد نہیں
ترا خیال ہی دل کی بہار ہے اے دوست

چمن میں پھول ترا نام لیکے کھلتے ہیں
میں صدقے تیرے تو جان بہار ہے اے دوست

ہے رشک عرش کو اس دل پہ جسمیں تو ہو مکیں
ترے بغیر دل اجڑا دیار ہے اے دوست

کرم کر اس پہ کہ یہ تیرا مائل خستہ!
ہزار جان سے تجھ پر نثار ہے اے دوست

دیگر

ہو جائے کرم مجھ پہ یہ آقائے مدینہ
جب آنکھ اٹھے سامنے آجائے مدینہ

دل ہے وہی جسمیں ہو تمنائے مدینہ
سر ہے وہی سر جس میں ہو سودائے مدینہ

صد شکر خدا دل سے ہوں شیدائے مدینہ
سر جائے مگر جائے نہ سودائے مدینہ

واعظ لئے بیٹھا رہے جنت کے جنوں کو
مجھکو ہو مبارک مرا سودائے مدینہ

ہوتے ہیں ملک سر کے بل اس بزم میں حاضر
ہیں ختم رسل انجمن آرائے مدینہ

کیا گلشن فردوس بچے اپنی نظر میں
آنکھوں میں بسا ہے یہاں صحرائے مدینہ

قائل ترا ہو جاؤں میں اے ذوق زیارت
دو گام چلوں سامنے آجائے مدینہ

للہ عطا آنکھ وہ اب کیجے سرکار
جب چاہوں یہاں بیٹھے نظر آئے مدینہ

انساں کی ہو کیا تاب خود اللہ ہے عاشق
وہ حسن ہے حسن رخ لیلائے مدینہ

مائل ہیں اس امید پہ زندہ ہوں کہ اللہ
گر آج نہیں کل مجھے دکھلائے مدینہ

دیگر

دور اک دم کو نہو دل سے خیالِ مصطفےٰؐ
ہو رہوں مَیں کاش یوں محو جمالِ مصطفےٰؐ

عکسِ حسنِ ذاتِ باری ہے جمالِ مصطفےٰؐ
ارفع و اعلیٰ ہے ہر ادنیٰ کمالِ مصطفےٰؐ

کس نے دیکھا ہے سوائے حق جمالِ مصطفےٰؐ
کون پرکھے ماسوائے حق کمالِ مصطفےٰؐ

کیا کرے توصیف ان کے حُسن کی کوئی بشر
جب خدا ہی خود کرے وصفِ جمالِ مصطفےٰؐ

پاس سایہ رکھ لیا بھیجا انہیں جب خلق میں
کس قدر مطلوب تھا حق کو وصالِ مصطفےٰؐ

غیرتِ حق کو نہ سایہ تک گوارا ہو سکا
دونوں عالم میں ملے کیونکر مثالِ مصطفےٰؐ

حد تو یہ ہے بھیجتا ہے خود خدا ان پر درود
اے خوشا یہ رتبہ ذیشان آلِ مصطفےٰؐ

ہے دعا یہ مائلؔ خستہ کی اے ربِ غفور
مر کے بھی دل سے نہ جائے حبِ آلِ مصطفےٰؐ

ابوالاسرار رمزی

ظہور احمد نام رمزی تخلص۔ اخباری دنیا میں ابوالاسرار رمزی کے نام سے مشہور ہیں۔ والد کا نام منشی مولا بخش بیکس رحمانی ہے۔

یہ دسمبر ۱۹۱۲ء میں اٹاوہ میں پیدا ہوئے اور وہیں مقامی اسلامیہ ہائی اسکول میں میٹرک کرنے کے بعد اردو اور فارسی کے امتحانات پاس کئے۔ بعد ازاں تقریباً ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں بتلاش معاش جودھپور آ گئے اور اپنے فطری ذوق علمی کی بنا پر محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی سکونت تقسیم برصغیر کے دو تین سال بعد

تک جودھپور ہی میں رہی اور یہ ریاست کے مختلف محکموں میں اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندی اور اردو کے کئی امتحانات پاس کئے اور انگریزی میں علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی

شعر وسخن کا ذوق فطری ہے اور علامہ سیماب اکبرآبادی سے شرف تلمذ حاصل ہے غزل اور نظم دونوں پر یکساں دسترس ہے مگر غزل کی طرف رجحان کم ہے۔ اکثر نیچرل اور قومی نظمیں لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ ان کا کلام ہندوستان اور پاکستان کے معیاری جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ حضرت علامہ بیدک بدایونی کے عہد حیات میں انکی زیر سرپرستی اور میرے زیر اہتمام دارالادب جودھپور کے جو مشاعرے ہوتے تھے ان میں رمزی بھی شریک ہوتے تھے ان کی نیچرل نظموں میں منظر کشی کی دلکشی سے متاثر ہو کر علامہ بیدک نے ان کو مصور مناظر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی نظمیں خونی نمائش" (۱۹۴۷ء) "باغی تتلیاں" اور "کاروان نمود" ملک بھر سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے ایک مکتوب میں ان کی ایک نظم کے متعلق اظہار خیال بدیں الفاظ کیا تھا "آپ کی نظمیں یونہی ایمان افروز ہوتی ہیں اور یہ نظم تو نور علیٰ نور ہے" ان کا لکھا ہوا "اسلام" جماعت اسلامی کے نصاب میں داخل ہے۔ اس پر مولف نصاب افضل حسین ایم۔ اے ایل ٹی ناظم درسگاہ جماعت اسلامی ہند رامپور نے یہ نوٹ دیا ہے" ان کی نظموں میں اسلامی رنگ غالب ہوتا ہے۔ یہ اپنی شاعری میں ان حدود کا لحاظ رکھتے ہیں جو اسلام نے قائم کی ہیں۔

ابوالاسرار رمزی آجکل فیروز آباد (آگرہ) میں ہیں اور وہاں کے ادارۂ ادب اسلامی کے صدر ہیں۔ جن لوگوں نے ان سے اکتساب فیض کیا ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مولو من سی لال رفیق بی۔ اے جودھپوری۔ پنڈت جے ناتھ

کوکؔ جودچوری۔ اللہ بخش نشترؔ مکرانوی۔ مختار احمد مختارؔ فیروزآبادی۔ فداحسین فداؔ شمس آبادی وغیرہ۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

میری جنت

(دارالمطالعہ)

لفظوں میں ایک نقشۂ رنگین کھینچتا ہوں
دلچسپ مشغلے کا ایک سین کھینچتا ہوں

اک جھیل کے کنارے سرسبز باغیچہ ہے
اس باغیچے کے اندر دارالمطالعہ ہے

کشتی پڑی کہ ہے بہر تفریح شام گرما
گملوں کے بیچ میں ہے فوارہ رقص فرما

قطرے کلی کلی کو پانی سے چھیڑتے ہیں!
فطرت کی دیویوں کو شوخی سے چھیڑتے ہیں

میرا یہ ہے ترانہ میرا یہ زمزمہ ہے!
دنیا میں میری جنت دارالمطالعہ ہے!

در پر پڑے ہوئے ہیں کچھ پردہ ہائے رنگیں
پانی میں کانپتا ہے شیشوں کا عکس رنگیں

میں بیٹھتا ہوں اکثر اس جھیل کے کنارے
تا دیر دیکھتا ہوں یہ روح کش نظارے

گاہے کتاب لیکر سبزے پہ گھومتا ہوں
ماحول کی فضا پر مستانہ جھومتا ہوں

گاہے میں سمت کشتی کھڑکی سے جھانکتا ہوں
تا شور ہو نہ برپا چپکا کھڑا ہوا ہوں

تسکین جانِ مضطر میرا یہ شغل ہے
دنیا میں میری جنت دارالمطالعہ ہے

طاقوں میں ہیں مرتب باقاعدہ کتابیں
کچھ زرنگار ہیں کچھ زرنگار جلدیں

میزوں پہ ہیں پریشاں اخبار اور رسالے
جنمیں مضمونوں کے ہیں قیمتی مقالے

سرمایۂ بقا ہیں الماریوں کے خانے
جنکی نہیں ہے قیمت وہ بیبہا خزانے

اسلاف نے لگائے حکمت کے باغ ان میں
سینچا گیا ہے عطر خونِ دماغ ان میں

علم و ادب کا گویا زریں یہ جامعہ ہے
دنیا میں میری جنت دارالمطالعہ ہے

گزرے مصنفوں کی آواز آرہی ہے
مرحوم روح ان کی سطروں میں گارہی ہے
ہر سطر شعر دُرِ الہام کی لڑی ہے
شاعر کے ذہن سے جو کاغذ پہ آپڑی ہے
موجود گر نہیں ہیں لیکن وہ بولتے ہیں
دنیا پہ بے محابا اسرار کھولتے ہیں!
ہوتا ہے غائبانہ ہر دم کلام ان سے
ملتا ہے زندگی کا درس و پیام اُن سے

الہام گاہ خامشی عرفاں کا میکدہ ہے
دنیا میں میری جنت دارالمطالعہ ہے

سیرابی نظر کے ساماں بھی یہیں ہیں
مشہور شاعروں کے دیوان بھی یہیں ہیں
اقبال اور غالب، سیماب بھی یہیں ہیں
جوہر، جناح ان کے احباب بھی یہیں ہیں
مذہب کے برگزیدہ انسان بھی یہیں ہیں
پیغمبروں کے اعلیٰ فرمان بھی یہیں ہیں
انجیل اور گیتا قرآن بھی یہیں ہے
ایمان کی تو یہ ہے ایمان بھی یہیں ہے

تحقیق و معرفت کا یہ ایک آئینہ ہے
دنیا میں میری جنت دارالمطالعہ ہے

غزلیات و متفرق اشعار

دونوں کے ارتباط سے دولت جہاں کی ہے
کچھ خاک میرے سر کی ہے کچھ آستاں کی ہے۔
ٹوٹے ستارے عیش کی شمعیں بھی بجھ گئیں
مظلومیت سے پوچھ یہ آندھی کہاں کی ہے
کہتے ہیں سلطنت جسے دل کا سکون ہے
اس سلطنت میں روشنی دونوں جہاں کی ہے
کیا پوچھتے ہو کیا ہے مقام حریم دوست
یہ وہ جہاں ہے جس کی زمیں آسماں کی ہے

مدت سے پڑھ رہا ہوں میں افسانۂ حیات
اب تک نہیں کھلا کہ عبارت کہاں کی ہے

مستی میں آ کے ساغر ہستی نہ توڑ دوں	ان مست انکھڑیوں میں نہ مستانہ وار دیکھ

مری لغزشوں نے گرا دیا مجھے خاکدان خراب میں	میں وگرنہ روح بہشت ہوں جو رہی ہے اسکی جناب میں
یہ میں کن حدود میں آگیا کہ عدم سے بود میں آگیا	تفنن شہود میں آگیا فقط ایک کن کے جواب میں

بکثرت ہیں گریہ کناں ایسی آنکھیں	چمن میں جو آگ آنسوؤں سے لگا دیں
مگر ایسی آنکھیں ہیں کمتر جہاں میں	جو رو کر جہنم کے شعلے بجھا دیں

حرم کی خاک بھی خود اڑ کے آئی جاتی ہے	عجب کشش مرے سجدوں میں پائی جاتی ہے

فسانہ زندگی کا ایک دن یوں مختصر ہوگا	کہ آنکھیں بند ہونگی اور دنیا سے سفر ہوگا

تجھے یاد ہوگی قاتل مرے صبر کی کہانی	لہو دیدیا نہ مانگا مگر ایک گھونٹ پانی

سمندر کے تلاطم میں سفینہ چھوڑ دیتا ہے	جبل کی پسلیوں کو ٹکڑے کر کے توڑ دیتا ہے
یقیں جو چاہتا ہے ہنس کے منواتا ہے دنیا سے	رُخ طوفان ہستی حسب منشا موڑ دیتا ہے

رنگ و بو کے شعبدے ہم عمر بھر دیکھا کئے	باخبر ہو کر مثال بے خبر دیکھا کئے
قصۂ ہستی نہ پوچھو اک سنہرا خواب تھا	جسکو بیداری میں ہم شام و سحر دیکھا کئے

ڈوب جاؤں جس میں پیکر میں جہان معصیت	تیرے در سے مجھکو وہ اشک ندامت چاہیے
تیرے ہوتے باغباں گلشن میں کیسا امتیاز	خار اور گل پر تری یکساں عنایت چاہیے

آغا ظفر علی پیکر

ظفر علی نام پیکر تخلص، مرزا آغا محمد علی کے صاحبزادے ہیں ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔ بزرگوں کا وطن مالوف ایران ہے جد امجد مرزا حاجی آغا محمد اسمٰعیل بیگ سلطان ناصر الدین قاچار کے عہد میں ممتاز حیثیت رکھتے

تھے مگر چند سیاسی الجھنوں کی وجہ سے ترک وطن کر کے بیت اللہ شریف چلے گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے ہندوستان آئے اور ریاست جودھپور میں مہاراجہ کے مصاحبوں میں جگہ پائی پیکر کے والد آغا محمد علی جودھپور میں سب انسپکٹر پولیس تھے اور ایک مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

پیکر نے تعلیم و تربیت اجمیر میں پائی اور اکثر والد کے ساتھ جودھپور میں بھی قیام رہا۔ اس اعتبار سے اجمیر ان کا وطن اول اور جودھپور وطن ثانی ہے۔ بہ اعتبار نسل قاچاری ہیں اور یہ سلسلہ چھٹی پشت میں جا کر مرزا عباس سے ملتا ہے۔ یہ وہی مرزا عباس ہیں جن کا ذکر مولانا عبدالحلیم شرر نے اپنے ناول حسن انجلینا میں کیا ہے۔

شعر و سخن کا مذاق طبیعت میں فطری ہے۔ دوران قیام آبو روڈ میں مرزا محمد شاہ جودھپوری کی صحبت میں یہ ذوق اور بھی اُجاگر ہو گیا ۱۹۳۵ء تک ان کا کلام "شاعر" آگرہ میں چھپتا رہا بعد کو معاشی حالات سازگار نہیں رہے اور یہ ذوق سرد پڑ گیا ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگامے میں سارا کلام ضائع ہو گیا اور یہ پاکستان چلے آئے۔

آجکل حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں مقیم ہیں اور محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں ملازم ہیں۔

شاعری میں ان کو حافظ یوسف علی خاں عزیز جے پوری کا سے تلمذ ہے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ آجکل رباعیات کہتے ہیں جو مقامی مجلہ "المصطفیٰ" میں چھپتی رہتی ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں صاف اور شستہ زبان میں اصولِ فن کو مدنظر رکھکر کہتے ہیں" اصلاح سخن" کے نام سے مشہور اساتذہ فن کی اصلاحوں کو کتابی صورت میں جمع کیا ہے جو ایک گرانمایہ سرمایہ ہے۔ اس میں انہوں نے جو توجیہہ بیان کی ہے بڑے کام کی چیز ہے ایک اور رسالہ "محاورات دہلی" کے نام سے لکھا ہے۔ یہ دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے کچھ اقتباسات حیدرآباد کے

مقامی رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے۔

منقبت حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رح

اے دہر ضیائے شمس و قمر سلطان الہند غریب نواز
اے معدن سلک لعل و گہر سلطان الہند غریب نواز

اب داد ستم میں پاؤں کہاں جاؤں تو بھلا اب جاؤں کہاں
پردیس میں ہوں اور دور ہے گھر سلطان الہند غریب نواز

تم منبع فیض جود و عطا میں ہیچمدان سر تا پا خطا
یا للہ کرم کی مجھ پہ نظر سلطان الہند غریب نواز

اب دل میں کہاں ہے تاب و تواں پہونچا دیا غم نے مجھکو یہاں
اٹھتی ہے سہارا لینے نظر سلطان الہند غریب نواز

ہے دل میں ہجوم رنج و الم ایک جان حزیں اور لاکھوں غم
ہو رحم و کرم کی مجھ پہ نظر سلطان الہند غریب نواز

جس در پہ ملائک سجدے کریں کہلائے عقیدت سر پہ دھریں
قسمت نے چھڑایا ہم سے وہ در سلطان الہند غریب نواز

یہ ایک تمنا دل میں ہے بس جز اس کے نہیں کچھ اور ہوس
ہو پیکر کا ہو سر اور آپ کا در سلطان الہند غریب نواز

غزلیات

تری ضو پاشی لے برق تجلی ہم بھی دیکھیں گے
ہوئے تھے جس سے غش موسیٰ وہ جلوہ ہم بھی دیکھیں گے

یہ محشر ہے یہاں ذوق نظر سے واسطہ ہو گا

رہے گا تا بہ کے اب رُخ پہ پردا ہم بھی دیکھیں گے

سنا ہے ایک ٹھوکر سے جلا دیتے ہیں مردوں کو
کسی دن مر کے اعجازِ مسیحا ہم بھی دیکھیں گے

نہیں آتا ہے دل اس بت کے کوچے سے تو رہنے دو
کسی کی ہوگی رسوائی تماشا ہم بھی دیکھیں گے

چلے آتے ہیں وہ خنجر بکف مقتل میں اے پیکر
ہے کس کو اب جگرداری کا دعویٰ ہم بھی دیکھیں گے

دل سے پیمانِ وفا کا حوصلہ جاتا رہا
مدعی اب کیا نہیں کہ مدعا جاتا رہا

جب سے قسمت نے چھڑایا ہم سے تیرا آستاں
سچ تو یہ ہے سر جھکانے کا مزہ جاتا رہا

اُٹھ گئی دنیا سے رسمِ دوستداری ہائے ہائے
اب مذاقِ دوستی اے بے وفا جاتا رہا

روئے جاناں باصفا و چشمِ جاناں پاکباز
اب بھلا کیسے کہوں کہ دل مرا جاتا رہا

پوچھتے ہیں لوگ پیکر وجہِ خاموشی مری
بیدلوں سے کیا بیاں کیجے کہ کیا جاتا رہا

جو والفجر عارض تو واللیل گیسو ادا حسن دلکش کی تڑپا رہی ہے
کہو کیسے سجدے روا ہوں نہ مجھ پر تجلیٔ جاناں نظر آ رہی ہے

ترے آستاں پہ یہ خلقت کا عالم کوئی سر بسجدہ کوئی محو نالہ
خدا کے لئے اب تو جلوہ دکھا دے سوئے کعبہ دنیا چلی جا رہی ہے

یہ کیسی تسلی یہ کیسا دلاسا یہ کیسی دوا ہے یہ کیسا مداوا!
کہ جتنی بھی تسکین تم کر رہے ہو خلش اور دل کی بڑھی جا رہی ہے

کبھی نالہ کرنا کبھی آہیں بھرنا کبھی غم میں اُٹھ اُٹھ کے راتوں کو رونا
مسیحا خدارا ذرا چل کے دیکھو یہ کیا دل کی حالت ہوئی جا رہی ہے

وہاں وہ لطفِ شوق آئینہ ساماں یہاں جی میں رہ رہ کے گھٹتے ہیں ارماں
اُدھر محوِ آرائشِ زلف کوئی اِدھر دل کی دنیا لٹی جا رہی ہے

عجب کشمکش میں ہے جان میری ہمدم خدا جانے مجھ پہ ہے یہ کیسا عالم
مرا دل ہے سوزِ محبت سے مضطر جبیں ہے کہ در پر جھکی جا رہی ہے

یہ طرزِ تبسم یہ مستی کا عالم یہ جلوہ طرازی یہ نازک خرامی
وہ یوں آ رہے ہیں مرے دل میں پیکر کہ جیسے چمن میں بہار آ رہی ہے

شکوہ اس بت کی بیوفائی کا — راز کہنا ہے کبریائی کا
عذر اسکو ہے پارسائی کا — کیا سلیقہ ہے بے وفائی کا
وہ ہی کچھ تجھ سے دور دور رہے — جنکو دعویٰ تھا آشنائی کا
اسکو خلوت کہیں کہ ہم جلوت — پر وہ چھوڑا ہے آشنائی کا
اپنی قسمت کا ہے لکھا یہ بھی — شکوہ کیا تم سے بے وفائی کا
تم کو دانا سمجھ کے آ ہی گئے — در پہ کاسہ لئے گدائی کا
اپنا غم دے کے بے خبر رہنا — یہ بھی اک ڈھب ہے دلربائی کا
جل اٹھا ایک اک ہوا بیہوش — یہ طریقہ ہے رونمائی کا

کیا یہی ہیں وہ عصمت پیکر
جنکو دعویٰ تھا پارسائی کا

بے نیازِ دیر و کعبہ اور ستم نا آشنا — مجھکو قسمت سے ملا ہے دل بھی دریا آشنا
خاک بھی واقف نہیں ہے آپ کی تخلیق سے — اُس جہانِ آب و گل میں کون کسکا آشنا
سب زمانہ سازی ہے باتیں ہیں منہ دیکھے کی سب — جلوہ گاہِ ناز میں آئینہ کس کا آشنا
شومیٔ قسمت تو دیکھو دل بھی مجھ سے پھر گیا — ہو گئے سائے کے سائے آشنا نا آشنا
دوست یہ کہکر گیا کرتے ہیں غمخواری مری — عرصۂ محشر ہے یہ یاں کون کس کا آشنا

جنبشِ ابرو پہ ہے موقوف نظمِ کائنات
کہہ رہا تھا مجھ سے کل یہ ایک لیلیٰ آشنا

پھول کھلنے ہی کسی کے زینتِ دامن بنے ،
تھا مآلِ شوق سے سارا چمن نا آشنا

ذات کا پرتو ہے تیری یہ جہانِ رنگ و بو
تو اگر موجود ہے تو میں ہوں دریا آشنا

پوچھتے ہیں مجھ سے وہ آداب بتخانہ ہیں کیا
کیا بتاؤں ان کو پیکر ہیں حرم نا آشنا

اے دل اسکو ترا خیال کہاں
وہ کسی کا شریکِ حال کہاں

شیشۂ دل میں بال پاتا ہوں
جانے ٹکرا گیا خیال کہاں

وہ تو صدقہ تھی جنابِ موسیٰ کی
ورنہ نظارۂ جمال کہاں

تجھکو لایا کریں تصور میں
اتنی اب فرصتِ خیال کہاں

خانقاہوں میں خاک اڑتی ہے
اب وہ گرمیِ حال و قال کہاں

پست پاتا ہوں راہ راز و نیاز
مجھکو لے آیا یہ خیال کہاں

پھر گئی ہو نگاہِ ساقی جب
دل کو پھر جرأت سوال کہاں

بت پرستی کو چھوڑیئے پیکر
جانے لے ڈوبے یہ خیال کہاں

مے کی صفت بیان ہو گیا جلوہ بھی اور حجاب بھی
حجلہ نشینِ شوق بھی شاہد بے نقاب بھی

حسن اور اس پہ حسنِ ذات رہ گئی میکشوں کی بات
باعثِ عقل و ہوش بھی کیفیت شراب بھی

طور پہ منحصر نہیں اس کی تجلی اے کلیم
مظہرِ ذات پاک ہے ذرہ بھی آفتاب بھی

کوئی سراپا بے خودی کوئی ہے وجہ بے خودی

ایک ہی صف میں ہیں یہاں ساقی بھی اور شراب بھی

عکسِ جمالِ یار بھی معجزۂ جمال ہے!
آئینے سے سوال بھی آئینے کا جواب بھی

پیکرِ یہ شیب اور شباب اس کی نظر کا کھیل ہے
مستِ نظر ہے شاد بھی مستِ نظر خراب بھی!

جاں نثاری کا پوچھنا کیا ہے
صاف کہئے کہ مدعا کیا ہے

کھینچ لایا سفینہ طوفاں میں
آج سمجھے کہ ناخدا کیا ہے

حاصلِ حسن ہے خدا کی قسم
چشمِ جاناں کا پوچھنا کیا ہے

پاسِ آدابِ بندگی ہے مجھے
ورنہ رضواں کا حوصلہ کیا ہے

درد کو دل سے دور کرتی ہے
دشمنِ جاں ہے یہ دوا کیا ہے

خمِ ابرو ہے محورِ عالم
یہ روا کیا ہے ناروا کیا ہے

حسرت و یاس و سوز و درد و الم
دلِ پیکر میں جانے کیا کیا ہے

ترے تصور میں محو ہو کر وجودِ ہستی مٹا رہا ہوں
فنا کے نقشے تو ہیں نظر میں بقا کے نقشے جما رہا ہوں

غرورِ حسن و حیا کا صدقہ چلو نہ دامن بچا کے مجھ سے
بجز فریبِ نظر کے صاحب ادھر و دنیا میں کیا رہا ہوں

یہ سوزِ دل کا وفور دیکھو جنوں کا جبرِ شعور دیکھو
ضیائے برقِ جمال سے میں چراغِ الفت جلا رہا ہوں

نہیں ہے محشر میں کوئی پرساں نواز دو تو کرم تمہارا
کہ میں بھی دنیا کے رنگ و بو میں تمہارے رخ کی ضیا رہا ہوں

جلو میں صدق و صفا کھڑے ہیں نقیب الحمد پڑھ رہے ہیں
چلا ہوں یوں بتکدے کو پیکر کہ جیسے کعبہ کو جا رہا ہوں

بجز تیری طلب اور مدعا کیا
تجھے دیکھے نظر کا حوصلا کیا

ممات و زندگی ہی تک نہیں بات
خدا جانے ابھی ہونا ہے کیا کیا

ادائے بے نیازی پر مٹا ہوں
مری نقد و فنا کا پوچھنا کیا

اداسی سی گلوں پر چھا گئی ہے
نسیم صبح نے یہ کہہ دیا کیا

بھروسہ اور پھر اس کا بھروسہ
خدا جانے مجھے یہ ہو گیا کیا

اڑا جاتا ہے بس دوشِ صبا پر
یہ رخشِ عمر بھی ہے بادپا کیا

گل و بلبل میں پیماں ہو رہے ہیں
چمن پر اعتبار آیا ہے کیا کیا

عزیز مصر کی تجھ پر نظر ہے
مرے حسن سخن کا پوچھنا کیا

وہ بیشک ہے کریم بندہ پرور
خدا کے سامنے عذر خطا کیا

گدا ہوں میں درِ خواجہ کا پیکر
مجھے اندیشۂ روزِ جزا کیا

رباعیات

ذلت ہی شرافت کو بدل دیتا ہے
اور چشم مروت کو بدل دیتا ہے
افلاس کہ ہے اصل معاصی پیکر
انسان کی فطرت کو بدل دیتا ہے

اوہام کے پھندوں سے نکل کر دیکھو
کچھ اپنے تخیل کو بدل کر دیکھو
مل جائے گا وہ شاہد معنی تم کو
تم راہ یقیں میں ذرا چل کر دیکھو

مانند صبا چلنے میں مدہوش ہوں میں
گویائی مری یہ ہے کہ خاموش ہوں میں
پیکر مری دنیا میں ہے کیا بود و نمود
مانند صدف بحر میں روپوش ہوں میں

ہستی کا عبث بار اٹھایا میں نے
دیوانہ یہاں خود کو بنایا میں نے

ممکن ہی نہیں جسکی تلافی پیکر
ایسا حسیں فریب کھایا میں نے
تنظیم عناصر کا بگڑنا کیسا!
معمورۂ ہستی کا اجڑنا کیسا

جب دل مرا تفسیر الم نشرح ہے
پھر سانس کا سینے میں یہ اڑنا کیسا
ہر سمت بس نگاہ کی ہے میں نے
غیروں سے بھی نباہ کی ہے میں نے

اے رحمتِ عالم ترے پانے کیلئے
بت خانے میں بھی راہ کی ہے میں نے
فطرت کا کھلا مذاق دیکھو تو سہی
یہ طبع کا افتراق دیکھو تو سہی

سینے میں پتہ دل کا نہ منہ میں دنداں
پیری کا یہ طمطراق دیکھو تو سہی
مقہور کی اِس درجہ تباہی توبہ
اعمال کی یہ اس کے سیاہی توبہ

ہوتا نہیں مقبول کوئی نیک عمل
پاداشِ عمل اسکی الٰہی توبہ!
طاعت کو گناہ میں سموتا کیوں ہے
اس جنس گرانمایہ کو کھوتا کیوں ہے

کیوں کرتا ہے ہر دم تو ریا کے سجدے
خود ناؤ کو ہاتھوں سے ڈبوتا کیوں ہے
جب دخترِ رز کو کہیں پا لیتا ہوں
سینے سے اُسے اپنے لگا لیتا ہوں

جب پرسشِ اعمال کا آتا ہے خیال
منہ دامنِ رحمت میں چھپا لیتا ہوں
الحاد کی پابند ہے ہستی تیری!
رستا ہوا ناسور ہے مستی تیری

اللہ کی رحمت سے مکرنے والے
کھو دے نہ تجھے دراز دستی تیری

منشی مقبول حسین مقبل

مقبول حسین نام مقبل تخلص خلف شیخ احمد حسین میرے عزیز محترم ہیں

عہدِ تلمذ بیدل میں میکشؔ اور عبدالباری تنہاؔ کے ہمدرس تھے۔ ۷ رمحرم ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۰۵ء کو جودھپور میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا لہٰذا شفیق چچا منشی محمد حسین کے دامنِ عافیت میں پرورش پائی انگریزی کی تعلیم اسکول میں حاصل کی بعد ازاں فارسی جناب بیدل بدایونی سے پڑھی میں عربی کی تدریس مولانا سید لطیف شاہ مدظلہٗ سے کی جہاں تک مشغلۂ سخنگوئی کا تعلق ہے یہ ذوق وجدان کی حدود سے آگے نہ بڑھا نہ کسی سے اصلاح لی نہ کسی کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔ البتہ ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو جب عیان و تلامذۂ بیدل نے حضرت بیدل کے ترک مشاعرہ اور روانگی بدایوں کے سلسلہ میں جو جلسہ الوداعی منعقد کیا تھا اسمیں یہ بھی شریک ہوتے تھے اور ایک نظم لکھکر اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس کو جلسہ میں سنانے کی جرأت نہ ہوئی اور علٰحدگی میں حضرت ممدوح کی خدمت میں پیش کر دی۔

اپنے قیام جودھپور میں یہ محکمۂ مال، محکمۂ بندوبست، محکمۂ [illegible] اور کورٹ آف وارڈس میں بحیثیت امین، سرویر اور انویسٹیگیٹنگ آفیسر کے خدمات انجام دیتے رہے ۱۹۴۸ء کی ابتدا میں ملازمت سے استعفیٰ دیکر پاکستان چلے آئے۔ چندے بسلسلۂ کاروبار کراچی میں قیام کیا۔ بعد ازاں حیدرآباد میں آ گئے اور پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں اوورسیر ہوگئے اور آج تک اسی منصب پر متعین ہیں۔ شعر و سخن کی طرف زیادہ رغبت نہیں ہے گاہے گاہے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ نثر نویسی اور انشاپردازی میں اچھا ملکہ ہے۔ چند فلمی کہانیاں اور افسانے بھی لکھے ہیں۔ مگر وہ بھی محض تفننِ طبع اور ذوقِ انشاپردازی کی تسکین کے لئے لکھے ہیں۔

"مسلمانانِ مارواڑ" کے نام سے منشی صاحب نے ایک قابلِ قدر تاریخی یادداشت مرتب کی ہے جس میں ریاست سے متعلق مسلمانوں کی فوجی اور سول خدمات اور غیر مسلم

ارباب اقتدار کی معاندانہ مساعی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب پر جناب وحید اللہ خاں وحیدؔ سکریٹری ریونیو ڈپارٹمنٹ جودھپور اور جناب عبدالکریم صوفیؔ نے پیش لفظ و تعارف لکھے ہیں۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے ؎

منقبت عشرہ مبشرہؓ

حمد بے حد ہے کبریا کے لئے | نعت وافر ہے مصطفےٰؐ کے لئے
لائق صد ہزار مدح و ثنا | ہیں ابو بکرؓ اہل صدق و صفا
ہیں سزاوار منقبت کے عمرؓ | اشجع الناس عدل کے پیکر
روح ایقاں کی جان ایماں کی | ذاتِ اقدس جناب عثمانؓ کی
شہر علم نبیؐ کے باب علیؓ | چرخ حکمت کے آفتاب علیؓ
ستۃ الباقیہ من العشرہ | پاک باطن زبیرؓ اور طلحہؓ
بو عبیدہؓ امین نیک انجام | عبدالرحمٰنؓ مدبر اسلام
حضرت سعدؓ فاتح ایراں | ناز کرتا ہے جن پہ ایک جہاں
مجلس مصطفےٰؐ کے رکن سعید | باصفا حضرت سعیدؓ رشید
اے خدائے جلیل بحر و بر | رحمتیں اپنی ان پہ نازل کر
جس طرح ان سے تو ہوا راضی | دور کر مجھ سے اپنی ناراضی
اے خداوند عالم و دانا | واسطہ ان بزرگ روحوں کا

بخشش دے میرے سب گناہوں کو
کر دے آسان سخت راہوں کو

غزل کے اشعار

آج مقتل میں کھلیں گے جوہر اس شمشیر کے | ختم ہو جائینگے چکر آسمان پیر کے

خوب کھینچی ہے یہ نقشہ تونے نقاشِ ازل   جی میں آتا ہے بوسے لوں تری تصویر کے
دامنِ جلاد پر گلکاریاں منقوش ہیں   دفترِ خونیں ہیں یہ شاید کسی نخچیر کے
بندۂ غافل تجھے آساں ہیں ساری مشکلیں
کام لا تدبیر کو پردے اٹھا تقدیر کے

سید ریاض الحسن نیّر

ریاض الحسن نام نیّر تخلص ۔حسباً و نسباً سید، مولانا سید عنایت علی کے فرزند ارجمند اور حافظ سید راحت علی راحت کے نواسے ہیں ۔

اردو اور فارسی کی تعلیم مولانا سید کب بدایونی سے حاصل کی اور انھیں سے فنِ سخن میں استفادہ کیا عربی مولانا عبد المصطفٰے خاں اعظمی سے پڑھی ۔ اور تکمیل دار العلوم منظر الاسلام جامعہ رضویہ بریلی سے کی ۔ حدیث و فقہ میں اچھی قابلیت ہے ۔

اصنافِ سخن میں صرف نعت و منقبت پر طبع آزمائی کر کے اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ۔ زبان میں سلاست اور بندشیں چست ہیں ۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ رنگ سخن سے متاثر ہیں ۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد جو دھپور سے ہجرت کر کے اپنے ماموں سید صغر علی اصغر اور برادرِ نسبتی محمد مرغوب اختر وغیرہ کے ہمراہ پاکستان آگئے اور آجکل حیدرآباد میں مقیم ہیں اور علمی مشاغل میں منہمک ہیں ۔ مسائل فقہ پر اردو

ہیں متعدد رسالے لکھکر چھپوا چکے ہیں جو عوام الناس کیلئے بڑے کام کے ہیں حافظ سید راحت علی راحت جن کا کلام اوراق منتشر کی صورت میں تھا نیّر نے بڑی سعی و جانفشانی سے جمع کرکے کتابی صورت میں "حقیقت و مجاز" کے نام سے مرتب و مدون کیا ہے اور اسپر ایک مفید معلومات افزا دیباچہ لکھا ہے یہ کتاب ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

نمونہ کلام نیّر یہ ہے ؎

تو سینِ ما و راز ہے رفعت رسول کی — اللہ جانے کیا ہے حقیقت رسول کی
وہ ہے کہ تھک کے طائر سدرہ بھی رُک گیا — قاصر مگر ہوئی نہ عزیمت رسول کی
ہے ہاشمی و مطلبی ان کی ذات پاک — مشہور کن فکاں ہے شرافت رسول کی
محسوس سے مبرا ہے معقول سے ہے پاک — ادراک سے ورا ہے حقیقت رسول کی
آزاد نار سے ہیں غلامانِ مصطفےٰ — آغوش میں لئے ہے شفاعت رسول کی
اصنام اوندھے مُنہ گرے سنتے ہی جاء الحق — پتھر کو موم کرتی ہے ہیبت رسول کی
ظاہر ہے من رآنی سے مظہر وہ حق کے ہیں — نورِ خدائے پاک ہے صورت رسول کی
سو جان سے ہوں میں گنبدِ خضرا ترے نثار — تو عرش حق ہے تجھ میں ہے تربت رسول کی
محشر میں سنیوں کو کہیں دیکھکر ملک — وہ دیکھو آ رہی ہے جماعت رسول کی
ہوتا ہے دم زدن میں وہ عاصی خطا سے پاک — جس پر ذرا ہو چشم عنایت رسول کی

ہیں نقد جاں کو وار دوں نیّر ہزار بار
حاصل ہو یونہی کاش زیارت رسول کی!

★

سیّد محمد مرغوب اختر

محمد مرغوب نام اختر تخلص حسبًا و نسبًا سید۔ مولٰنا سید محمد ایوب منش اجمیری کے صاحبزادے۔ حافظ سید راحت علی راحت جودھپوری کے نواسے اور سید اصغر علی اصغر کے بھانجے ہیں۔ جودھپور میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے محمد مرغوب تاریخی نام ہے اس حساب سے سال ولادت سنہ ۱۳۴۰ھ ہوتا ہے۔

ایک عالمانہ اور شاعرانہ ماحول میں اختر نے ہوش سنبھالا اور تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اردو فارسی کی تعلیم ادیب یگانہ مولٰنا رضا الحسنین بیدؔل بدایونی سے حاصل کی اور عربی کی ابتدائی کتب صرف و نحو و منطق مولانا عبد المصطفٰے خاں اعظمی سے پڑھیں لبعدازاں سنہ ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم منظر الاسلام جامعہ رضویہ بریلی سے ادیب فاضل کی سند بایں الفاظ حاصل کی" قام فی الصف الاول من بین خمسین طلبہ " (یعنی پچاس طلبہ میں پہلی صف میں کھڑا ہوا)

شاعری کی ابتدا نعت نبوی صلعم سے ہوئی۔ انجمن اسلامیہ جودھپور کا سالانہ نعتیہ مشاعرہ تھا۔ انہوں نے مصرعہ طرح پر طبع آزمائی کی اور تقریبًا سو شعر لکھکر حضرت بیدؔل بدایونی کی خدمت میں لغرض اصلاح پیش کرکے ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ اس وقت سے یہ مشغلہ جاری ہے۔ انقلاب سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد اختر جودھپور سے ہجرت کرکے اپنے ماموں سید اصغر علی اصغر اور برابر علاقی سید ریاض الحسن نیر وغیرہ کے ہمراہ پاکستان آگئے

اور آجکل حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ پاکستان آنیکے بعد حضرت لسان الحسان مولانا ضیاء القادری بدایونی سے اصلاح سخن لیتے رہے ۱۹۵۲ء میں حضرت استاذ نے سند فراغ عطا کرکے نومشق شعرا کے کلام پر اصلاح دینے کی اجازت دیدی ہے۔

اختر نے مجاز اور نعت دونوں میں بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن آجکل صرف نعت شریف کا شغف ہے ان کا کلام ملک کے موقر جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے شاعر ماہ طیبہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ دیوان نعت مکمل ہو چکا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح کے مشہور سلام پر جسکے ۱۷۱ شعر ہیں تضمین کرکے چھپوا چکے ہیں جو پاکستان و ہندوستان کے طول وعرض میں بہت مقبول ہوا۔

نظم کے علاوہ نثر نگاری میں بھی اختر کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کے افسانے "اندھی دنیا" "عزیم گناہ" "سماج کی بھینٹ" "بسنت" وغیرہ ملک کے مشہور جرائد میں شائع ہوکر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ان کے کلام کے متعلق ان کے فاضل استاذ مولانا ضیاء القادری کی رائے یہ ہے:-

میں نے اختر کی مجازی شاعری اور قدیم ذوق ادب کا بھی عرصہ دراز تک جائزہ لیا ہے۔ ان کا ادبی کلام بھی خصوصی تنوعات اور سلاست زبان کا حامل تھا جسکو نعت شریف کے شغف کے بعد شاید انہوں نے گلدستہ طاق نسیاں بنا دیا۔ عہد حاضرہ میں اختر نے نعت شریف کے اندر جن خیالات ادب و احترام جن جذباتِ عقیدت حضور خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کو اپنایا ہے وہی درحقیقت اصل مذہب حقہ اہل سنت ہے۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

انتخاب کلام یہ ہے۔

غزل نعتیہ

مہر زمیں بھی تم مہ عرش بریں بھی ہو !
حسن آفریں ہو مظہر حسن آفریں بھی ہو

حق جس کے ناز اٹھاتا ہے وہ نازنیں بھی ہو
ہم سب نیاز مند دل کے ناز آفریں بھی ہو

جائز ہے سجدہ کوئے نبی میں کہیں بھی ہو
لیکن یہ شرط ہے کہ مقدس جبیں بھی ہو

تم ہر جگہ ہو دیکھنے والا کہیں بھی ہو
لیکن نگاہِ شوق میں نورِ یقیں بھی ہو

خلاق سے ادھر تو ادھر خلق سے ہے ربط
تم حق سے ہو قریب تو ہم سے قریں بھی ہو

وجہِ ظہورِ آدم و عالم ہے ذاتِ پاک
جانِ آفریں ہو نازِ جہاں آفریں بھی ہو

حاشا نہیں تمہارے سوا کائنات میں
جو ہو بشر بھی عرش کا مسند نشیں بھی ہو

پاتا ہے تیرے ہی درِ سائل نواز سے
دستِ طلب دراز کسی کا کہیں بھی ہو

والشمس والضحیٰ کا ملا ہے کسے خطاب
طیبہ کے چاند! آپ سا کوئی حسیں بھی ہو

وہ تاجدار عرش کا دربار ہے جہاں
خدام کے گروہ میں روح الامیں بھی ہو

ایسے میں کاش آئے اجل وہ ہوں سامنے
زیرِ جبیں حرم کی مقدس زمیں بھی ہو

تم پہ ہزار جان فدا دو جہاں نثار
اختر کا دل ہو جان ہو دنیا ہو دیں بھی ہو

وہ اصل آئینۂ حقیقت وہ عین حسنِ مجاز آئے
معراج بزم الست بنکر زمیں پہ ہستی نواز آئے

مجھے تو جب لطفِ بندگی کا جبینِ عجز و نیاز آئے
ادھر ہو سجدہ ادھر اٹھا کر حجاب جانِ نماز آئے

وہ ظلِ رحمت اٹھائے رخ سے حسیں جو بات راز آئے
نوید قل یٰعبادی لیکر بہ شکل بندہ نواز آئے

قدم قدم پر مجھے پکارا ترے کرم نے دیا سہارا

عدم کی دشوار راہ میں جب کٹھن نشیب و فراز آئے
نثار ہے قد نری اداؤں پہ سدا ہے انداز پر فتن سی
خدا اُٹھاتا ہے ناز جن کے وہ نازنین حجاز آئے
ملا کچھ اتنا نبی کے در سے کہ بھر گئی ہر طلب کی جھولی
دیا کچھ اتنا کہ ہر تکلف سے ہو کے ہم بے نیاز آئے
جو تھے زمانے کی ٹھوکروں میں ہے ان کی ٹھوکر میں اب زمانہ
درِ محمد ﷺ سے بن کے محمود تاج برسر ایاز آئے
ترے سوا کر سکا نہ کوئی علاج بیمارِ زندگی کا
بڑے بڑے چارہ ساز دیکھے بڑے بڑے چارہ ساز آئے
گلوں کی صورت بگڑ چکی ہے چمن کی بستی اُجڑ چکی ہے
پیام نو زندگی کا لیکر نسیم خلد حجاز آئے
خلش مٹی روح مضطر کی مراد بر آئی آج دل کی !
وہ لطف گستر غریب پرور حضور اختر نواز آئے

کوسوں نظر سے دور درِ مصطفیٰ رہے — یوں ہم رہے جہاں میں الٰہی تو کیا رہے
جب تک نفس کی آمد و شد لے خدا رہے — لب پر ترے حبیب کی مدح و ثنا رہے
کعبہ کا ذکر کیا ہے عرش علیٰ جہاں — وقفِ سجود بارگہِ مصطفیٰ رہے
ہنگامِ نزع آپ ہوں آنکھوں کے سامنے — میری نگاہ وقفِ رُخِ پر ضیا رہے
نظارہ صبح و شام کا ہے کتنا دلنواز — رُخ پر یونہی حضور کی زلف دوتا رہے
شانِ نیاز یہ کہ گدا ایسی جلیس ہیں — یہ مرتبہ کہ عرش بریں زیر پا رہے
یوں صرف دیدِ حق شبِ معراج تھے حضور — آئینہ جیسے کوئی حسیں دیکھتا رہے
اختر کی آرزو ہے الٰہی بروزِ حشر — زیرِ لوائے حضرتِ احمد رضا رہے

گل بار داغِ ہجرِ نبی اس قدر رہے — آٹھوں پہر بہشت بداماں نظر رہے
مجھکو رہِ عدم میں نہ خوف و خطر رہے — یادِ جمالِ روئے نبی ہمسفر رہے
چوکھٹ پہ تیری عرش نشیں جسکا سر رہے — اسکا نصیب کیوں نہ بھلا اوج پر رہے
محتاج کیوں وہ اے مدنی تاجور رہے — جسکی ترے کرم پہ ہمیشہ نظر رہے
رہبر دیارِ حرم ہے ادب پر نظر رہے — آنسو یہاں کوئی نہ گرے چشم تر رہے
کیوں اسکی ہر تڑپ نہ ہو رحمت سی ہمکنار — خود دل میں درد بنکے اگر چارہ گر رہے
گم کر دے کاش انکی محبت میں یوں خدا — اپنے وجود کی بھی نہ مجھکو خبر رہے
پھر آج میں ہوں اور خیالِ رخِ حبیب — اے کاش درمیاں نہ حجابِ نظر رہے
دل کی تڑپ نہ کم ہو حضوری کے بعد بھی — یارب یہ دلنواز خلش عمر بھر رہے

اختر رہِ حیات میں پالی رہِ نجات
ہر گام پر اصولِ رضا راہبر رہے

نزولِ عرشِ معلےٰ ہے بہاروں کا — پھر آج سوئے حرم رخ ہے بادہ خواروں کا
یہاں قیام ہے ہم افسوں کے ماروں کا — درِ حضور سہارا ہے بے سہاروں کا
ہیں سجدہ ریز حبیبِ خدا کے کوچہ میں — دماغ عرشِ بریں پر ہے خاکساروں کا
یہی اک آس حضوری کا اب سہارا ہے — کہ تم نے دل نہیں توڑا امیدواروں کا
ہیں زیرِ سایۂ زلفِ حضور محشر میں — کوئی یہ اوج تو دیکھے سیاہ کاروں کا
کچھ ایسی شانِ کرم حشر میں تھی آقا کی — نظر اٹھی تو بھلا ہو گیا ہزاروں کا

رضا کا لطف و کرم کیوں نہ تجھ پہ ہو اختر
کہ تو غلام ہے خادم ہے چار یاروں کا

محبوبِ کردگار کا روضہ نظر میں ہے — ذرہ ہوں اور عرشِ معلیٰ نظر میں ہے
سرکار کا شبیہ سراپا نظر میں ہے — یعنی جمالِ ذات کا جلوہ نظر میں ہے

یوں آئے موت، در پہ ہو سر، سامنے ہو تم — یہ دل میں شوق ہے یہ تمنا نظر میں ہے
عرشِ بریں ہے پاکر دیارِ حبیب ہے — مکّہ نگاہ میں ہے مدینہ نظر میں ہے
ہیں زلف و رخ حضور کے والیل والضحٰی — شام و سحر حسین اجالا نظر میں ہے
جلوے ہیں ان کے سامنے جلوے ہیں گم ہوئیں — دیدار کی ہنوز تمنا نظر میں ہے

حسنِ رخِ رضا کا تصور ہے قلب میں
اخترؔ ریاضِ خلد کا نقشہ نظر میں ہے

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح کے مشہور سلام پر جس کے ۱۷۱ شعر ہیں تضمین کی ہے جسکے چند بند ملاحظہ ہوں۔

اخترِ برجِ رفعت پہ لاکھوں سلام — آفتابِ رسالت پہ لاکھوں سلام
مجتبیٰ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام — مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

ضوفشاں رُخ کی طلعت پہ روشن درود — مشعلِ بزمِ وحدت پہ روشن درود
ماہتابِ حقیقت پہ روشن درود — مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جسکی عظمت پہ صدقہ وقارِ حرم — جسکی زلفوں کے قرباں بہارِ حرم
نوشۂ بزم پہ وردِ گارِ حرم — شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

جھک گئے جس کے آگے ادب سے حرم — رفعتِ لامکاں جس کے زیرِ قدم
کر گئے جو نصب شش جہت میں علم — سرورِ نازِ قدم مغزِ رازِ حکم
یکہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام

جسکے قدموں پہ سجدے کریں جانور! — منہ سے بولیں شجر دیں گواہی حجر

وہ ہیں محبوبِ ربِ مالکِ بحر و بر ۔۔۔ صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جسکے چہرے پہ جلوؤں کا پہرہ رہا ۔۔۔ نجم والطٰہٰ کی جھرمٹ میں چہرہ رہا
حسن جس کا ہر اک چھب میں گہرا رہا ۔۔۔ جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

لامکاں کی جبیں بہرِ سجدہ جھکی ۔۔۔ رفعتِ منزلِ عرشِ اعلیٰ جھکی
عظمتِ قبلۂ دین و دنیا جھکی ۔۔۔ جسکے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

پڑ گئی جس پہ محشر میں بخت آگیا ۔۔۔ دیکھا جس سمت ابرِ کرم چھا گیا
رخ جدھر ہو گیا زندگی پا گیا ۔۔۔ جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

جسکے جلوے زمانے میں چھانے لگے ۔۔۔ جسکی ضو سے اندھیرے ٹھکانے لگے
جس سے ظلمت کدے نور پانے لگے ۔۔۔ جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

غزلیاتِ مجاز

اعتبارِ نگہِ یار نے دم توڑ دیا ۔۔۔ آج اک ہجر کے بیمار نے دم توڑ دیا
زیست کے قافلہ سالار نے دم توڑ دیا ۔۔۔ راہِ الفت میں دلِ زار نے دم توڑ دیا
ہے شفایاب مریضِ غمِ ہستی یعنی ۔۔۔ زندگی تھک گئی آزار نے دم توڑ دیا
منزلِ عظمتِ الفت کا پتہ پا نہ سکی ۔۔۔ عقل کی طاقتِ رفتار نے دم توڑ دیا
کیا ترے ساغرِ دل کی وہ کھنک تھی ساقی ۔۔۔ جسکی آواز پہ میخوار نے دم توڑ دیا
کیا کیا آپ نے چہرے سے ہٹا کر پردہ ۔۔۔ دفعتاً حسرتِ دیدار نے دم توڑ دیا

آپ بھی آخری پیغام مسرت سُن لیں
آپ کے اختر بیمار نے دم توڑ دیا

گلعذارو مجھے فریب نہ دو — ماہ پارو مجھے فریب نہ دو
یاد ہے مجھکو داستان کلیم — پردہ دارو مجھے فریب نہ دو
میں ہوں لطف آشنائے شبنم و گل — آبشارو مجھے فریب نہ دو
عارضی ہے یہ روشنی شب کی — چاند تارو مجھے فریب نہ دو
عشق میں پختہ کار ہیں ہم بھی خموش — خامکارو مجھے فریب نہ دو
میں نے دیکھا ہے پھول کا انجام — نو بہارو مجھے فریب نہ دو

جان اختر میں اب نہ لوٹوں گا
نہ پکارو مجھے فریب نہ دو

چھپا ہے چاند ستاروں نے ساتھ چھوڑ دیا — چلے بھی آؤ کہ ساروں نے ساتھ چھوڑ دیا
بجھے بجھے سے ہیں پلکوں میں آنسوؤں کے چراغ — اندھیری رات ہے تاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
وہ سخت راہگزر ہے رہ محبت بھی — جہاں خلوص شعاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
وہ چند روز کہ تھا جن پہ انحصار حیات — اب ان حسین بہاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
یم حیات کی ہر موج بن گئی ساحل — جہاں جہاں بھی کناروں نے ساتھ چھوڑ دیا
مری حیات کی گردش تھی منحصر جن پر — اب اس نظر کے اشاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
اب اپنا ہاتھ پہونچتا نہیں گریباں تک — جنوں نواز بہاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

کسی کا درد شریک حیات ہے اختر
گلہ نہیں کہ ہزاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

جیسے لگا ہوں کہ ٹکا ہیں دل سے ٹکراتا ہے دل — خالق حسن و محبت کا لرزجاتا ہے دل
مدتوں ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے دل — اوج معراج محبت پھر کہیں پاتا ہے دل

اے مسلسل اضطراب، دردو تیرا شکریہ — اب سکون کا نام تک لینے سے گھبراتا ہے دل
یوں بھی ہو جاتی ہے اب اکثر شب غم کی سحر — دلکو سمجھاتا ہوں میں اور مجھکو سمجھاتا ہے دل
حادثوں میں ہو کے گم ملتا ہے ہستی کا چراغ — درد میں جب دل سما جاتا ہے کہلاتا ہے دل

نام آجاتا ہے جب ان کا ذرا و تذکرہ
دفعتاً اخترؔ نہ جانے کیوں دھڑک جاتا ہے دل

وحید اللہ خاں وحیدؔ

وحید اللہ خاں نام ہے۔ وحیدؔ تخلص کرتے ہیں۔ خان مجید اللہ خان کے فرزند اکبر ہیں۔ ان کے آبا ؤ اجداد نے ریاست جودھپور کی اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں اور بڑے بڑے فوجی اور سول عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ان کے دادا خان بہادر فیض اللہ خاں مہاراجہ جودھپور کے مصاحب اعلیٰ (چیف منسٹر) تھے

حضرت وحیدؔ کی ولادت ۱۵ر نومبر ۱۹۰۳ء کو جودھپور میں ہوئی ۱۹۲۹ء میں آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرکے نائب حاکم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں ترقی کرتے کرتے حاکم، ریونیو سکریٹری، اور پھر ڈپٹی کمشنر ہو گئے۔ ۱۹۵۸ء تک تمام خدمات حسن وخوبی سے انجام دیکر ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ اب پنشن پا رہے ہیں۔ ان کے بھانجے خان برکت اللہ خان تقسیم ہند کے بعد پہلی عوامی حکومت کے وزیر تھے۔ آجکل ممبر پارلیمنٹ ہیں۔

جودھپور کی ادب نواز شخصیتوں میں خان صاحب کو نمایاں حیثیت حاصل

ہے ان کے دولت کدہ پر تقسیم ہند سے قبل بھی بڑے بڑے مشاعرے ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۴۳ء کو ان کی حویلی میں ایک عظیم الشان یادگار مشاعرہ ہوا تھا جسکی یاد آج تک فراموش نہیں ہوئی۔ اس مشاعرہ میں ریاست کے اعلیٰ حکام اور ممتاز شعرا مثلاً مولوی مظفر علی شاہ اثر۔ بیدل بدایونی۔ رفری اٹاوی۔ تنہا جودھپوری وغیرہ ہم نے شرکت کی تھی۔ اس مشاعرے میں طرحیہ غزل سے پہلے میں نے حسب ذیل قطعہ پڑھا تھا ؎

پھر ہے زوروں پہ اہتمام سخن — پھر ہوا لو وہ اذن عام سخن
جمع ہیں حضرت وحید کے گھر — جملہ ارباب خاص و عام سخن

تو بھی یکتاؔ سنا دے اپنی غزل
کر کے بزم سخن میں نام سخن

وحید نے بہت کم کہا ہے۔ لیکن جو بھی کہا ہے خوب کہا ہے۔ ان کا سرمایہ شاعری چند غزلیات اور کچھ قصائد پر مشتمل ہے جو مختلف سرکاری و غیر سرکاری تقریبات پر کہے گئے۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

غزلیات

بول اٹھا خود ہی اَلَستُ دہ بَلیٰ سے پہلے — آزمایا ہمیں یوں فہم و ذکا سے پہلے
رنگ و بو نشو و نما سے ترا جلوہ ہے عیاں — بے سبب پھول نہیں کھلتے صبا سے پہلے
بیکسی شامِ غریباں کی الہٰی توبہ — قافلہ چھوٹ گیا بانگِ درا سے پہلے
پوچھو پوچھو مرے آئینۂ دل سے پوچھو — رخ رنگیں پہ جو عالم تھا حیا سے پہلے
عشق ہے جذب و کشش اک ہوسِ خام کا نام — حسن اک سادہ مرقع ہے ادا سے پہلے
طالب راہ حقیقت یہ حقیقت سن لے — حسن تسلیم بھی ہے حسنِ رضا سے پہلے

عدم و ہستی عالم کا ہے اتنا قصہ　　چھوڑا ہے دارِ فنا دارِ بقا سے پہلے
یوں نوازا ہے مجھے نکتہ نوازی نے تری　　مٹ گیا حرفِ خطا عزمِ خطا سے پہلے
چارہ سازوں کی ضرورت نہ مسیحا سے غرض　　بخش دے جب وہ شفا ہم کو دوا سے پہلے
بے نیازی میں بھی یہ بندہ نوازی تیری　　اُٹھ گیا دستِ کرم دستِ دعا سے پہلے

بعدِ مدت کے سخن سنج ہے محفل میں وحید
چپ تھا فرمائش اربابِ وفا سے پہلے

گر شباب اٹھا فروغِ رخِ جاناں ہو کر　　نقشِ قسمت بھی ابھر آئے ہیں افشاں ہو کر
وہ زمیں سیر ہوئی رشکِ گلستاں ہو کر　　جس جگہ تم نے قدم رکھا خراماں ہو کر
مست آنکھوں پہ گریں زلفیں پریشاں ہو کر　　میکدہ پر ہے گھٹا ابرِ بہاراں ہو کر
میری منزل ہے کہاں یہ تو بتا جذبۂ عشق　　ذرہ ذرہ چلا آتا ہے بیاباں ہو کر
ناوکِ انداز بس اتنی سی متاعِ دل تھی　　جو ابھر آئی ہے رنگینیِ پیکاں ہو کر
جس طرف دیکھو ہے اک جلوۂ نیرنگِ حیات　　رنگ دکھلایا حقیقت نے نمایاں ہو کر

مسلکِ صلح پسندی کا تقاضا ہے وحید
حرم و دیر سے بچ نکلو گریزاں ہو کر

موہن لال کول

موہن لال نام، کول ذات بھی ہے اور تخلص بھی۔ والد کا نام پنڈت پیارے لال ہے۔ کشمیری پنڈت ہیں۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۱۴ء کو جودھپور میں پیدا

ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ اسوقت جودھپور میونسپلٹی میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدے پر فائز ہیں۔

شاعری کا شوق ان کو بچپن سے ہے۔ ابتدا میں حضرت بیدلؔ بدایونی سے اصلاح لی پھر طبیعت خود مصلح ہو گئی ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۶ء تک ان کا کلام مختلف رسائل میں چھپتا رہا ہے۔ صاحب دیوان ہیں اور ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے مگر دیوان ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ۱۹۴۰ء میں اپنے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ "میٹھے بول" کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ بہت کم کہتے ہیں لیکن جو کچھ بھی کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

قطعہ

حق تو یہ ہے مرے مولا ترا بندہ ہوں میں — جو مقدر میں لکھا ہے وہی کرتا ہوں میں
پھر گناہوں کی مرے سر پہ یہ تہمت کیسی — جب کہ طوفان میں بہتا ہوا تنکا ہوں میں

دیگر

کوئی کہتا ہے میں برہمن ہوں! — کوئی کہتا ہے میں مسلماں ہوں
میں نہ یہ ہوں نہ وہ خدا کی قسم — سیدھا سادا سا ایک انساں ہوں

دیگر

صہبا ساغر میں آج اتنی ڈال — غرق ہو جائیں جس میں ماضی و حال
عیش امروز عیش ہے ساقی — کل میں چھپ جائینگے ہزاروں سال

غزلیات

کیا ہوگا کچھ خبر نہیں اسکے سوا مجھے — میں ناخدا کو دیکھتا ہوں ناخدا مجھے
کچھ تو ترے حجاب نے پردے اٹھا دیئے — کچھ میرے ذوق دید نے رسوا کیا مجھے

دیکھا تجھے تو میری نظر کا فریب تھا
ڈھونڈا تجھے تو مل گیا اپنا پتا مجھے

آتا ہے یونہی نام کسی کی زبان پر
اچھا تو ہے جو کہتا ہے کوئی برا مجھے

ایسا بھی ہو چکا ہے گلوں کی تلاش میں
صورت میں گل کی کانٹوں نے دھوکا دیا مجھے

بنگلوں کے رہنے والوں میں انسانیت کہاں
بجلی کی روشنی میں اندھیرا ملا مجھے

حسن کی حد کو چھوڑ کر عشق کی حد میں آ کے دیکھ
میری طرح سے اپنا دل تو بھی کہیں لگا کے دیکھ

دیدۂ امتیاز نے اور بڑھا دیں مشکلیں
مانا کہ دل میں درد ہے درد کو دل بنا کے دیکھ

خانۂ دل کی وسعتیں دیر و حرم سے کم نہیں
دیر و حرم کو چھوڑ کر خانۂ دل میں آ کے دیکھ

عشق جفا بڑھائے جا رسم وفا ادا نہ کر
میں بھی تو اپنی ضد پہ ہوں مجھ کو بھی آزما کے دیکھ

طور پہ ہو کے جلوہ گر طور کو کیوں جلا دیا
دل بھی تو اک مقام ہے دل میں بھی میرے آ کے دیکھ

جب کسی کی کمی نہیں ہوتی
زندگی زندگی نہیں ہوتی

جو غم زندگی کو سر نہ کرے
وہ یقیناً خوشی نہیں ہوتی

ہم تو آئے ہیں دور سے ملنے
تم سے کیا بات بھی نہیں ہوتی

جو بھٹکتی رہے زمانے میں
وہ نظر کام کی نہیں ہوتی

وقت کی بات تو بات ہے گویا
بات کوئی بڑی نہیں ہوتی

زندگی میں ہے بیکلی لیکن
بیکلی زندگی نہیں ہوتی!

وہ نہیں ہوتے جہاں انکی نظر ہوتی ہے
ایسی حالت تو محبت کی خبر ہوتی ہے

شوخ دل ہوتا ہے بیتاب نظر ہوتی ہے
یوں جوانی میں محبت کی سحر ہوتی ہے

فکر منزل بھی نہیں تیرے طلبگاروں کو
وہ جدھر ہوتے ہیں منزل بھی ادھر ہوتی ہے

ظرف دیکھا نہیں موسیٰ نے طلب کر بیٹھے — اتنا سوچا نہیں توہینِ بشر ہوتی ہے

ان سے جو توڑتے رہتے ہیں غریبوں پہ ستم
کہہ دو پھر شام عنبر بیاں کی سحر ہوتی ہے

عارضِ رنگیں ہے جیسے زلفِ پیچاں کے قریب — کفر بھی ویسے ہی ہو سکتا ہے ایماں کے قریب
ایک طوفاں ہو تو ساحل کی تمنا بھی کریں — زندگی میں سینکڑوں طوفاں ہیں طوفاں کے قریب
بے رُخی سے تم نے ڈالی تھی کبھی مجھ پر نظر — رہ گئی شاید الجھ کر وہ رگِ جاں کے قریب

قوتِ بازو سلامت ہے تو اسکی فکر کیا!
مجھکو ساحل بھی نظر آتا ہے طوفاں کے قریب

جو دشمن کا دل اپنا لے وہ بات میں پیدا کرتا ہوں
وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں کب ان سے میں لیا کرتا ہوں
اک چکر ہے ارمانوں کا جو گھیرے ہے انسانوں کو
تکمیل تمنا کیا معنی میں ترکِ تمنا کرتا ہوں!
آغازِ حیات کیا شے ہے کچھ اسکے سوا معلوم نہیں
وہ مجھکو دیکھا کرتے ہیں بس ان کو دیکھا کرتا ہوں

بیمارِ محبت دونوں ہیں پر حال جدا ہیں دونوں کے
وہ ہوش میں کھوئے رہتے ہیں میں ہوش کو کھویا کرتا ہوں

چمن کے پتے پتے پر لکھا ہے میرا افسانہ — بتاؤں کیا تمہیں ہے ختم میری داستاں کس پہ
گذر کرنے کو کر ہی لوں گا میں بے آشیانہ بھی — مگر یہ سوچتا ہوں پھر گریں گی بجلیاں کس پہ

اب تو آنسو بھی گراتے ہوئے ڈر لگتا ہے — یہ وہ قطرہ ہے جو بہہ جاتا ہے طوفاں ہوکر

آپ کے غم کی بات ہی کیا ہے — آپ کا غم تو آپ کا غم ہے

اندھا اور میں

اے کہ تیری آنکھ دنیا کیلئے بے نور ہے　　　کیا یہ کم ہے تو نظر کی الجھنوں سے دور ہے
گم حجابات نظر میں ہو گیا دنیا کا راز　　　ظلم انسانوں پہ ڈھاتا ہے نظر کا امتیاز
میری آنکھیں ہیں بلائے ناگہاں میرے لئے　　　ہو گیا تاریک یہ سارا جہاں میرے لئے
کیا خبر تجھکو لٹا بیٹھا ہوں میں صبر و شکیب　　　میری نظروں کو دکھا چکی ہے حسن کا رنگیں فریب
بند ہیں یہ میں نے مانا چشم نورانی تری　　　مجھ سے سن لے میں سمجھتا ہوں پریشانی تری
دیکھنے کے واسطے جنکو تڑپ جاتا ہے تو　　　سامنے میری نظر کے ہیں وہ منظر چارسو
دل لبھانے کا تماشا دیکھنے کی چیز ہے　　　تو سمجھتا ہے کہ دنیا دیکھنے کی چیز ہے
مجھ سے آگر دنیا والوں کی حقیقت پوچھ لے　　　مجھ سے آ کر حسن والوں کی طبیعت پوچھ لے
دیکھنے میں بھولے بھالے ہیں حسین سادہ رو　　　درحقیقت چوس لیتے ہیں یہ عاشق کا لہو
حسن ایسا پھول ہے جس میں نہیں بوئے وفا　　　حسن ایسا ظلم ہے جسکی نہیں کچھ انتہا
کیا کریگا رونق دنیائے فانی دیکھکر　　　کیا کریگا حسن والوں کی جوانی دیکھکر
اک نگاہوں کے گھروندے کے سوا کچھ بھی نہیں　　　یعنی یہ دنیا تماشے کے سوا کچھ بھی نہیں
جانے کیوں بیچین آنکھوں کیلئے ہوتا ہے تو　　　جانے کیوں جھوٹی خوشی کے واسطے روتا ہے تو
جس نظر کی آرزو میں اس قدر بیتاب ہے　　　آہ وہ دیکھا ہوا میرا پریشاں خواب ہے
آنکھ کے ہوتے ہوئے بھی میرا دل مغموم ہے　　　کیا یہ کم ہے ایسی بینائی سے تو محروم ہے

میرے جیسے آنکھ والوں سے کہیں اچھا ہے تو
دیکھ مجھکو اور خدا کا شکر کر اندھا ہے تو !

(۱۹۴۴ء)

سُلطان احمد قمرؔ

پیرزادہ سلطان احمد قمرؔ جناب ثاقبؔ جودھپوری کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ اردو فارسی کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت پڑھی بعد ازاں جودھپور ریلوے میں گارڈ ہو گئے اور تقسیم برصغیر تک اسی منصب پر متعین رہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں مع اہل و عیال اور دیگر اہل خاندان کے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور میرپور خاص میں مقیم ہیں۔

شعر و سخن میں یہ اپنے والد کا تتبع کرتے ہیں اور نعت و منقبت کے ذریعہ اپنے جذبات عشق و محبت اور واردات قلبی کا اظہار کرتے ہیں۔ انہوں نے پاکستان آنے کے بعد جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا وہ دیوان ثاقبؔ (اردو) کو چھپوا کر منظر عام پہ لانا ہے۔ اب ثاقبؔ کے فارسی کلام کی تدوین و ترتیب میں مشغول ہیں۔

نمونہ کلام ؎

جا کے طیبہ سے خبر بادِ صبا لائی ہے — میرے آقا کو قمرؔ یاد مری آئی ہے
للہ الحمد مکیں آپ ہیں میرے دل میں — کون کہتا ہے مرا عالم تنہائی ہے
نظر لطف اِدھر ہو تو اُجالا ہو جائے — ورنہ امت پہ تری کالی گھٹا چھائی ہے

المدد سید مکی مدنی دنیا میں
باپ بیزار ہے بھائی سے جدا بھائی ہے

حبیب کبریا ہو مظہر ذاتِ خدا تم ہو — شریعت سے ہیں ڈر کر کہہ نہیں سکتا کہ کیا تم ہو

بجز حق کے حقیقت کو تمہاری کوئی کیا جانے فقط یہ جانتے ہیں ہم کہ محبوبِ خدا تم ہو

تمہاری مدح میں گذری ہے ساری عمر اے آقا
عطا ہو نعت خوانی کا صلہ بجز عطا تم ہو

دلِ بیکار کا دائم یہی ہے شغلِ بیکاری کبھی مغموم ہو جانا کبھی مسرور ہو جانا
قفس میں بلبلِ نالاں یہی کہتی ہے رو رو کر ستم ہے موسمِ گُل میں چمن سے دور ہو جانا

اگر رازِ حقیقت آشکارا ہو قمرؔ تجھ پر
مبارک ہو تجھے پھر وقت کا منصور ہو جانا

محمد انوار الحق نہالؔ

محمد انوار الحق نام، نہالؔ تخلص، مولوی محمد ایوب باغؔ تلمیذ علامہ سیمابؔ اکبرآبادی کے صاحبزادے ہیں۔ باغؔ خود بھی اچھے شاعر ہیں اور بقول سیماب اکبرآبادی "راجپوتانہ کے ان شاعروں میں ہیں جن پر ادب فخر کر سکتا ہے۔"[۱]

مولانا نہالؔ اجمیر میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی عربی فارسی، اردو اور انگریزی میں اچھی استعداد رکھتے ہیں ۱۹۳۶ء میں بہ سلسلہ ملازمت جودھپور میں مقیم تھے اور ۱۹۴۱ء تک قیام پذیر رہے۔ مولانا حیدر بدایونی سے مراسم تھے اور اکثر ان کے ہاں نشست و برخاست رہا کرتی تھی۔

انہوں نے اس ماحول میں پرورش پائی جہاں شاعری اوڑھنا اور بچھونا تھی

۱۔ سالنامہ رسالہ شاعر آگرہ ۱۹۳۶ء

لہٰذا ان کی طبیعت میں بھی یہ شوق پیدا ہوا اور اپنے والد کے فیض تربیت سے اچھی مہارت حاصل کرلی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں مگر زیادہ تر رجحان فارسی کی طرف ہے۔ غالب، نظیریؔ اور حافظ شیرازی کا غائر مطالعہ کیا ہے اور ان سے متاثر ہیں۔

تقسیم برصغیر کے بعد مولٰنا نہالؔ ترک وطن کرکے پاکستان چلے آئے آج کل حیدرآباد میں اقامت گزیں ہیں اور ریلوے اسٹور آفس میں ملازم ہیں۔ خورشید ایلچپوری۔ سالک صدیقی اور خادمؔی اجمیری ان کے تلامذۂ خاص میں ہیں اول الذکر نے اپنے مجموعہ کلام "مدوجزر" کو اپنے محترم استاد کے نام معنون کرکے اپنے جذبۂ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

مولٰنا کی دو فارسی غزلیں جو خادمؔی اجمیری کے توسط سے موصول ہوئی ہیں درج ذیل ہیں ؎

بیک ساغر چہ کردی در رگ و پے موجزن ساقی
کہ مارا ہر نفس گردید باب سوختن ساقی

ازیں افسانہ زلف و رخ تاباں ہمی خواہم
مگر بخشند شبم نورے بشمع انجمن ساقی

عفاک اللہ بقید کشمکش مارا رہانیدی
بیک ساغر نمودی حل حدیث ما و من ساقی

مگر دارد سرشت ما خمیر ایزدی پنہاں
کہ می سازد صنم از خاک مستاں برہمن ساقی

حریفاں بے خبر از نشہ مہر و وفا ہستند
مدہ در دست شاں جام من تشنہ دہن ساقی

بیک ساغر چہ می ارزد کہ با یک قطرۂ صہبا
نہ گیرم کوثر و تسنیم و انہار لبن ساقی

دل رند حزیں را باز کند صد کارواں پیدا
نہالؔ ار می شود در جادۂ مے راہزن ساقی

حسینے خوبروئے کج کلاہے
امیرے تاجدارے پادشاہے

زہے قسمت کہ چوں تو پادشاہے
کند بر حال درویشاں نگاہے

امام الاولیا فخر زمانہ — معین الدین اکبر دیں پناہ ہے
فلک پایا برفعت آستانت — بعظمت سجدہ گاہ مہر و مہ ہے
ضعیفاں بیکساں بیچارگاں را — انیسے یاورے پشت و پناہ ہے
بکن برحال زار ما غریباں — زروئے مرحمت گاہے نگاہ ہے

نہال باغ را شاداب گرداں
باندازِ نسیم صبح گاہے

عبدالغفار قمر

عبدالغفار نام قمر تخلص مولد و منشا جودھپور ہے۔ اردو و فارسی کی تحصیل حسب ضرورت حضرت بیدل بدایونی سے کی اور فن سخن میں انھیں سے استفادہ کیا۔ تقسیم برصغیر سے قبل ہی حیدرآباد سندھ میں آ گئے تھے اور اب تک یہیں سکونت پذیر ہیں اور خواص و عوام میں قمر جودھپوری کے نام سے مشہور ہیں۔

قومی و سیاسی خدمات کا شوق دورِ سکونت جودھپور ہی سے تھا حکیم نثار احمد صاحب نثار صدر مارواڑ مسلم لیگ کے دست راست تھے۔ یہاں آنے کے بعد بھی اپنی سیاسی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوتاہی نہیں کی اور اپنے وجود کو قومی و ملی امور کی انجام دہی کے لئے وقف کر دیا ہے طبیعت جوشیلی پائی ہے اور اسٹیج پر بڑی پرجوش تقریریں کرتے ہیں۔ اور یہی جوش ان کے کلام

ہیں بھی نمایاں ہے۔ غزلیں بہت کم کہتے ہیں۔ اکثر نظم میں اپنے جذبات اور فطری جوش کا اظہار کرتے ہیں۔ الفاظ پر اچھا عبور حاصل ہے۔ ترکیبیں چست اور الفاظ پر شکوہ استعمال کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام کے طور پر چند قطعات جو دستیاب ہوئے ہیں درج ذیل ہیں۔

خونِ حسینؓ

تا قیامت اک جہاں لکھے گا مضمونِ حسین — ایک جنت سے گراں ہے قطرۂ خونِ حسین
خون اہل بیت سے ہے دینِ محمد کا وجود — عالم اسلام ہے مشکور و ممنونِ حسین [۵۱]

منزل

کچھ خبر ہے تجھ کو مسلم تو کہاں ہے آجکل — کونسی منزل پہ تیرا کارواں ہے آجکل
تو جدھر ہے بس ادھر ہے رحمتِ پروردگار — منحصر تجھ ہی پہ یہ امت جہاں ہے آجکل [۵۲]

غمِ حسینؓ

اے نورِ خدا کے نورِ نظر اے راحتِ رحمتِ دو عالم
اے جانِ علیؓ معصوم جہاں اف تجھ پہ یزیدی ظلم و ستم
سردارِ جنت حشر کے دن جب پیش کریں گے تیرا لہو
کہرام مچے گا محشر میں خود ہوگا خدا بھی شریکِ غم [۵۳]

---

۵۱ روزنامہ آفتاب ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۰ء
۵۲ ،، ،، ،، ۳ر نومبر ۱۹۵۰ء
۵۳ ،، ،، ۱۹ر اکتوبر ۱۹۵۰ء

دورِ ششم

حکیم عزیز الرحمٰن عزیزؔ

حکیم عزیز الرحمٰن مرزا المتخلص بہ عزیزؔ۔ حکیم عبد الرحمٰن مرزا کے خلف اکبر اور حکیم عبد الرزاق مرزا حاذقؔ کے بھتیجے ہیں۔ ولادت ۱۴ راگست ۱۹۱۱ء کو جودھپور میں ہوئی۔ آباؤ اجداد کا وطن جے پور ہے۔ لیکن ان کے دادا مولوی مرزا عبد الغنی جو اپنے دور کے نہ صرف ماہر فن طبیب بلکہ ایک زبردست عالم حدیث بھی تھے جے پور سے ترک سکونت کرکے جودھپور آ گئے تھے اور یہیں کی بود و باش اختیار کر لی تھی۔

عزیزؔ نے تحصیل علوم شرقیہ حضرت شرقیؔ اور مولانا بیدلؔ سے کی اور انگریزی کی تعلیم اسکول اور کالج میں حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اردو میں ادیب آنرز اور فارسی میں منشی کے امتحانات الہ آباد یونیورسٹی

سے پاس کئے۔ لاہور سے طبیب حاذق اور حکیم حاذق کی دستاد حاصل کیں آبائی پیشہ طبابت ہے والد۔ دادا، دادا، نانا بڑے زبردست طبیب تھے مگر انہوں (عزیز) نے بجائے طبابت کے درس و تدریس کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔ ان کا زمانہ ملازمت ۱۹۳۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ مختلف اسکولوں میں مدرس رہے اور ترقی کرتے کرتے پرائمری اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ اوقات فرصت میں مطب بھی کرتے تھے مگر یہ مشغلہ خدمت خلق کی حد تک ہی رہا۔ اس کو کسب معاش کا ذریعہ نہ بننے دیا۔

حکیم صاحب ۱۹۴۸ء میں جودھپور سے ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور حیدرآباد میں اقامت پذیر ہیں۔ یہاں بھی درس و تدریس مشغلہ ہے میمن انجمن ہائی اسکول حیدرآباد میں ٹیچر ہیں۔ اوقات فرصت میں مطب بھی کرتے ہیں۔ بڑے وسیع الاخلاق اور متواضع انسان ہیں۔

فن سخن میں حکیم صاحب نے دیا دہ تر نعتیں اور بچوں کی نظمیں کہی ہیں لیکن زیادہ دلچسپی تاریخ گوئی سے ہے اور اس فن پر ایک مبسوط کتاب ترتیب دے رہے ہیں جس میں تاریخی مادوں کے علاوہ مشاہیر فن کی مشہور واقعات کے متعلق تاریخیں جمع کی ہیں اور اپنی خود کی تاریخیں بھی جو مختلف مواقع پر لکھی گئی ہیں درج ہیں۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی کتاب ہے جو اس فن پر نئے انداز سے لکھی جا رہی ہے اور اپنی جامعیت کے اعتبار سے بڑی مفید اور کارآمد ہے وفا راشدی نے اپنے گراں قدر مقالہ "حیدرآباد میں اردو ادب کے چودہ سال"[1] میں اس کتاب کے متعلق خراج تحسین پیش کیا ہے۔

---

[1] یہ مقالہ ماہنامہ جام نو دہ سالہ نمبر ۱۹۶۱ء میں چھپا ہے۔

نمونہ کلام :-

نعت

ہو بشر سے کیا بیاں شان حبیب کبریا
خود خدا ہے جب ثنا خوان حبیب کبریا

حشر میں کھل جائیگا الطالحون لی کا راز
ہو گئے عاصی زیر دامان حبیب کبریا

پیروی میں میری پنہاں قوم مسلم کی نجات
صاف وارد ہے یہ فرمان حبیب کبریا

دیکھئے قانون ہدیٰ دکھلائی راہ مستقیم
ہے بڑا کتنا یہ احسان حبیب کبریا

ہو لگی قدموں پر ترے دنیا کی ساری نعمتیں
اے مسلماں بن مسلمان حبیب کبریا

دیکھ لوں اک بار میں اک یہ تمنا دل میں ہے
روضۂ پرنور و ذیشان حبیب کبریا

مسکرا کر عائشہؓ کا حجرہ روشن کر دیا
اللہ اللہ نور دندان حبیب کبریا

اے عزیزؔ مدح گستر گوہر شہوار ہیں
شعر یہ تیرے بعنوان حبیب کبریا

غزل

نظر ہم سے تمہاری کیا پھری ہے
بتو ساری خدائی پھر گئی ہے

خبر لے جلد اے رشک مسیحا
ترے بیمار کی حالت بری ہے

غرور اچھا نہیں اے غیرتِ ماہ
جوانی چار دن کی چاندنی ہے

نہیں رکتی چلی جاتی ہے دن رات
مری عمر رواں بھی اک گھڑی ہے

کسی کو دیدیا دل اپنی شے تھی
تجھے کیا ناصح ناداں پڑی ہے

نہ ٹھکراتے چلو مرقد کو صاحب
کسی کی اس میں حسرت سو رہی ہے

نہیں کٹتی الٰہی ہجر کی شب
جو موت ایسے میں آئے زندگی ہے

عدو کے ساتھ آئے ہو مرے پاس
کہو یہ دوستی یا دشمنی ہے

عزیزؔ خستہ غم سینے میں رکھنا
کسی نے لیکے دل یہ چیز دی ہے

قطعہ تاریخ بر وفات جگر مراد آبادی

خبر رحلت جگر سے ہوا ! — قلب محزوں دل کو صدمۂ جانکاہ
سن رحلت، بہ صنعت منقوط — کہو "ثانی داغ و حسرت آہ"

۱۹۶۰ ع

دیگر

جب ہوئی اطلاع مرگ جگر — دل کے مرجھا گئے عزیز کنول
طبع غمگیں ہوئی جو مائل فکر — ہوئی تاریخ "صدر بزم غزل"

۱۳۸۰ ھ

دیگر

چل بسا اس جہاں سے شاہ غزل — بجھ گیا محفل سخن کا چراغ
ملہم غریب نے کہی تاریخ ! — "نقش ہر دل پہ ہے جگر کا داغ"

۱۹۶۰ ع

قطعہ تاریخ بر وفات مولانا ابوالکلام آزاد

زندگی وقف رہی قوم کی خدمت کیلئے — تیرا آغاز بلند اور ترا انجام بلند
تیری رحلت پہ بصد غم دل محزوں نے کہا — "تاقیامت رہے آزاد ترا نام بلند"

۱۹۵۸ ع

رباعیات (بچوں کیلئے)

لاریب خدا ایک ہے، گر دو ہوتے — لڑ لڑ کے وہ خود اپنی خدائی کھوتے
ہو جاتا نظام عالم درہم برہم — جو اگتے اگر کھیتوں میں گیہوں بوتے

بیڑی سگریٹ کو منہ لگانا نہ کبھی — پڑھنے کے دنوں میں پان کھانا نہ کبھی
نشہ کے قریب ہے تمباکو بچو! — بھولے سے قریب اسکے جانا نہ کبھی

کوشش کرو کوشش کا صلا ملتا ہے — مقصود جو ہے وہ مدعا ملتا ہے
محنت نہیں رائیگاں کسی کی جاتی — کوشش سے تو بندے کو خدا ملتا ہے

قمر الاسلام قمرؔ قادری

قمر الاسلام نام قمرؔ تخلص سلسلہ قادریہ سے متوسّل ہونے کی بنا پر قادری کہلاتے ہیں۔ آبائی وطن پانی پت ہے جہاں ١٩٢٦ء کے لگ بھگ ولادت ہوئی مگر عہدِ طفولیت ہی میں اپنے والد ماجد مولٰنا نجم الاسلام کے ہمراہ جودھپور آگئے تھے اور قیامِ پاکستان تک یہیں سکونت پذیر رہے۔ ذوقِ شعر و سخن اوائلِ عمری سے تھا۔ حضرت بیدلؔ بدایونی کی توجہ اور اصلاح نے اس ذوق کو نکھارا اور جلا بخشی۔ یہ حضرتؒ کے آخری ایامِ حیات کی بات ہے۔

قمرؔ نوجوان شعراء میں اچھا کہنے والے ہیں۔ بہت کم کہتے ہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں بہت غور و فکر سے کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔

تقسیمِ برصغیر کے بعد جودھپور سے ہجرت کرکے پاکستان آگئے ہیں اور آجکل کراچی میں اقامت گزیں ہیں۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

آبرو کھو دیگا دامن میں مچلکر طفلِ اشک — مجھکو دھڑکا ہے یہ ننگِ خانداں ہو جائیگا
غم نہیں ہے وہ نہ لیں بیمارِ الفت کی خبر — درد بڑھکر خود مرا آرامِ جاں ہو جائیگا

تو نے دیکھیں قلبِ ناداں حسن کی نیرنگیاں — عشق کا آغاز کیا تھا اور کیا انجام ہے
رہرو درماندہ یہ بیس ماندگی اچھی نہیں — یوں نہ ہمت ہار منزل اب تو دو ہی گام ہے

مرہونِ حسن و عشق ہے اپنی تو شاعری — کمبخت پھنس کے رہ گئی زلف و عذار میں

حرمان و درد و یاس و غم و حسرت و ملال　　سب کچھ ہے کیا نہیں مرے دل کے دیار میں
لالہ فروش آنکھیں ہیں دل میں ہے جوش یاس　　بہتر یہی ہے حال غم بیاں نہ پوچھیے
دو ہچکیوں کے بعد تو قصہ ہی ختم ہے　　حالِ مریضِ عشق کو چنداں نہ پوچھیے
دستِ جنوں دراز ہو دامنِ عقل چاک کر　　راہِ طلب میں ہوش ہو شیوۂ عاشقی نہیں
کشتۂ غم سنبھل ذرا ضبط کو ہاتھ سے نہ دے　　چشمِ سحاب ہاں برس آتشِ غم بجھی نہیں
مطربِ آتشیں نوا کوئی ترانہ چھیڑ دے　　روح کی کائنات میں آگ ابھی لگی نہیں

محوِ طلسمِ آرزو تیرا کہاں خیال ہے
شمعِ امید بجھ چکی کیا تجھے آگہی نہیں

مجھے درکار ناخن موت کا ہے　　میں عقدہ زیست کا سلجھا رہا ہوں
مقامِ آرزو سے بے خبر ہوں　　بس اتنا جانتا ہوں جا رہا ہوں
فزوں ہو یا خدا سوزِ شبِ غم　　عجب کچھ لطف سوزش پا رہا ہوں
شرابِ زندگی ہے تلخ لیکن　　اشاروں پر میں پیتا جا رہا ہوں

فسردہ بجلیاں چمکیں فضائیں
سحابِ غم میں کھویا جا رہا ہوں

انتہائے خودی سے گھبرا کر　　ڈھونڈتا ہوں میں بندگی کا مقام
رازِ ہستی کو پا لیا جب سے　　مل گیا درد و غم میں کیف دوام
صحنِ گلشن میں ہنس دیئے غنچے　　جانے شبنم نے کیا دیا پیغام
ہے شبِ ہجر کی حسین روداد　　سرِ مژگاں جو اک ستارہ ہے

قطعات

مدِ نظر تھی زینتِ زندانِ روزگار　　وابستہ کر دیا ہے مجھے قیدِ حیات سے
آزاد ہے کوئی کوئی پابندِ دہر ہے　　ضدین کا نہ ربط چھٹا ممکنات سے

وادیٔ ذہن میں بہتے ہوئے دریاکے قریب — جیسے بکھرے ہوئے افکار کی محراب جمیل
اس طرح صفحۂ قرطاس پہ ہے جلوہ نما — جیسے ویران شدہ فردوس کے آثار جلیل

پریم شنکر سریواستو

پریم شنکر نام شنکر تخلص۔ ذات سے سریواستو ہیں ۲۰ جولائی ۱۹۲۰ء میں بمقام اوجین پیدا ہوئے۔ تعلیم جھالاواڑ، اجمیر، میرٹھ اور لکھنؤ میں پائی ۱۹۴۲ء میں لکھنؤ سے انگریزی میں ایم۔ اے پاس کیا اور ۱۹۴۳ء میں بہ سلسلہ ملازمت جودھپور میں آئے اور جسونت کالج جودھپور میں انگریزی کے لکچرار مقرر ہوئے آجکل ایس۔ ایم۔ کے۔ کالج یعنی جودھپور کا پوسٹ گریجویٹ کالج ہے انگریزی کے پروفیسر ہیں

شعر و ادب سے دلچسپی اسکول اور کالج کے زمانہ ہی میں پیدا ہوگئی تھی جو جودھپور کی ادبی فضا میں آکر پروان چڑھی۔ یہ گذشتہ سترہ سال سے جودھپور میں اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ تین سال تک انجمن ترقی اردو شاخ راجستھان کے نائب صدر رہے اور اب اپنے کالج کی بزم اردو کے ایڈوائزر ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں منعقد ہونے والے اردو کنونیشن جے پور میں انہوں نے ایک قابل قدر مقالہ بعنوان "ہندوستان کی جنگ آزادی میں اردو کا حصہ" پڑھکر خراج تحسین حاصل کیا۔

غزلیات اور آزاد نظموں کے علاوہ اردو ڈرامے اور مزاحیہ مضامین بھی لکھتے ہیں۔ غزل میں پرانی روش سے ہٹ کر نئی قدروں کو سمونے کی کوشش کرتے

ہیں لیکن کچھ کامیاب نظر نہیں آتے۔

انتخاب کلام درج ذیل ہے ؎

غزلیات

حسینانِ جہاں کو بھول جائیں بھی تو کیا ہوگا
دمِ آخر خدا سے لو لگائیں بھی تو کیا ہوگا

بہاریں لوٹ لی ہوں جس چمن کی باغباں تو نے
وہاں ہم آشیاں اپنا بنائیں بھی تو کیا ہوگا

کچھ ایسی ہوگی چھائی ہوئی ہے بزم ساقی میں
یہاں خیام و حافظ لوٹ آئیں بھی تو کیا ہوگا

تمہاری یاد نے سوتے فتنے جگائے ہیں!
انھیں اب تھپکیاں دیکر سلائیں بھی تو کیا ہوگا

حقیقت سے گریزاں رہ کے شاعر ہو نہیں سکتا
غزل مطلع و مقطع سے سجائیں بھی تو کیا ہوگا

جو اشیائے ضروری تو مہیا کر نہیں سکتے
وہ تارے آسماں کے توڑ لائیں بھی تو کیا ہوگا

یہاں تو یاس کا عالم نظر آتا ہے محفل میں
چراغ آرزو شنکر جلائیں بھی تو کیا ہوگا

چل پڑا انسان تو اب شان سلطانی کیساتھ
منزلِ مقصود پانے خندہ پیشانی کے ساتھ

عظمتِ انساں کا قائل ہو گیا ہے آسماں
مائل سجدہ ہے وہ بھی اب تو حیرانی کے ساتھ

آپ کو ہی ہوں مبارک حسن کی رعنائیاں
میرا رشتہ ہو گیا ہے درد انسانی کے ساتھ

میری حالت پر ہنسے جو قہقہہ کل مار کر
آج ان کو جاتے دیکھا ہے پریشانی کیساتھ

کچھ حال عجب ہے اس دل کا تسکین نہ ہو تو گھبرائے
بے اور بھی رونا بنتا ہے تسکین اگر ہو جاتی ہے

تم صاحب حشمت ہو تو ہو مغرور نظر سے مت دیکھو
اللہ کا شنکر بندہ ہے اسکی بھی گذر ہو جاتی ہے

اب نہ کوئی سلطنت ہے اور نہ اب سلطان ہے
میری دنیا میں فقط انسان ہی انسان ہے

موڑ کر لے جاؤں تشنگی کا روانِ آرزو
آج ان کے دل میں کوئی پھر نیا مہمان ہے

اعجاز احمد خان اعجاز

اعجاز احمد خان نام ۔ اعجاز تخلص والد کا نام احمد اللہ خان ہے جو میرے والد بزرگوار کے بچپن کے ساتھی اور گہرے دوست تھے ۔ احمد اللہ خان کے دادا منشی محمد خان[۱] ریاست جودھپور کے مختلف پرگنوں مثلاً مالانی و پالی وغیرہ میں بعہدہ حاکم فائز رہ چکے تھے ۔

اعجاز کی ولادت ۱۹۲۳ء میں بمقام جودھپور ہوئی ۔ اردو ۔ فارسی اور انگریزی کی تعلیم اسکول میں حاصل کی پھر متاہل زندگی اختیار کرنے کے بعد تعلیم ادھوری ہی چھوڑ کر

---

۱ منشی محمد خان عمائدین جودھپور میں ایک ممتاز ہستی تھے ۔ ان کی حویلی محلہ ناگوری دروازہ میں ہمارے مکان کے قرب میں واقع تھی ۔ بڑے علم دوست بزرگ تھے ۔ مسجد ناگوری دروازہ کی تعمیر پر انہوں نے ایک قطعہ تاریخ کہا تھا جو میں نے قبلہ والد ماجد کی زبانی سنا تھا اور وہ انکی ایک بیاض میں بھی درج تھا وہ قطعہ یہ ہے ؎

ہوئی جبکہ تیار مسجد یہ بن کر ۔۔۔ ہوا فکر اس وقت سال بنا کا
کیا غور دل میں تو ہاتف نے فوراً ۔۔۔ کہا لکھ یہ تاریخ "خانہ خدا کا"
۱۲ ۵ ۸۲

انکو فن شعر و سخن سے بھی شغف تھا یا نہیں ؟ یہ متحقق نہیں ہو سکا اور نہ اس قطعہ کے علاوہ ان کا کوئی کلام سننے میں آیا ۔ (مولف)

کسی محکمہ میں ملازمت اختیار کرلی۔

بچپن سے موسیقی سے لگاؤ تھا اور اس فن میں اچھی مہارت حاصل کرلی یہی شوق شاعری کا محرک ہوا۔ شعر کہنے اور مشاعروں میں شرکت کرنے لگے کسی کے آگے زانوے ادب تہہ نہیں کیا طبیعت خود ہی مصلح رہی۔

تقسیم کے بعد ۱۹۴۷ء میں اپنے والد اور بیوی بچوں کے ہمراہ پاکستان آگئے اور میرپور خاص میں سکونت پذیر ہوگئے اور آج تک وہیں ہیں محکمہ پی۔ ڈبلیو ڈی (آبپاشی) میں ملازم ہیں۔

اعجاز نوجوان شعرا میں اچھا خاصا کہہ لیتے ہیں۔ طبیعت رسا ہے اور پڑھنے کا انداز بھی مسحور کن ہے۔

نمونہ کلام سے

غزلیات

ان کا احسان عیادت بھی تو بیمار پہ ہے — بوجھ اور بوجھ بھی گرتی ہوئی دیوار پہ ہے

نزع کا وقت ہے بندش مری گفتار پہ ہے — بار اک اور بھی یہ طبع گرانبار پہ ہے

میں کہ ساغر لئے کوسوں نکل آیا آگے — گردش چرخ کہ اب بھی اسی رفتار پہ ہے

مطرب دیکھ کہیں وہ مری شہ رگ تو نہیں — تیری انگشتِ حسیں ساز کے جس تار پہ ہے

مجھکو اعجاز ہے نیرنگیٔ گلشن کی خبر
جلوۂ گل بھی نظر میں ہے نظر خار پہ ہے

دوش پر کس کے ہوئے گیسوئے پرخم برہم — نظم کونین نظر آتا ہے درہم برہم

ناز اور برہمی زلف پہ کرنے والے — بخت اپنا بھی نہیں زلف سے کچھ کم برہم

ان نگاہوں پہ اصولاً کوئی الزام نہیں — اپنی ہستی کو تو ہونا ہی تھا درہم برہم

ایک میں ہوں کہ مناتا ہوں یہ منت ہر بار — ایک ہیں آپ کہ ہو جاتے ہیں ہر دم برہم

حسن ہے جلوہ فگن آج بصد شانِ جلال زلفِ پیچاں کا نظر آتا ہے ہر چشم برہم

اب وہ اعجاز نہیں پہلی سی گرمیٔ مزاج

صاف برہم تو نہیں رہتے ہیں تاہم برہم

شکل گوہر ہے مرا خونِ جگر ڈھلتا رہا گود میں شبنمِ نازک کے شرر پلتا رہا

دیکھ پایا تھا کبھی ان کو برافگندہ نقاب زندگی بھر مرا ہر تارِ نظر جلتا رہا

آنسو اُمڈے ہوئے پلکوں سے تو آگے نہ بہے کشتیٔ چشم میں طوفان مگر پلتا رہا

سوزِ الفت سے چراغِ شبِ ہجراں بن کر دل سرِ شام جلا تا بہ سحر جلتا رہا

اہلِ دنیا نے جنھیں سمجھا نہ اشکوں کے سوا ان چراغوں میں مرا خونِ جگر جلتا رہا

ساقیٔ مست نظر کا تھا یہ اعجازِ نظر

رات پیمانہ بہ اندازِ دگر چلتا رہا

لطافتوں کے مسلسل وزن سے ٹوٹا ہے غرورِ گل کا بڑے بانکپن سے ٹوٹا ہے

چمن کے فاصلے توڑے گا یہ جنون اپنا قفس بھی اپنے ہی دیوانہ پن سے ٹوٹا ہے

دلیل ہے یہ کسی حادثے کے ہونے کی چمک کے تارا جو چرخِ کہن سے ٹوٹا ہے

پڑی ہے چوٹ وہیں اہلِ درد کے دل پر کہیں جو پتہ بھی شاخِ چمن سے ٹوٹا ہے

دلِ شکستہ کا اعجاز آسرا آخر

نظر کی ضربِ تمنا شکن سے ٹوٹا ہے

ظفر الدین ظفر

ظفر الدین نام ظفر تخلص۔ منشی شیخ نظام الدین کے سب سے چھوٹے فرزند

ہیں۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں جودھپور میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ بچپن میں چیچک کے موذی مرض کا شکار ہو گئے تھے جس سے بینائی کمزور ہو گئی اور رفتہ رفتہ اس سے بالکل ہاتھ دھونا پڑا۔ اسی باعث تعلیم نامکمل رہی اور اس میدان میں آگے نہ بڑھ سکے۔ البتہ شاعری کا میدان ہاتھ آ گیا۔ جناب عبدالباری تنہاؔ جودھپوری کی اصلاح اور حفیظ اللہ بیکسؔ، حکیم نثار احمد نثارؔ، کالیخان ابرؔ، رونقؔ جودھپوری وغیرہ کے فیضِ صحبت نے سہارا دیا اور اس میدان میں ترکتازی کرنے لگے۔

تقسیمِ برصغیر کے بعد یہ مع اپنے والدین و دیگر اعزا تقریباً سنہ ۱۹۵۱ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ چندے اپنے برادرِ معظم ڈاکٹر صلاح الدین کے پاس کراچی میں قیام رہا۔ جہاں ان کے استاد تنہاؔ جودھپوری پہلے سے موجود تھے۔ بعد ازاں قصبہ کھائی آ گئے جو میرپور خاص سے پتھورو جانے والی لوپ لائن پر واقع ہے اور اب تک وہیں قیام ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں شادی ہوئی ہے۔

اپنے قیامِ کراچی کے دوران میں انھوں نے جناب حیدرؔ دہلوی سے بھی استفادۂ سخن کیا ہے اور موصوف نے بھی ان کا شمار اپنے شاگردوں کی بہت میں کیا ہے۔ استاد قمرؔ جلالوی، نازشؔ حیدری، عارفؔ جلالی اور شاہدؔ دہلوی سے بھی ملاقات ہے اور ان کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا ہے۔ قدرت نے طبعِ رسا عطا کی ہے۔ بہت کم کہتے ہیں مگر اچھا کہتے ہیں۔ مشاعروں میں پڑھنے کا انداز مترنم اور دلکش ہے۔ مستقبل میں ان سے اچھی توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے ؎

اللہ رے ذوقِ دید اور ایسے اثر کے ساتھ
پردے حریمِ ناز کے اٹھے نظر کے ساتھ

تم شامِ وعدہ گر نہیں آئے نہیں سہی
کمبخت اجل بھی کمیت رہی کیا سحر کے ساتھ

سرمایۂ حیات تھی اک آخری دعا
اب ہم بھی اٹھ رہے ہیں امید اثر کے ساتھ

امید دید تھی تو امید حیات تھی ! — بجھتا چلا ہے دل بھی چراغ سحر کے ساتھ
ویرانی و خرابی و وحشت یہ جا بجا — کتنی مناسبت ہے بیاباں کو گھر کے ساتھ
اک درد دے کے راحت کونین چھین لی
اچھا سلوک تم نے کیا ہے ظفر کے ساتھ

میری نگاہ میں جو آپ کی تجلیات ہیں — بہار گلستاں ہی کیا بہار کائنات ہیں
وہ آئیں گے وہ آئیں وہ آ گئے وہ آ گئے — عجب تجلیات ہیں عجب تصورات ہیں
کبھی خوشی کبھی الم کہیں سکوں کہیں جنوں — ہماری زندگی کے کچھ عجیب واقعات ہیں
جسے بھی چاہے بخش دے پیام مرگ و زندگی
تمہاری اک نگاہ میں بڑی خصوصیات ہیں

ایک فتنہ ہے ایک فتنہ ساز — حسن اور حسن کا حسیں انداز
اب تو آ جاؤ بے حجابانہ — زندگی کا مزاج ہے ناساز
وہ فضا بے سکوں ہے اب تک — ہم نے تم کو جہاں سے دی آواز
آ گیا ہوں ترے خیالوں تک — اللہ اللہ رے مری پرواز
ہم نے اک تیرے نقش پا کیلئے — کتنے کیسے کیے نظر انداز
ہائے سرمایۂ حیات ظفر
چند احباب وہ بھی حیلہ ساز

مداوائے درد تمنا بھی نہیں ہے — مجھے آرزوئے دوا بھی نہیں ہے
تمہیں ہم نے سجدے وہاں بھی کیے ہیں — تمہارا جہاں نقش پا بھی نہیں ہے
ترے عشق کی آخری منزلوں تک — پہونچنا بھی راستا بھی نہیں ہے
جنہیں تم نے اذن محبت دیا تھا — انہیں آج اذن وفا بھی نہیں ہے
ظفر کون مشکل کشائی کرے گا ! — ہمارا تو کوئی خدا بھی نہیں ہے

یہ بے رخی یہ حجاب سہی لیکن
غرورِ حسن غمِ عشق سے کلام تو کر

اگر قبول نہیں دعوتِ نظر نہ سہی
مگر نگاہِ محبت کا احترام تو کر

زمانہ تو ہم پر بہت مہرباں ہے
ہمیں بزمِ عالم کے قابل نہیں ہیں

قیامت میں اوروں کو اپنی پڑی ہے
مگر میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں

ترے حسین اشاروں سے دور رہتا ہوں
خزاں بدوش بہاروں سے دور رہتا ہوں

محمد عمر قمر عثمانی

محمد عمر نام قمر تخلص۔ حافظ عبدالمجید تاباںؔ کے فرزند ارجمند ہیں ۳ر جولائی ۱۹۳۲ء کو جودھپور میں پیدا ہوئے۔ اردو۔ فارسی۔ انگریزی و ہندی کی بقدر ضرورت استعداد بہم پہونچا کر ۱۹۴۷ء میں سلسلۂ ملازمت شروع کیا اور آج کل ایک مقامی فرم میسرز بہادر اسمٰعیل اینڈ سنز جودھپور میں اکاؤنٹنٹ ہیں۔

ذوقِ سخن ان کو ورثہ میں ملا ہے۔ جو ان کے مورثِ اعلیٰ علامہ محمد اکرم فیض سے نسلاً بعد نسلٍ ان کے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔ قاضی حفیظ اللہ بیکس ان کے عمِ محترم ہوتے ہیں اور انھیں سے ان کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ابھی نو مشق ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

زمیں دیکھی زماں دیکھا مکیں دیکھے مکاں دیکھا
نہ دیکھا فرق جس میں وہ حسابِ دو جہاں دیکھا

تماشا یہ عجب محفل میں تیری مہرباں دیکھا
جسے بھی ہم نے دیکھا سوختہ جاں نیم جاں دیکھا

خدا جانے ہو کیا تعبیر اس خوابِ پریشاں کی
قفس کی تیلیوں میں اپنا الجھا آشیاں دیکھا

سنبھلتے تو بھلا کیونکر زمانے کے حوادث سے — جو غم بھی ہم نے دیکھا ہائے اکثر ناگہاں دیکھا

بتائیں خاک کیا رکھتے ہو تم مذہب قمرؔ اپنا
تمہیں اکثر خدا کے اور بتوں کے درمیاں دیکھا

تم نہ آئے تو قضا نظر آئی ! — دل گیا ڈوب آنکھ بھر آئی
دن تو کٹنے کو کٹ گیا ہمدم — یاد رہ رہ کے رات بھر آئی

سر سے پیروں کا ہم نے کام لیا
یار کی جب بھی رہگزر آئی !

میں کیا ہوں صرف گردِ کارواں ہوں — میں اپنی آہ کا مٹتا دھواں ہوں
فلک پر ہو رسائی خاک میری ! — میں آخر ایک آہِ ناتواں ہوں
نہیں دستِ طلب مرہونِ منت — میں خود میکش ہوں خود پیرِ مغاں ہوں
یہ حالت ہے تری محفل میں رہکر — زباں ہوتے ہوئے بھی بے زباں ہوں
تصور میں ہوں اتنا محو تیرے — نہیں معلوم مجھکو میں کہاں ہوں
تلاش و جستجو بے سود میری
قمرؔ میں ایک بحرِ بیکراں ہوں

مشاہدہ ہے کہ خوشیوں سے ہیں وہی محروم — غمِ حیات سے جو لوگ ہمکنار نہیں

تنگ آکر کیوں دعائے مرگ کرتے ہو قمرؔ — دولتِ غم پاکے تم کو مسکرانا چاہئے

جبینِ شوق میں سجدوں کی ہے فراوانی — مگر کشش ہی ترے سنگِ آستاں میں نہیں

☆

نبی بخش کامل

نبی بخش نام کامل تخلص۔ گجراتی نژاد ہیں۔ ۸ر جولائی ۱۹۰۹ء کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ر سال کی عمر میں ترک وطن کرکے جودھپور میں آگئے اور آج تک یہیں مقیم ہیں۔ گجراتی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ اردو سے معمولی واقفیت ہے مگر شعر اچھے خاصے کہہ لیتے ہیں۔ دوران قیام احمد آباد میں منشی نور محمد ضیا احمد آبادی سے اصلاح لیتے تھے۔ جودھپور آنے کے بعد ولی محمد انور تلمیذ بیدل کی شاگردی اختیار کی۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

مہر بنکر مطلع مشرق پہ آسکتا ہوں میں　　ذرے ذرے کو زمیں کے جگمگا سکتا ہوں میں
زندگی کے ساز پر نغمے وہ گا سکتا ہوں میں　　موت کو بھی لوریاں دیکر سلا سکتا ہوں میں
حق نے بخشی ہے مجھے وہ قوت حسن عمل　　اپنی قسمت اپنے ہاتھوں خود بنا سکتا ہوں میں
اس قدر شوق شہادت ہے کہ اپنے خون سے
تشنگی شمشیر قاتل کی بجھا سکتا ہوں میں

پھونکا سوز محبت کے شراروں نے جگر اپنا　　ہم اپنی آگ میں خود ہی جلا بیٹھے ہیں گھر اپنا
گلستاں میں وہ غنچے رنگ لائے اب کہیں جاکر　　پلایا ہم نے جنکو عمر بھر خون جگر اپنا
گذاری عمر سب اس جستجو میں ہم نے اے کامل
ملا اب تک زمانے میں نہ کوئی ہمسفر اپنا

ان پرانے دیر و کعبہ سے تو جی اکتا گیا　　بہر سجدہ آ نیا اک آستاں پیدا کریں

تم ذرا کے اپنا قامت زیبا دکھا تو دو — دعویٰ لگا ہے سرو کو کہ سرو ِ چمن ہوں میں
آیا ہوں چار دن کیلئے باغِ خلد سے — اس عالم فنا میں غریب الوطن ہوں میں

حکیم ظفر عالم ظفر ناگوری

ظفر عالم نام ظفر تخلص۔ ۱۲ رجون ۱۹۲۰ء (۱۳۳۹ھ) کو ناگور میں پیدا ہوئے اور مدرسہ حسینیہ ناگور میں تعلیم و تربیت پائی ۱۳۵۹ھ میں میڈیکل کالج شوراب گیٹ میرٹھ سے طب میں سند حاصل کی اور اب ناگور میں طبابت کرتے ہیں۔ ۱۳۶۳ھ سے مشق سخن جاری ہے اور ناگور کی بزم شعرا کی روح رواں ہیں رحمت اللہ رونق ناگوری سے نسبت تلمذ ہے اور عبدالغفار رونق جودھپوری سے گہرے دوستانہ مراسم ہیں۔ یہ جب بھی جودھپور آتے تھے انہیں کے یہاں قیام کرتے تھے۔ فروری ۱۹۵۱ء (جمادی الاول ۱۳۶۹ھ) میں رونق جودھپوری اور راقم السطور حضرت سلطان التارکین ؒ کے عرس کے موقع پر ناگور گئے تھے تو حکیم ظفر عالم ہی کے مکان پر قیام کیا تھا۔ بڑے خلیق، متواضع اور ملنسار واقع ہوئے ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

دل کو اک شوخ طبیعت سے لگا رکھا ہے — طبع آزاد کو بیباک بنا رکھا ہے
اس قد و منعوف نے سر اپنا اٹھا رکھا ہے — صورت نقش قدم ہم کو بٹھا رکھا ہے
خون ناحق کبھی چھپائے سے کہیں چھپتا ہے — تم نے بے فائدہ ہاتھوں کو چھپا رکھا ہے
زندگانی کا بھروسہ نہیں اے جان جہاں — آج کی بات کو کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے
جس تجلی نے جلایا تھا کبھی طور کلیم — اسی جلوے نے مرے دل کو جلا رکھا ہے

دیکھ آئے ہیں خدا جانے کہاں کس کی جھلک
حضرتِ دل نے مری جان کو کھا رکھا ہے

ادھر مایوسیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں فرقت میں
اُدھر غفلت شعاری جور ڈھاتی ہے مری جا

اسی ڈر سے تو مقتل میں ذرا جنبش نہ کی ہم نے
کوئی چھینٹا نہ پڑ جائے مرے قاتل کے دامن

لرزتے لب بھی اکثر معجزہ ہوتے ہیں سنی میں!
تجھے کیوں رشک ہے زاہد کرامتہائے رند

غضب ٹپکی نہ اس کی آنکھ سے اک بوند آنسو کی
زمانہ خون روتا تھا مرے حال پریشاں پر

ظفر اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کو کامیابی ہو!
میں جانبازی پہ نازاں ہوں وہ اپنی تیغ براں پر

نہ پوچھو دستِ وحشت کی درازی بعد مردن بھی   مرے مرقد سے باہر ہیں کفن کی دھجیاں
کوئی ہلکا سا پتھر رکھ دو ان معصوم ہاتھوں سے   تمہارے ہوتے کیسے تربت رہے یوں بے نشاں

نگاہیں پھیر لیں یکلخت یارانِ وطن تم نے
بھلادیں جنگِ آزادی کی سب قربانیاں میری

مختار احمد رنگین

مختار احمد نام، رنگین تخلص۔ مولوی ذکاءاللہ جو دھپوری کے نو

بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ اسلئے نانا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ تعلیم نجی طور
پر ہوئی۔ غالباً مولنا بیدل سے اردو اور کچھ فارسی پڑھی۔ استعداد معمولی تھی مگر
شاعری میں طبیعت رسا پائی تھی۔ شعر اچھے کہہ لیتے تھے۔ تنہا جودھپوری سے تلمذ تھا
کسب معاش کا ذریعہ ملازمت تھی۔ لالہ کیدار روپ رائے سیکریٹری
میونسپل بورڈ جودھپور کی مہربانی سے بھنگیوں کے داروغہ ہو گئے تھے۔ جیسا کہ خود
ایک شعر میں کہا ہے ؂

شکریہ کیدار تیرا شکریہ　　　　بھنگیوں کا کر دیا افسر مجھے

۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد رنگین بھی ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور میر پور خاص
میں بود و باش اختیار کی۔ پاکستان بننے کے بعد میر پور خاص میں شعرا کی اچھی خاصی تعداد
ہو گئی۔ شعر و سخن کیلئے فضا سازگار تھی۔ رنگین کو اپنی رنگینی طبع کے جوہر دکھانے کا اچھا
ملا۔ اپنے ذوق شعری کی تکمیل کیلئے اور علامہ بیدل سے اظہار عقیدت کے طور پر دارالادب بیدل کی
بنیاد رکھی جسکے یہ صدر اور اسکے تحت ہونیوالے مشاعروں کی روح رواں تھے۔ اعجاز جودھپوری۔ خا
اجمیری، ڈیوٹ اجمیری، سیف سلطان پوری قمر کیرانوی ان کے محبان خاص اور
شریک کار تھے۔

افسوس کہ اس ہونہار شاعر کی عمر نے وفا نہ کی اور عنفوان شباب ہی میں ا
سے چند سال پہلے میر پور خاص میں انتقال کیا۔ ڈاکٹر نذیر احمد صدیقی سے رنگین کے
اچھے تعلقات تھے اور شاید میر پور خاص میں ان کے اخراجات کے کفیل بھی یہی
اب بھی ڈاکٹر صاحب کے سامنے رنگین کا ذکر آ جاتا ہے تو آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

اسی مختصر سی عمر میں رنگین نے بہت کچھ کہا تھا مگر ان کے انتقال کے بعد
کا کل سرمایۂ کلام تلف ہو گیا۔ رونق جودھپوری سے ان کے تین شعر دستیاب ہو
وہ یہ ہیں ؂

جوانی تم نے دیکھی ہے کہیں پر ! جوانی اور قدم رکھے زمیں پر

تجھ سے آیاتِ محبت کھل گئیں ! مصحف رخسار تیرا شکریہ

اک حیاتِ جاوداں بخشی مجھے خنجر خونخوار تیرا شکریہ

عبدالرزاق خاں صحرائیؔ

عبدالرزاق خاں نام صحرائیؔ تخلص۔ مارواڑ کی آخری سرحد کے مشہور قصبہ سانبھر کے رہنے والے ہیں، قوم سے راجپوت پٹھان ہیں۔ جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو دبستان سانبھر مائلؔ دہلوی اور ان کے معاصرین کے شیریں نغمات سے گونج رہی تھی۔ ان کی طبیعت میں بھی امنگ پیدا ہوئی۔ مشاعروں میں شریک ہونے لگے اور پھر خود بھی غزلیں سنانے لگے۔ یہ غالباً مائلؔ کے آخری ایام تھے مشق سخن ترقی کرتی گئی۔ اپنے ادبی ذوق کی تکمیل کیلئے بیکانیر بھی گئے اور وہاں حضرت بیدلؔ بیکانیری کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہوئے پھر بمبئی چلے گئے جہاں کا ماحول اسوقت اچھا خاصا ادبی تھا اور ہندوستان کے اساتذہ فن جمع ہو گئے تھے جن سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

سیاست وصحافت سے خاص دلچسپی ہے اور صحافت ہی ذریعہ معاش ہے۔ ہندوستان کے مختلف اخبارات و رسائل میں اپنی صحافیانہ خدمات انجام دیں اور تقسیم کے بعد پاکستان آنے پر بھی یہی مشغلہ ہے۔ آجکل حیدرآباد مغربی پاکستان میں مقیم ہیں اور یہاں کے مقامی اخباروں کے کالم نویس ہیں۔ کثرت مے نوشی نے صحت پر بُرا اثر ڈالا ہے اور اکثر بیمار رہتے ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے ؎

غزلیات

رہبر یقیں بنا تو ہوئے فاصلے بھی کم — حدِ گراں سے دور تھی منزل چلے بھی کم
آیا زباں پہ حرفِ تمنا نہ عمر بھر — ترکِ طلب تو ہم سے ملے لب ہلے بھی کم
عفو گنہ کی شرم سے ہم بے گنہ رہے — گو تیری رحمتوں کے نہ تھے سلسلے بھی کم
تم کیا ہو کہہ دیا تو ملی دار کی سزا — تاریخ عدل میں یہ ہوئے فیصلے بھی کم
ہے یہ بھی واقعہ کہ تھے ہر گام راہبر — ہے یہ بھی حادثہ نہ لٹے قافلے بھی کم

نا قابلِ قبول ہے یہ شرطِ احترام
ساقی بھی کم شراب دے صحرائی لے بھی کم

وہ لو گرفتارِ غم ہوں جس نے کشِ امتحاں سے پہلے
زباں بندی کی شرطِ مشکل سُنی ہے عرضِ بیاں سے پہلے

طویل ہے داستانِ غم بھی مزاجِ جاناں کا پاس بھی ہے
اسی تردد میں کھو گیا ہوں کہ ابتدا ہو کہاں سے پہلے

وہ ابنِ آدم حقیر بندہ جسے سمجھتے ہیں شیخ صاحب
دماغِ یزداں میں جلوہ گر تھا وجودِ کون و مکاں سے پہلے

اثر ہو اتنا تو جذبِ کامل سناؤں جب داستانِ غم کی !
پکار اٹھیں حاضرینِ محفل یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

تری نگاہوں کا معجزہ ہے کہ جذبِ کامل کا یہ کرشمہ
گزر گیا میں یقیں کی منزل سے آگے وہم و گماں سے پہلے

ادل سے صحرائی مجھکو ایسی خزاں الٰہی عطا ہوئی ہے
بہار پھر لوٹ کر نہ آئی گزر گیا میں جہاں سے پہلے

دل کا درماں ہی نہیں جیسے — کوئی امکان ہی نہیں جیسے
غم عطا کرکے یوں پشیماں ہیں — مجھ پہ احسان ہی نہیں جیسے
دل کی خانہ خرابیاں توبہ — یار مہمان ہی نہیں جیسے
ظلم کرتے ہیں یوں بت کافر — ہیں مسلمان ہی نہیں جیسے

یوں بھی ان سے ملے ہیں صحرائیؔ
جان پہچان ہی نہیں جیسے

عبد الغفار رونقؔ

عبدالغفار نام رونقؔ تخلص ۔ والد بزرگوار کا نام حاجی محمد رمضان ہے جو جودھپور کے ممتاز تجارت پیشہ اشخاص میں شمار کئے جاتے ہیں ۔ قدیم آبائی وطن ناگور ہے مگر ان کے آبا و اجداد بسلسلۂ حصول معاش ترک وطن کرکے جودھپور میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور یہیں ۲۷ رمضان ۱۳۴۳ھ (۵ راپریل ۱۹۲۵ء) اتوار کو ان کی ولادت ہوئی ۔

سن شعور کو پہونچکر اردو اور فارسی کی تعلیم حضرت بیدلؔ بدایونی سے حاصل کی اور مذہبی کتب مولوی محمد خاں جودھپوری سے پڑھیں لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر تعلیم پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکی اور کسب معاش کی طرف رجوع کرنا پڑا ۔

شعر و سخن کا شوق زمانہ طالب علمی ہی سے ہے ۔ حضرت تنہاؔ جودھپوری سے تلمذ ہے ۔ استاد سے انہوں نے نہ صرف شاعری ہی میں استفادہ کیا ۔ بلکہ ان کی صحبت میں رہکر اخلاق ، ملنساری اور تواضع کے باب میں بھی بہت کچھ فیض اٹھایا ہے ۔

جب تک جودھپور میں رہے ادبی مشاغل کے ساتھ ساتھ سیاسیات میں بھی دلچسپی لیتے رہے۔ ایک طرف دارالادب بیدل کے جنرل سکریٹری تھے تو دوسری طرف مارواڑ مسلم لیگ کے اہم رکن تھے۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ۱۹۵۰ء میں رونق ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے اور حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور اب تک یہیں اقامت پذیر ہیں فطرۃً بہت ہی متواضع اور ملنسار واقع ہوئے ہیں۔ حلقۂ احباب بہت وسیع ہے۔ ان کی نشست گاہ پر اکثر شعرا و ادبا کا مجمع لگا رہتا ہے۔ ان کے احباب خاص نے ان کے نام پر "بزم رونق" قائم کی ہے جس کی وقتاً فوقتاً پر کیف اور ستھری نشستیں ہوتی رہتی ہیں۔

رونق نوجوان شعرا میں اچھا کہنے والے ہیں۔ جودھپور میں بھی مشاعروں کی رونق تھے اور یہاں بھی رونق بزم سخن ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں اپنے منتخب اشعار کا ایک چھوٹا سا گلدستہ "نغمۂ دل" کے نام سے چھپوا چکے ہیں جس کا تعارف جناب وقار صدیقی اجمیری نے لکھا ہے۔ اور اب منتخب غزلیات کا مجموعہ منتظر اشاعت ہے

کلام میں سلاست روانی اور صفائی و شستگی ہے۔ بندش چست اور الفاظ پر شکوہ استعمال کرنے میں اچھا ملکہ ہے۔ مشق سخن جاری رہی تو مستقبل تابناک ہے

اصناف سخن میں صرف غزل کی طرف ہی زیادہ رجحان ہے اور اسی صنف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام یہ ہے ؎

غزلیات

حیران ہوں اے غرور تجسس یہ کیا ہوا — میں خود ہی کھو گیا ہوں انہیں ڈھونڈتا ہوا
حسن کائنات وفا کی نگاہ میں — جب کچھ نہ ہو سکا تو ترا نقش پا ہوا

وہ دردِ مستقل کہ محبت کہیں جسے　　ہر اعتبار سے ہے مرا دل بنا ہوا
دامن پہ کیسے آتا ہے آنسو نہ پوچھئے　　تارا تو دیکھا ہوگا کوئی ٹوٹتا ہوا
رونق کچھ اس طرح کہ مجھے جانتا بھی ہے
یہ کون جا رہا ہے مجھے دیکھتا ہوا !

نہارِ عشق کے دامن کو داغدار نہ کر　　نظر سے چوم گلوں کو لبوں سے پیار نہ کر
بنا لے اپنا چمن زار خونِ حسرت سے　　قفس میں رہ کے بہاروں کا انتظار نہ کر
جو بخشتی ہے محبت کو اک سرورِ دوام　　تو اس نگاہ کو مستی سے ہوشیار نہ کر
تری حسین اداؤں کا واسطہ تجھکو　　مری نگاہ میں مجھکو گناہ گار نہ کر
ترا شباب سلامت ترے غرور کی خیر　　مرا مذاقِ طلب میرے دل پہ بار نہ کر
متاعِ عشق و محبت کی قدر کر رونق
جگر کے درد کو اشکوں سے آشکار نہ کر

ممنونِ التفات تغافل سے کر گئے　　ہم ان کی اس ادائے توجہ پہ مر گئے
گذرے کبھی جو کوچۂ جاناں کی سمت سے　　ٹھہرے ! نگاہِ یاس سے دیکھا گزر گئے
پہنچا کے ہمکو دیر و حرم کی حدود میں　　اے خاملانِ دیر و حرم تم کدھر گئے
شاید یہ راہ کوچۂ جاناں سے جا ملے　　جس سمت بھی گئے ہیں یہی سوچکر گئے
دل ہی مقامِ حسن ہے دل ہی مقامِ عشق　　اس ربطِ خاص سے تو کئی رخ نکھر گئے
رونق کے ماسوا نہ ملا اور کچھ ہمیں
شمعِ خیالِ دوست جلا کر جدھر گئے

اشک آنکھوں میں مسلسل ہی سہی　　کائناتِ دل میں ہلچل ہی سہی
جذبِ غم کی کوششِ پیہم تو ہے　　ضبط ! سعئ نامکمل ہی سہی
کر گیا مجھکو سکوں سے آشنا　　وہ تصور خواہ اک پل ہی سہی

ان کے ہاتھوں سے ملے بھی تو کہیں
مے نہیں زہرِ ہلاہل ہی سہی

شکریہ تیرے ستم کا شکریہ
عقدۂ مشکل کا یہ حل ہی سہی

زلف کے سائے کا بھی کچھ احترام
زندگی جہدِ مسلسل ہی سہی

رونقؔ اٹھیں گے اسی جانب قدم
کوچۂ محبوب مقتل ہی سہی

ملتفت جب تری ادا ہوگی
حالتِ دل نہ پوچھ کیا ہوگی!

عشق میں دل کی زندگی کے لئے
درد سے بڑھ کے کیا دوا ہوگی

اپنی حالت سے بے خبر ہوں میں
صورتِ عشق اور کیا ہوگی!

تو خیالِ وفا کو رہنے دے
بے وفا تجھ سے کیا وفا ہوگی

جس کو کہتے ہیں غیب کی آواز
نغمۂ دل کی وہ صدا ہوگی

دیکھنا فصلِ گل کے آنے تک
میری دیوانگی سوا ہوگی

حالِ دل تجھ سے کیا کہوں اے دوست
تجھ میں سننے کی تاب کیا ہوگی

عشق میں لب پہ جو ہنسی آئی
غم کی رونقؔ وہ انتہا ہوگی

تجلی کا تعلق ہے جہاں تک
ہمارے دل کی دنیا ہے وہاں تک

ہزاروں سجدہ گاہوں سے گزر کر
جبیں پہونچی ہے تیرے آستاں تک

بہ شرطِ زندگی افسانۂ غم
کوئی سنتا رہے میرے بیاں تک

بچھڑ کر رہ گیا ہوں کارواں سے
خبر پہونچا دے کوئی کارواں تک

تجلی روز تڑپاتی ہے دل کو
نظر کا امتحاں ہوگا کہاں تک

یہ کیسی آگ سینے میں لگا دی!!
کہ دل سے اٹھ نہیں سکتا دھواں تک

وہ رونقؔ کے علاوہ کون ہوگا
تصدق جس نے کردی اپنی جاں تک

ذرا بجلیوں سے چمن کو بچانا — کہ تعمیر کرتے ہیں ہم آشیانا
جسے ہم نے آرامِ جاں اپنا جانا — قفس بن گیا ہے وہی آشیانا
مرے ذوقِ سجدہ کو کب ہے گوارا — ترے نقشِ پا کو جبیں سے مٹانا
وہ عہدِ محبت کی ہیں یادگاریں — نہیں میرے لب پر جنہیں بھول جانا
سکوں لوٹتی ہیں خزاں سے زیادہ — بہاروں سے بھی اپنا دامن بچانا
مجھے یاد رکھنے کی صورت یہی ہے — میں جب یاد آؤں مجھے بھول جانا
محبت میں بڑھتی گئی راہِ منزل — ہوئے ہم جو منزل کی جانب روانا

اٹھی سازِ دل سے جو آوازِ رونق
وہی بن گئی لب پہ آ کر ترانا

چلے عمر بھر اور نہ پہونچے حرم تک — بڑے فاصلے تھے قدم سے قدم تک
تمنا میں جس کی تڑپتے ہیں آنسو! — وہ دامن بھی آئے مری چشمِ نم تک
یہ ذوقِ عبادت یہ پاسِ محبت — خدا تو خدا ہے نہ چھوڑے صنم تک
یہ اہلِ ہوس باوفا تو نہیں ہیں — ستم سہہ رہے ہیں امیدِ کرم تک

جنہیں نازِ عقدہ کشائی ہے رونق
وہ پہنچے نہیں اُن کی زلفوں کے خم تک

غمِ حیات مرے دل پہ اب گراں نہ رہا — تری طرح میں کسی سے بھی بدگماں نہ رہا
گذر چکا ہوں محبت کی آزمائش سے! — رہِ حیات میں اب کوئی امتحاں نہ رہا
نہ آہ لب پہ ہے اب اور نہ آنکھ میں آنسو — کوئی بھی سوزِ محبت کا ترجماں نہ رہا
مآلِ سجدہ نہ راس آ سکا محبت کو — سرِ نیاز رہا اور آستاں نہ رہا
ہر ایک ذہن پہ بے ساختہ ابھرتا ہے — وہ ایک لفظ جو عنوانِ داستاں نہ رہا
نہ احتیاطِ نظر ہے نہ دھڑکنیں دل کی — کوئی حجابِ تعلق ہی درمیاں نہ رہا

میں اک نگاہِ محبت سے جی اٹھا رونق
مری بہار کو اندیشۂ خزاں نہ رہا

کوئی کب تک رہے ہلاکِ نیاز — التفات اس طرف بھی بندہ نواز
جس نے بخشے ہیں دل کو سوز و گداز — اس نگاہِ حسیں کی عمر دراز
زخم ابھر آئے ہیں مرے دل کے — شکریہ مرہمِ نگاہِ ناز
راحتِ روح ڈھونڈنے والے — حسنِ دنیا کو کر نظر انداز
نغمہ زن کون ہے تصور میں — سن رہا ہوں سنی ہوئی آواز
دل کے نغموں کی زندگی کے لئے — ساز بجتا ہے یا شکستِ ساز
آدمی آدمی کا دشمن ہے — ہائے رے وقت کا نیا انداز

بھول سکتا نہیں کبھی رونق
ان کی نظروں کے دلنشیں انداز

چلا کون آیا یہ تنہائیوں میں — کہ طوفاں اٹھا دل کی گہرائیوں میں
کیا مجھکو وحشت نے سودائیوں میں — کمی تھی ابھی اور رسوائیوں میں
بہاروں سے کھیلا تصور میں تیرے — خزاؤں سے الجھا ہوں تنہائیوں میں
نظر ہو گئی بے نیازِ تجسس — تمہیں پا لیا دل کی گہرائیوں میں
خزاں جبکہ چھائی فضائے چمن پر — کمی آ گئی گل کی رعنائیوں میں
اٹھا فتنۂ حسن خوابِ حسیں سے — قیامت سمٹ آئی انگڑائیوں میں

مرے حالِ دل سے وہ واقف ہیں رونق
مگر مست ہیں جلوہ آرائیوں میں

پیدا مری آہوں میں شرارے نہیں ہوتے — روشن مری تقدیر کے تارے نہیں ہوتے
اے تیرنے والے تو کہیں ڈوب نہ جانا — دریائے محبت کے کنارے نہیں ہوتے

چہرے سے عیاں تھا ہیں جذبات محبت
مانا کہ نگاہوں سے اشارے نہیں ہوتے

کیوں قہر میں ڈوبی ہوئی ہیں اب وہ نگاہیں
وہ لطف وکرم کیوں مرے بیمار نہیں ہوتے

بیگانہ ہوئے جنکے لئے دیر و حرم سے
واللہ کہ وہ پھر بھی ہمارے نہیں ہوتے

کاٹے نہیں کٹتی کسی صورت شبِ فرقت
گننے کو اگرچہ رخ پہ تارے نہیں ہوتے

رد کی وہ مری بات پہ کس ناز سے بولے
جو چاہو کرو ہم تو تمہارے نہیں ہوتے

ہزاروں مرتبہ پہنچا ہوں میں ایک ایک منزل تک
مگر اک بار بھی قسمت نہ لائی ان کی محفل تک

جہانِ عشق پہ ہے بیخودی ہی بے خودی طاری
وہی گم کردہ منزل ہے یہاں پہنچا جو منزل تک

تلاش زندگی میں بارہا گزرے ہیں دیوانے
کبھی ساحل سے طوفاں تک کبھی طوفاں سے ساحل تک

ہزاروں حسرتیں تڑپیں تمنائے شہادت میں
رسائی کس قدر مشکل ہوئی مقتل میں قاتل تک

انہیں پرواہ نہیں کونین کے رنگین نظاروں کی
تیرے جلوؤں میں گم ہیں جو پہونچ کر تیری منزل تک

نہ یہ ہنگامہ ہوگا اور نہ یہ دلبستگی ہوگی ! !
ترے مقتل کی زینت ہے فقط اک رقص بسمل تک

بالآخر وہ سفینہ غرق ہو کر ہی رہا رونق !
جسے طوفاں نے پہونچایا ہزاروں بار ساحل تک

ریاضِ حسن سے بے اختیار گزری ہے
ہماری زیست برنگ بہار گزری ہے

وہی تو لذتِ کیفیتِ محبت تھی — جو تلخیٔ غمِ دوراں کو بار گزری ہے
نزی جفا کے قدم جس جگہ بھی پہونچے ہیں — مری وفا بھی اُدھر بار بار گزری ہے
ہر ایک لمحہ کٹا ایک زندگی بن کر — ٹھہر ٹھہر کے شبِ انتظار گزری ہے
یہ بیکسی ہے کہ اکثر نسیمِ کوچۂ دوست — مرے قریب سے بیگانہ وار گزری ہے

سرور و کیف کی دنیا میں کیوں نہ کھو جاؤں
نگاہِ شوق سے تصویرِ یار گزری ہے

آرزوئے حیات باقی ہے — رشتۂ کائنات باقی ہے
صبحِ مطلوب ابھی کہاں اے دوست — دن کے پردے میں رات باقی ہے
اعتبارِ غمِ محبت سے — اعتبارِ حیات باقی ہے
دل بدستور مضطرب ہے ابھی — کیا کوئی واردات باقی ہے
ہر ستم سہہ چکا زمانے کا! — آپ کا التفات باقی ہے
ان کو وعدہ شکن نہ کہہ اے دل — شمع روشن ہے رات باقی ہے

جاگ کر ہی گزار لیں رونق
اور تھوڑی سی رات باقی ہے

عجب نہیں کہ دلوں میں کسی بھی منزل پر — قریب رہتے ہوئے فاصلے نکل آئیں

تلاطم نے جنہیں چاہا ڈبونا! — کنارے آ گئیں وہ کشتیاں بھی

شبِ غم کی بھیانک تیرگی میں — ابھی کچھ رنگ آثارِ سحر ہے

عادتاً شکوۂ تقدیر کیا کرتا ہوں — میری تقدیر مری راہ میں حائل تو نہیں
ایک تصویرِ تحیر ہے یہ دنیا رونق — کوئی جلوہ مری نظروں کے مقابل تو نہیں

شمارِ بخشش بے حد تو ہو نہیں سکتا — مرے گناہوں کا لیکن شمار ممکن ہے

تم پڑے چین سے سوتے ہو نشیمن والو — بجلیاں تاک میں ہیں تم کو خبر ہے کہ نہیں

ساقی تری آنکھوں کی مستی کو خدا رکھے
کچھ اور پلا دینا جب ہوش میں آئیں ہم

کتنا حسین کر دیا میری نگاہ میں
عالمِ تصورات کا تصویرِ یار نے

اک مصور کا کسی فکر میں گم ہو جانا
حسنِ تخلیق کی توقیر بڑھا دیتا ہے

فضائے حسن کی سرگرمیٔ جذب و کشش دیکھو
میں ٹھکرا گیا اور دل نہ آیا اُنکی محفل سے

قفس کی سختیاں جنکے لئے اٹھائی تھیں
تصورات کے نقشے وہ آشیاں میں نہیں

وہ لوگ پھولوں پہ کیوں اپنا حق سمجھتے ہیں
جنہیں چمن کی بہاروں کا کچھ خیال نہیں

کسی کو میرے نقوشِ قدم سبق دینگے
کسی کے کام ہی آئیگی میری رسوائی

کچھ ایسے نقش چھوڑے ہیں زمانے کے حوادث نے
بھلانا چاہتا ہوں دل سے لیکن یاد آتے ہیں

شکر ہے آپ کے بلانے کا
شکر ہے یاد آ گئے ہم بھی

خطا معاف! میں ناکامِ آرزو ہی سہی
ضمیرِ عشق کا دامن تو داغدار نہیں

زیرِ دیوارِ یار رہ کر بھی
سایۂ یار کو ترستا ہوں

جب غمِ عشق تڑپنے میں مزا دیتا ہے
دل کا ہر زخم تجھے دل سے دعا دیتا ہے

دلوں کا خون تو جائز ہے تیرے مشرب میں
ہمیں شراب بھی غم کے لئے حلال نہیں

عجیب دور ہے رنگِ بہار کا رونق
کہ چند پھول بھی دامانِ باغباں میں نہیں

کوئی موسیٰ نظر نہیں آتا
کتنی ویران ہے وادیٔ ایمن

پسِ ترکِ تعلق زندگی ہے موت سے بدتر
خدا جانے یہ غم کیونکر گوارا کر لیا میں نے

بچتے بچتے بھی نگاہوں کے طفیل
ایک آفت ناگہانی آ گئی

اتفاقاً جب بھی دیکھا ہے انہیں
آرزوؤں پر جوانی آ گئی

سازشِ تیرگی سے کیا ہو گا
وقت پر آفتاب نکلے گا

ہماری آنکھ میں رونق جو سرخ ڈورے ہیں
یہ کیفِ حسن ہے کیفیتِ شراب نہیں

سیرِ چمن نہ ہو سکی رونق ہمیں سے کچھ
اذنِ نشاط دل تو دیا تھا بہار نے

ضمیمہ

محمد شرف الدین یکتا

مولف کتاب

محمد شرف الدین نام۔ یکتا تخلص ، والد ماجد الحاج مولانا حلیم الدین[1]
ممتاز شرفائے جودھپور میں ہوتا ہے۔ ولادت ۱۰ دسمبر ۱۹۰۷ء مطابق یکم
۱۳۲۵ھ سہ شنبہ کو جودھپور میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے پر مولانا سید حسن

۱۔ حلیم الدین ابن شیخ جمال الدین ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ / جنوری ۱۸۸۷ء
میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم مولانا شاہ محمد اسحاق نقشبندی مجددی رح کے
مدرسہ اسلامیہ میں حاصل کی۔ اساتذہ مولانا ممدوح خود اور ان کے تلمیذ رشید مولا
بلند شہری تھے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق رح سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ
بیعت حاصل ہے مولانا قاضی کبیر احمد کبیر ان کے ہم مکتب و ہمدرس تھے۔ تین مرتبہ
کی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔ اچھی عالمانہ صلاحیت کے مالک ہیں فقر میں اچھ
ہے۔ قیام جودھپور میں متعدد قومی انجمنوں سے وابستہ رہے۔ انجمن اسلامیہ جودھ
صدر رہے۔ دوسری جنگ عظیم میں ریاست نے ایک وار کمیٹی تشکیل دی تھی اس کے
۱۹۳۹ء میں محلہ کی مسجد میں ایک مبینہ قابل اعتراض تقریر کرنے کے الزام میں سیفٹی
کے تحت گرفتار کئے گئے۔ چھ ماہ کے بعد رہائی ہوئی۔ اوائل ۱۹۵۰ء میں ہجرت

کے پاس رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ بعد از ان چندے قبلہ والد ماجد سے اور پھر مولانا سید عبداللطیف سے قرآن مجید پڑھا۔ غالباً ۱۹۱۶ء میں طاعون کی عالمگیر وبا پھیلی جودھپور بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ لہٰذا ہمارا گھر پھر اجمیر چلا گیا۔ وہاں سکون تھا۔ جب تک وبا کا زور رہا وہیں رہے۔ جب حالات درست ہو گئے واپس جودھپور چلے آئے اس کے بعد مولانا سید محمد ابوالحسن شرقی کے پاس پڑھنا شروع کیا اور اردو کی ابتدائی درسی کتابیں انھیں سے پڑھیں۔ یہ مولانا شرقی کے عہد حیات کے آخری ایام تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت بیدل بدایونی کے حلقہ درس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا اور ان سے تکمیل ادب اردو۔ فارسی کی ابتداءً والد ماجد کے منشاء کے مطابق علوم مشرقی کی طرف رجحان رہا جس کی وجہ سے انگریزی کا درس بھی بے ترتیبی سے مولانا بیدل کے کے پاس ہوتا رہا۔ مگر ۱۹۲۴ء میں والد کے ارادے میں اچانک تبدیلی واقع ہوئی اور مجھے تحصیل انگریزی کے لئے سر پرتاپ ہائی اسکول جودھپور میں داخل کرا دیا ۱۹۲۷ء میں امتحان میٹرک پاس کیا اور اسی سال ماہ اکتوبر میں محکمۂ عالیہ خاص میں بحیثیت کلرک ملازمت مل گئی جس کے ساتھ تا قیام پاکستان وابستہ رہا۔

۱۹۲۹ء میں شادی ہوئی اور متاہل زندگی کی پابندیوں میں جکڑ دیا گیا۔

علوم عربیہ کی تحصیل مولانا سید لطیف شاہ مدظلہٗ نبیرہ سید حسن شاہ سے کی۔ صرف و نحو۔ منطق، ترجمۃ القرآن اور حدیث میں اربعین امام نووی پڑھی۔ فقہ کی تعلیم والد ماجد کی توجہ کی مرہون منت ہے جنہوں نے مالا بد منہ (فارسی) اور چند دیگر کتابیں پڑھائیں۔

جہاں تک فن سخن کا تعلق ہے۔ یہ شوق حضرت شرقی ہی کے دور درس و تدریس

بقیہ حاشیہ صـ۳۵۱ ۔ پاکستان آگئے اور اب حیدرآباد سندھ میں قیام پذیر ہیں۔ تمام عمر تجارت مشغلہ رہا۔ اب گوشہ نشین ہیں۔

میں پیدا ہو گیا تھا جو بعد کو حضرت بیدل کے فیضِ صحبت سے ترقی کر گیا۔ سب سے پہلی غزل ۱۹۲۳ء میں کہی تھی جو مرزا غالب کی زمین میں تھی۔ اس کے صرف تین شعر یاد رہ گئے ہیں ؎

یوں تو کہنے کو ہے اپنا اک زمانا آشنا — بیکسی کے وقت کا کوئی نہ دیکھا آشنا
جذبۂ الفت ہمارا رنگ لائے گا کبھی — آشنا ہو گا کبھی تو وہ بتِ ناآشنا
کیا نہیں تجھکو وفائے عاشقِ یکتا کا پاس — کیوں ہیں یہ پیہم جفائیں او وفا نا آشنا

جودھپور کے قریب قریب تمام علمی و ادبی اداروں سے منسلک رہا۔ ۱۹۲۷ء میں ہم نے اپنے ہمدم دیرینہ منشی عبدالباری تنہا کے اشتراک و تعاون سے ایک انجمن "بزم ادب" کے نام سے قائم کی تھی جس میں وقتاً فوقتاً ادبی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور مقالے پڑھے جاتے تھے۔ یہی انجمن بعد کو ایک بڑا مذہبی ادارہ بن گئی اور انجمن اسلامیہ کے نام سے موسوم کی جانے لگی۔ جس کے شعبۂ بیت المال کا میں ایک عرصہ تک ناظم رہا۔

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد مئی ۱۹۵۰ء کے آخری ہفتہ میں ہم سب اہلِ خاندان ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور حیدرآباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ والد پہلے ہی یہاں آ چکے تھے۔ میں چند ماہ سیکرٹ ملازمت (پی۔ ڈبلیو۔ ڈی) میں خانپور میں رہا اور اب نومبر ۱۹۵۲ء سے حیدرآباد میں ہوں اور حیاتِ مستعار کے بقیہ ایام اپنے اہل و عیال کے ساتھ گزار رہا ہوں۔ برادرانِ خورد میں ایک بھائی محمد فخرالدین سب جج کے عہدہ پر فائز ہیں اور دوسرے محمد نصیرالدین راولپنڈی میں مرکزی وزارتِ داخلہ کے پرائیویٹ سکریٹری ہیں۔

نظم کے علاوہ نثر نگاری کا بھی شغل رہا ہے اور نظم و نثر دونوں میں تصنیفات

لے جائزہ زبانِ اردو شائع کردہ انجمن ترقی اردو میں بھی مولف کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

موجود ہیں۔ مطبوعہ بھی اور غیر مطبوعہ بھی۔ چند کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ نائلہ دیوی } یہ تاریخی ناول ہیں جو سنہ ۱۹۳۳ء اور سنہ ۱۹۳۵ء میں
۲۔ فتح سندھ } علی الترتیب زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔

۳۔ بیت المال:۔ یہ مختصر مقالہ ہے جسمیں بیت المال کی تاریخ اور اسکی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ دوران رکنیت انجمن اسلامیہ جودھپور میں بحیثیت ناظم بیت المال لکھا گیا۔ سال طبع سنہ ۱۹۳۶ء۔

۴۔ باقیات الصالحات۔ جودھپور کی وقف عمارتوں کے حالات۔ سال طبع ۱۹۳۷ء۔

۵۔ یادگار شرقی:۔ مولانا سید ابوالحسن شرقی جودھپوری کے کلام کا مجموعہ طبع سنہ ۱۹۴۰ء

۶۔ کلیات یکتا:۔ غیر مطبوعہ

۷۔ اربعین فقیہہ ابواللیث سمرقندی مع ترجمہ و حالات مولف غیر مطبوعہ

۸۔ ملاء اعلیٰ میں ایک مشاعرہ:۔ ایک تخیلی مشاعرہ جس میں میر تقی سے لیکر آج تک کے شعرا کی ہم طرح غزلیں پیش کی گئی ہیں۔ غیر مطبوعہ

۹۔ تلامذۂ داغ (زیر ترتیب)

نمونۂ کلام

دعا

تجلی حسن فطرت کی مرے دل پر عیاں کر دے | کہ جسکی ضو فشانی عین حق کا راز داں کر دے
یہ مانا ہے آلودہ عصیاں جبیں میری | جو تو چاہے تو اک سجدہ زمیں کو آسماں کر دے

ثنائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

من چہ گویم از ثنائے مصطفےٰ | ضو فگن ہر سو ضیائے مصطفےٰ!

خاک پائش سرمۂ عینین خلق   نقشِ ہستی نقشِ پائے مصطفیٰ!
وہ، دنیٰ مسند مکین لامکاں   تا جہا گویم زجائے مصطفیٰ!
فارغ از نفسی کلیم اُمتی   صد دل و جانم فدائے مصطفیٰ!
نیکواں را داورِ محشر کفیل   عاصیاں زیرِ ردائے مصطفیٰ!
در جہاں کفر کردہ انقلاب   غلغلہ افگن صدائے مصطفیٰ!
افتراق قوم کار بولہب   اتحادِ وشش مدعائے مصطفیٰ!

اے مسلماں اے رہینِ بغض و کیں
ناز باید برچنیں سالارِ دیں!

اے اسیر خوب و زشتِ کائنات   آ بتاؤں تجھکو اسرار حیات
آ سناؤں واقعہ اک معتبر   جس میں مضمر ہیں نبوت کے صفات
جس میں پنہاں ہے اخوت کا پیام   جس نے توڑے بغض کے لات و منات
ایک دن سردار دیں شاہِ ہدیٰ   مقصد ایجاد عالم جن کی ذات

بزم اصحابہ میں تھے رونق گزیں
جس طرح تاروں میں ہو ماہ مبیں

تھی مہم احزابیہ کی پیشِ نظر   تا کہ دنیا سے مٹے باطل کا شر
چند اصحابہ کو بھیجا آپ نے   جانب قوم قریظہ خیرہ سر
اور فرمایا پڑھیں جا کر نماز   جلد اپنی منزل مقصود پر
وہ گروہ با صفا نیکو شعار   ہو گیا آخر کو راہی سفر
راستہ ہی میں ہو گیا وقت نماز   منزل اب تک دور تھی ان کی مگر
بعض نے کرلی نماز اپنی ادا   جو بنائے اسلام کی ہے سربسر
مقصدِ حضرت نہ تھا ترک صلوٰۃ   حکم تھا منزل پہ پہونچیں جلد تر

بعض کو لیکن تھا اس سے اختلاف — چونکہ یہ تھا حکم شاہ بحر و بر
کہ پڑھیں منزل ہی پہ جاکر نماز — خواہ ہو جائے قضا ہی وہ اگر

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کر چکے جب وقت پورا اپنا کام — خدمتِ اقدس میں لوٹے وہ تمام
اختلاف اپنا کیا سب نے بیاں — پیش محبوب خدائے ذوالکرام
تاکہ یہ سرِ نہاں ہو آشکار — جادہ حق پر تھا ان میں کن کا گام
بولے حضرت حق پہ تھے دونوں فریق — سب کی نیت خیر پر تھی لا کلام"
اے رسولِ ہاشمی تجھ پر درود — تجھ سے قائم قوم و ملت کا نظام

"تو برائے وصل کردن آمدی"
"نے برائے فصل کردن آمدی"

نعت

تضمین بر اشعار عرفی

اے حسن تو شان آفرینش — اے عشق تو مان آفرینش
اے از تو جہان آفرینش — اے مہر تو جان آفرینش

نعت تو زبان آفرینش

اے محسن خلق جان جاناں — ہادی جمیع جن و انساں
اکرام تو فیض بخش دوراں — لطف تو چمن طراز امکاں

چشم تو خزان آفرینش

اے ناز درخشش عالم کون — قائم ز تو نقش عالم کون
تو زینت فرش عالم کون — جودت ہمہ بخشش عالم کون

علمت همه دان آفرینش

اے کفش تو زیب عرش اعظم — مسجود ملائک از تو آدم

تو باعث فخر دین و آں ہم — در جنب تعینت دو عالم

پہان و فسلاں آفرینش

نو کان سخا و جان رحمت — گنگ است زبان بوصف جودت

بشکستہ قلم بمدح سفت — در ضمن شمردن عطایت

افلاج بنان آفرینش

شاہا کہ بلند آستانت — ہر چند کہ خلق مدح خوانت

قاہر ہمہ اند در بیا شت — اندیشۂ احتمال شانت

ذالنسوائے گمان آفرینش

حقا کہ محامد تو بے حد! — جن دلبشر و ملک چہ سنجد

مداح خدا و تو محمّد — شمسیر کمال تو نیاید

محتاج فسان آفرینش

شد ذات تو چہ خلق کونین — تنویر جمال ناز دارین!

خاک قدم تو سرمۂ عین — نعلین تو تاج قاب قوسین

تمکین تو شان آفرینش

شد حالت امت تو ابتر — شمشیر جفا کشیدہ بر سر

کن فتنۂ کفر را فرو تر — در بازوے قوت تو مضمر

صد زور کمان آفرینش

ہر سمت بہ خلق فتنہ برپاست — باز آ بہ جہاں کہ ظلم پیداست

فریاد کہ شرک کار فرماست — برخیز کہ شور کفر برخاست

اے فتنہ نشاں ۲ فرمش

گل و خار

کہا اک پھول نے کانٹے سے اک دن — کہ میں ہوں رونق گلزار دوراں
ہے قائم مجھ سے زینت بوستاں کی — مرے دم سے گلستاں ہے گلستاں
عیاں ہے مجھ سے فطرت کا تبسم — کسی کا ہوں میں رخسار درخشاں
صبا مجھ کو افق تابی سے پہلے — جگاتی ہے پکڑ کر میرا داماں
ذرا سا لیکے کچھ شبنم سے پانی — دھلاتی ہے مرا منہ صبح خنداں
پری رو کرتے ہیں نظارہ میرا — ہوں میں ہی سجدہ گاہ ماہرویاں
ہو خالی مجھ سے گر یہ باغ ہستی — تو ہو صبح چمن شام غریباں
مگر او بے خبر کم مایہ کانٹے — تری ہستی بھی کچھ ہستی ہے ناداں
نہ تجھ میں حسن کی ادا جھلک ہے — نہ تجھ میں دلکشی کا کوئی ساماں
حسینوں کی نظر بچتی ہے تجھ سے — ترے دیدار میں وحشت ہے پنہاں
تری منحوس صورت داغ ہے اک — برائے صفحہ رنگین لبستاں !
غرض یہ ہے کہ تو بار چمن ہے — نہ ہوتا تیرا تھا گلشن پہ احساں
تو ہی کہدے خوبی تجھ میں کیا ہے — کہ ہے جسکی بنا پر اتنا نازاں
سنی جب خار نے یہ گل کی باتیں — ہنسی لب پر ہوئی اس کے نمایاں
کہی پس پھول سے یہ ایک ہی بات — بہ پیری می رسد خار بیاباں

ولے گل چوں جواں گردد بمیرد

ایک پنہاری

لیلائے شب ہے رخصت آمد ہوئی سحر کی — ہونے لگیں اذانیں آئی صدا گجر کی
بے نور ہیں ستارے رنگ قمر ہے پھیکا — وقت آگیا ہے بزم گردوں کی برہمی کا

ہے مہر خاوری کا ہونے کو دور دورہ   نورِ سہانے ہر سو پھیلا دیا اُجالا
وحدت کا راگ طائر ہر سمت گا رہے ہیں   زہاد بہر طاعت مسجد کو جا رہے ہیں
ناقوس کی صدائیں مندر سے آ رہی ہیں   دوشیزگانِ کافر پوجا کو جا رہی ہیں

جلوے ترے عیاں ہیں اے کارسازِ ہستی
تیری ہی نازکش ہے بزمِ بنائے ہستی

یہ پر فضا سماں اور اک نوجوان لڑکی   نازک بدن پری رخ حسن و ادا کی دیوی
عشاق کے دلوں پر بجلی گرانے والی   شیدائیوں کو اپنے مضطر بنانے والی
دشمن سکونِ دل کی غارت گرِ تحمل   عالم کو کرنے والی پامال صد تغافل
فتنہ خرامیوں سے محشر اٹھا رہی ہے   سر پر گھڑا دھرا ہے تالاب جا رہی ہے
زلفِ دوتا بکھر کر شانوں پہ آ گئی ہے   گھنگھور اک گھٹا سی گویا کہ چھا رہی ہے
شرم و حیا کے دریا آنکھوں میں موجزن ہیں   انداز سادگی میں لاکھوں ہی بانکپن ہیں
بازو کھلے ہوئے ہیں سینہ کھلا ہوا ہے   عریانیوں پہ حسنِ فطرت تلا ہوا ہے
صد رشکِ گل وہ عارض عشوے وہ پیارے پیارے   قامت وہ سروِ موزوں وہ وضعِ خاکساری
صلِ علیٰ زباں پر جاری ہے برگ و بر کی   آنکھیں جھکی ہوئی ہیں دوشیزہ سحر کی
شوق و امید و حسرت گرد اسکے گھومتے ہیں   ٹھنڈی ہوا کے جھونکے رخسار چومتے ہیں

اس شان سے سڑک پر اٹھلا کے چل رہی ہے
ہر گام پر ہزاروں ارماں کچل رہی ہے

اے جانِ دلربائی ناز آفریں حسینہ   اے پیکرِ نزاکت اے مہ جبیں حسینہ
صانع نے تیری صورت کیا دلنشیں بنائی   ہر عضو سے ظاہر اک شانِ کبریائی
آنکھیں ہیں تیری گویا ہیں لبریز جامِ الفت   دیتی ہیں اہلِ دل کو پیہم پیامِ الفت
حسن آفرینیوں کا تو اک مجسمہ ہے   یا خود جمالِ فطرت سانچے میں ڈھل گیا ہے

کیا جانیں کیسی ہونگی کیفیتیں وہاں کی　　تو شمع انجمن ہو جس بزم دلستاں کی
حسن ادا کا صدقہ ہو اک نظر ادھر بھی　　چشم کرم ادھر بھی اے بے خبر ادھر بھی
کاشانۂ حزیں میں اے کاش تو جو آئے　　ویراں کدے کو میرے رشک جناں بنائے
مقصد بر آئے قلب پر شوق آرزو کا　　انگڑائی لیکے اٹھے سوتی ہوئی تمنا

ہر آن محو دید صناعیٔ خدا ہوں
تو سامنے کھڑی ہو میں تجھکو دیکھتا ہوں

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل

(تضمین بر قطعہ غالبؔ)

اے میکشان میکدۂ دلکشائے دل　　اے طالبان عشرت عبرت سرائے دل
اے رہروان جادۂ راحت فزائے دل　　اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

گر دل میں جوششان زمانہ کی چاہ ہو　　ارمان و شوق لذت شام و پگاہ ہو
زنہار تم کو کچھ ہوس حب جاہ ہو　　دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

وہ راحتیں شباب کی وہ کیف زندگی　　سرگرمیاں وہ محفل عیش و نشاط کی
دیکھا جو غور سے تو حقیقت یہی کھلی　　ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

تھی غیرت بہار چمن محفل نشاط　　تھا دلفریب حسن و محبت کا ارتباط
میں کیا بتاؤں کیفیت دور انبساط　　یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
دامان باغبان و کف گلفروش ہے

وہ قہقہائے مینا وہ دلکش نوائے چنگ　　الحان مطربان حسیں نغمہ ہائے چنگ

آواز جام و بانگ مسرت فزائے چنگ — لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

بزم طرب کی کیفیتیں آہ کیا کہیں — چھائی ہوئی تھیں باغِ جناں کی مسرتیں
یا شب کو تھیں یہ حسن و ادا کی نمائشیں — یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

عبرت کا ہے مقام یہ محفل کی برہمی — ساقی کی دلبری ہے نہ ساغر کی دلکشی
سب رفتہ رفتہ مٹ گئے آثار زندگی — داغِ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

غزلیات :-

سکونِ یاس اگر یوں نہ بے زباں ہوتا — قدم قدم پہ فسانہ مرا بیاں ہوتا
ترا قدم جو نہ صیاد درمیاں ہوتا — قفس قفس ہی نہ ہوتا نہ آشیاں ہوتا
یہ ایں نمط مری الفت کا امتحاں ہوتا — یہ میرا سر وہ ترا سنگ آستاں ہوتا
اُجڑ ہی کونسی جاتی یہ کارگاہِ حیات — مرا وجود نہ گر زیر آسماں ہوتا
صد آفریں یہ ایں اعجاز لغزش آدم — یہ کائنات کا ہنگامہ پھر کہاں ہوتا
یہاں تو رنج و الم ہیں اداس بیٹھے ہیں — یہ اور بات ہے تو آکے شادماں ہوتا
فسانۂ غمِ الفت تو عام قصہ ہے — ہمارا نام ہی کیوں زیبِ داستاں ہوتا
غرورِ حسن اگر رخصتِ بیاں دیتا — ہر اک لفظ تمنا کی داستاں ہوتا
تباہ کر دیا احساس نیک و بد نے مجھے — میں غمزدہ ہی نہ ہوتا نہ شادماں ہوتا
فسانۂ دل یکتا تھا بے کہا قصہ
اگر نہ اس پہ ترا لطف بیکراں ہوتا

پوچھتے کیا ہو رفعتیں میرے سرِ نیاز کی — ناصیہ سائی ہے نصیب ان کے حریمِ ناز کی

مثلِ کلیم غش ہوا ہوش و حواس گم ہوئے — ایک جھلک جو دیکھ لی حسنِ نظر نواز کی
ماہ وشوں کی تابشیں پر تو حسنِ یار ہیں — کھل گئیں سب حقیقتیں آئینۂ مجاز کی
کیا کہوں وصل کا سماں نظریں بہم تھیں ترجماں — پردۂ راز ہیں رہی بات نہ پھوٹی راز کی
دل وہ کہاں کہ سہہ سکیں حملہ بے پناہ حسن — کس سے کہوں حقیقتیں پردہ سرائے ناز کی

عصمتِ حسن کی قسم جذبۂ شوق لوٹ چل
ہو نہ کہیں دوئی شریک وحدتِ خوابِ ناز کی

دامن چھوٹے نہ ہاتھ سے صبر و قرار کا — پھر سامنا ہے اس نگہ فتنہ کار کا
کیا حال میں کہوں دلِ زار و نزار کا — کشتہ ہے اک حوادثِ لیل و نہار کا
یاد آ رہی ہیں عہدِ گزشتہ کی صحبتیں — میں لطف لے رہا ہوں خزاں میں بہار کا
یہ تو نہیں کہ وعدۂ فردا وفا نہ ہو — کیا اعتبار زندگیٔ مستعار کا
افسانہ کہہ رہی ہیں نگاہیں یہ شرمگیں — کب چھپ سکیگا رازِ شبِ یادگار کا
رنج و الم سے اب تو مجھے ہو چلا ہے اُنس — احسان مند ہوں الم روزگار کا
صیاد کیا سناؤں میں روداد آشیاں — مجھ سے کہا نہ جائیگا قصّہ بہار کا
تھرّا رہا ہے اشکِ ندامت مژہ پر — سرمایہ ہے یہی نگہ شرمسار کا
تنہائیوں میں بیٹھ کے کرتا ہوں تجھ کو یاد — یوں ختم کر رہا ہوں زمانہ بہار کا

یکتاؔ جو آج بزمِ سخن میں ہے باریاب
یہ سب ہے فیض بیدلِ عالی وقار کا

بتاؤں کیا ترے جلوؤں میں کیا کیا دیکھ لیتا ہوں
خدا کی شان قدرت کا کرشمہ دیکھ لیتا ہوں
ادائیں عشق کی جب کارفرمائی پہ مائل ہوں
جلالِ حسن برہم کا تماشا دیکھ لیتا ہوں

امید سجدہ ریزی قلب میں بیدار ہوتی ہے
کسی کا جس گھڑی نقش کف پا دیکھ لیتا ہوں

کمال تشنگی تسکین فزائے تشنہ کامی ہے
سراب زندگی میں موج دریا دیکھ لیتا ہوں

نظر آتے ہیں حسن بیت میں جلوئے حسن فطرت کے
وہی کہتا ہوں ان آنکھوں سے جیسا دیکھ لیتا ہوں

مری وحشت نہیں منت کش آوارگی یکتا
میں اپنے گوشۂ عزلت میں صحرا دیکھ لیتا ہوں

نیرنگی قدرت ہے کعبہ ہے نہ بت خانہ
بس اتنی حقیقت ہے باقی ہے سب افسانہ

اے شمع ادھورا تھا یہ سوز کا افسانہ
تکمیل محبت ہے قسمت پروانہ

گر ذوق نظر ہے تو ویرانہ ہے آبادی
محروم بصیرت کو آبادی بھی ویرانہ

تسلیم کی خو ہے تو بیگانہ بھی اپنا ہے
ہٹ دھرمی بناتی ہے اپنے کو بھی بیگانہ

آ شیخ حرم دل میں تعمیر حرم کر لیں
کعبہ وہی ہوتا ہے جو پہلے ہو بت خانہ

تم سن کے کروگے کیا روداد دل مضطر
ایک غم کی کہانی ہے اک درد کا افسانہ

فریب زہد و ورع کامیاب ہو نہ سکا
ترا خراب محبت خراب ہو نہ سکا

شب شباب، وصال حبیب، ساغر مے
میں اب کہوں بھی تو کیا اجتناب ہو نہ سکا

اٹھا کے ہاتھ سے نقاش نے قلم رکھدی
تمہارے حسن کا کوئی جواب ہو نہ سکا

وہ ہائے ان کی نگاہ عتاب آلودہ
میں روبرو جو ہوا پھر عتاب ہو نہ سکا

کہو کہو بھی تمہیں حسن خود نما کی قسم
حجاب کر نہ سکے یا حجاب ہو نہ سکا

خطا معاف نظر کا مری قصور نہیں
تمہارا حسن ہی زیر نقاب ہو نہ سکا

تمہاری آنکھوں میں نقصاں جبینِ موجِ شراب
وہ بدنصیب، جو غرقِ شراب ہو نہ سکا

اثرِ آہِ رسا کا کیا بتاؤں میں کہاں تک ہے — سکونِ عالمِ امکاں مرے ضبطِ فغاں تک ہے
فضائے میکدہ کی دلکشی پیرِ مغاں تک ہے — چمن کی دلربائی التفاتِ باغباں تک ہے
پرے ہے سرحدِ ادراک سے منزل حقیقت کی — رسائی عقلِ انساں کی فقط طرحِ گماں تک ہے
عطا ہے جس قدر تیری ہے اتنی ہی طلب میری — مرے دامن کی وسعت تیرے فضلِ بیکراں تک ہے
قدم تھرا رہے ہیں اور منزل بے نشاں اب تک — بتا اے وحشتِ دل یہ سفر اپنا کہاں تک ہے
یہ تقویٰ ہے جبھی تک جلوۂ ساقی نہیں دیکھا — یہ زہد و اتقا دورِ شرابِ ارغواں تک ہے

وہی جلوہ ہے جو ہے رونقِ دیر و حرم یکتا
یہ جنگِ کفر و ایماں فرقِ ناقوس و اذاں تک ہے

میرے تصورات میں کوئی ترے سوا نہیں — یعنی وجودِ غیر کا درخورِ اعتنا نہیں
تو بھی وجودِ لازوال میں بھی متاعِ لازوال — تیری بھی انتہا نہیں میری بھی انتہا نہیں
تو نے ہی تو مجھے عطا کی ہے سرشت سربلند — میری جبیں ابھی ذرا سی، دل سے آشنا نہیں
گردشِ روزگار کی اف رے نگاہِ پرغضب — دیکھ رہی ہے اس طرح جیسے مرا خدا نہیں
ہو ہی چکا تھا منتشر ورنہ نظامِ کائنات — یہ بھی خدا کا شکر ہے نالے مرے رسا نہیں
عالمِ یاس میں تو ہی مرکزِ التفات ہے — تیرا ہی آسرا ہے اب دوسرا آسرا نہیں

پوچھ رہے ہیں مجھ سے اب، دل کا وہ میرے مدعا
اس دلِ نامراد میں جب کوئی مدعا نہیں

اے اشک نہ کر افشا یہ رازِ محبت ہے — تھم تھم ترا ہر قطرہ غمّازِ محبت ہے
وہ پردۂ محمل میں جنبش سی ہوئی پیدا — مجنوں کی نگاہوں میں اعجازِ محبت ہے
چھیڑو نہ اسے پیہم مضرابِ الم سے تم — ٹوٹے نہ کہیں دیکھو دل سازِ محبت ہے

جب شوق کی یہ نظریں پہونچیں رخ زیبا تک　　بگڑے وہیں وہ تیور یہ ناز محبت ہے

آہوں میں گذاری عمر پہونچی دم آخر بھی
وہ سوز محبت تھا یہ ساز محبت ہے

گلستاں میں مگر آمد ہے پھر فصل بہاراں کی　　ہوا میں اڑ رہی ہیں دھجیاں میرے گریباں کی
ادب آموز یاں ہیں یہ جنون فتنہ ساماں کی　　بلائیں لیں گریباں نے مرے خود جھک کے داماں کی
کرامت ہے یہ سب تیری نواز شہائے پنہاں کی　　رہی حد و نہایت کچھ نہ میرے جرم و عصیاں کی
مزا تنہائی میں تھا اسے خدا سننے سنانے کا　　کہوں کیا شور محشر میں کہانی یاس و حرماں کی
وہی تم ہو کہ اب تم موجب خون تمنا ہو　　وہی تم تھے کہ شمع آرزو دل میں فروزاں کی
نگاہیں پھیر لو دامن شکیبائی کا چھٹتا ہے　　ہوئی جاتی ہے رسوائی مرے جذبات پنہاں کی
ہماری زندگی کیا ہے فریب حسرت و ارماں　　ہماری موت کیا ہے کروٹ اک اندوہ و حرماں کی
جسے کہتے ہیں دنیا خواب ہے رنج و تمنا کا　　قیامت کیا ہے اک تعبیر اس خواب پریشاں کی
نہ پوچھ اس مرنے والے کی نگاہ یاس کا عالم　　دم آخر بندھے امید جسکو وصل جاناں کی

نگاہیں اٹھنے والی ہیں سنبھلنا حضرت یکتاؔ
پیام موت سے کیا کم ہے جنبش ان کے مژگاں کی

بہاریں بارہا دیکھی ہیں زیر آسماں میں نے　　ہزاروں بار اڑائیں دامنوں کی دھجیاں میں نے
خزاں ہے درپئے بربادی گلشن تو کیا غم ہے　　بہت دیکھے ہیں ایسے انقلاب گلستاں میں نے
زمین و آسماں عاجز ہے جس کے اٹھانے سے　　مری ہمت اٹھایا سر پہ وہ بار گراں میں نے
کسے معلوم تھا بجلی گریگی ایک دن اسپر　　بنایا تھا اسی دن کیلئے کیا آشیاں میں نے
وفور بیخودی شوق میں ہر آستانے پر　　کئے سجدے سمجھکر تیرا سنگ آستاں میں نے

سلجھ سکتی ہیں سلجھاؤں گا اور سلجھائی ہیں یکتاؔ
جنوں کے دور میں عقل و خرد گتھیاں میں نے

جلوۂ صبح و حسن شام کہاں — اب نظاروں کا وہ نظام کہاں
کیف یارانِ میکدہ تک تھا — اب وہ مینا کہاں وہ جام کہاں
صبح پیری کے ہیں عیاں آثار — وہ جوانی کی شب وہ شام کہاں
ہوگئے سرد دل کے ہنگامے — آرزوؤں کا اژدہام کہاں
موت اک درمیاں کی منزل ہے — یہ کہانی ابھی تمام کہاں
ہوگی موسیٰ وہ اور ہی آواز — حسن خاموش ہے کلام کہاں
دیر و کعبہ کی عظمتیں تسلیم ! — تیرے در کا سا اہتمام کہاں

نظر لطف ان کی ہے یکتا
تم کہاں اور یہ مقام کہاں

ترے عشوں کے آگے طاقت ضبطِ فغاں رکھدی
متاعِ عقل و دیں رکھدی بساطِ جسم و جاں رکھدی
جھکا کر اپنی گردن زیر تیغ خونفشاں رکھدی
مکمل کرکے یوں عشق وفا کی داستاں رکھدی
بڑھایا اسقدر بربادیوں نے ذوق بربادی
گری بجلی وہیں ہم نے بنائے آشیاں رکھدی
اداسی چھاگئی رُخ پر تبسم ہوگیا رخصت
یہ کس نے اُن کے آگے میرے غم کی داستاں رکھدی

اشعار

بڑھ چلی حد سے میری ناکامی — مجھکو یوں کامیاب ہونا تھا
غم حیات کی سب منزلوں سے گزرونگا — مآلِ کشمکش و اضطراب رہنے دے
زمیں کی پستیاں افلاک پیما ہوتی جاتی ہیں — فلک کی رفعتیں رہ جائینگی زیر زمیں ہوکر

قطعات تاریخ

قطعۂ تاریخ تالیف تذکرہ ہذا۔ از جناب امیر الاسلام شرقی ایم۔ اے ڈھاکہ

شرف یافت زیں تذکرہ مارواڑ
گلے تو شدہ زینت انجمن

چنیں سالِ تالیف شرقی بگفت
بیابی زیکتا بہارِ سخن

۱۳ ھ ۸۱

قطعۂ تاریخ تالیف تذکرہ از جناب سید خورشید علی مہر نقوی جے پوری کراچی

لکھی خوب یکتا نے نادر کتاب
بہ سعیٔ تمام و بہ ادا الشوری

ہے مطبوع عالم بہارِ سخن
ادب میں یہ ہے تخلیق بالکل نئی

ہے یہ مارواڑی ادیبوں کا حال
جنھیں اسمیں دی ہے نئی زندگی

سُنا جب کہ یہ چھپنے والی ہے اب
ہوئی فکر مجھکو بھی تاریخ کی

کہا مہرؔ سے ہاتفِ غیب نے
کہ تازہ بہارِ سخن چھپ گئی

۱۳ ھ ۸۱

قطعۂ تاریخ تالیف تذکرہ از جناب آغا ظفر علی بیکر عزیزی

ذرا غور فرمائیں تو اہلِ بینش
یہ نسخہ بھی اک شاہکارِ سخن ہے

قرینہ ہے ترتیب سے آشکارا
حقیقت میں یہ بھی شعارِ سخن ہے

عبارت میں رنگینیاں ھیں سراسر — ہو جس سے دونا وقارِ سخن
کہو آج چپکے یہ تاریخ تم بھی
عروسِ زمن ہے بہارِ سخن ہے

۸۱ ھ ۱۳

دیگر

شاہکار جناب یکتا کو! — شعر کی انجمن کہو بیشک
ہے معطر گلوں کی خوشبو سے — اسکو جانِ چمن کہو بیشک
چاہو منقوط میں اگر تاریخ — ذکرِ شعر و سخن کہو بیشک

۶۲ ء ۱۹

قطعہ تاریخ طبع تذکرہ از جناب حکیم سید اکرام حسین اکرام رضوی بیگم

کرد یکتا مرتب چوں ایں تذکرہ — ذکر و حالات مردان فن طبع
گفت اکرام تاریخ طبع نکو — ہدیۂ تو بہارِ سخن طبع

۸۳ ھ

نسخۂ رنگیں بہارِ سخن

۶۳ ء ۱۹

از جناب شمیم متھراوی (کراچی)

اے علم کے متوالے تحقیق کے دیوانے — محنت سے عبارت ہے پڑھو تذکرہ
ہاتف نے شمیم آکر کیا خوب کہا مجھ سے — تاریخ طباعت ہے "پڑھو تذکرہ"

۶۳ ء